Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ویرانہ

PDFBOOKSFREE.PK

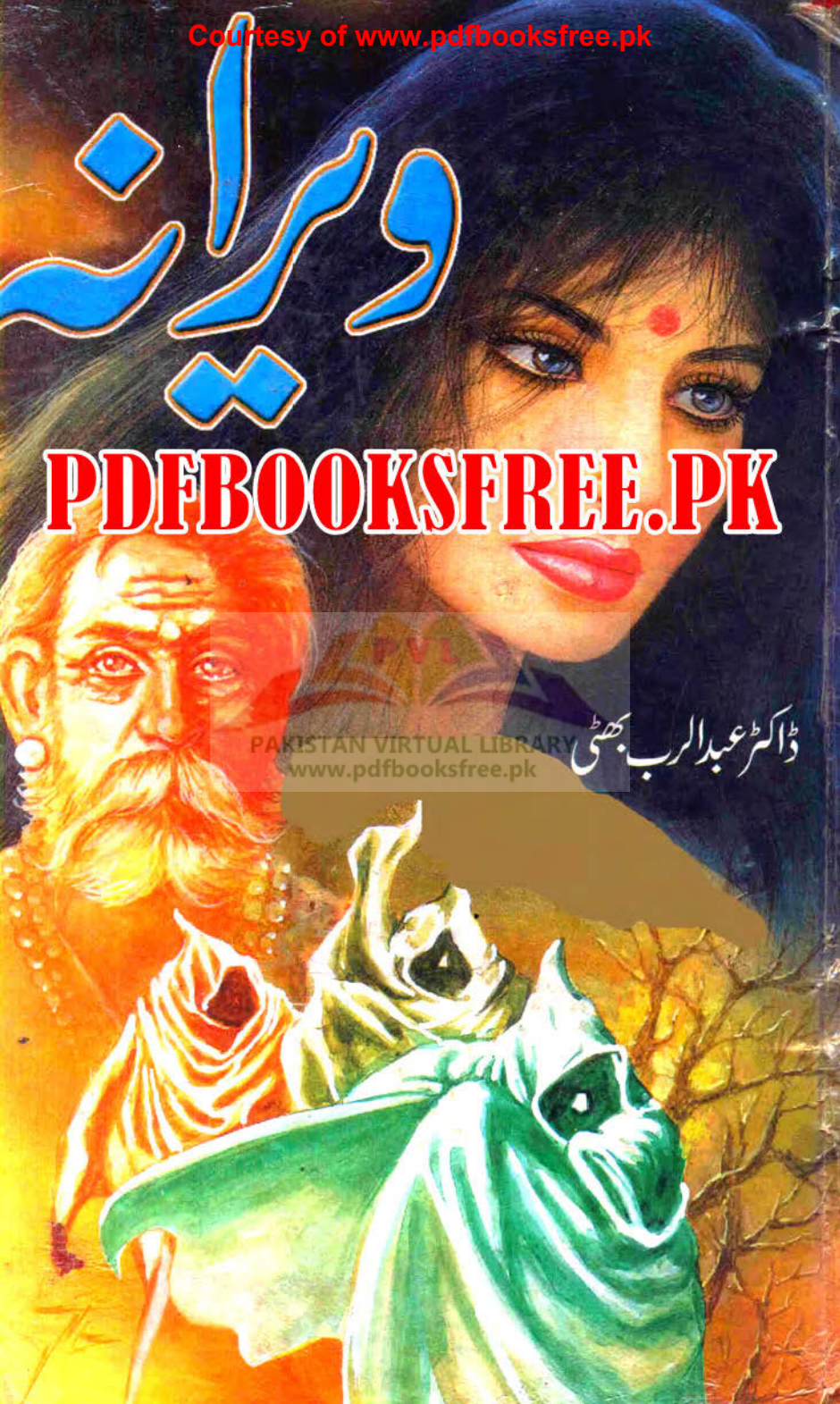

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ویرانہ

شمالی علاقے کی برف پوش حدود میں داخل ہوتے ہی انہیں یوں لگا جیسے وہ قطب شمالی پہنچ گئے ہوں۔ یوں تو انہیں پہلے ہی سے اس پہاڑی علاقے کی ٹھٹھرا دینے والی سردی کا اندازہ تھا لیکن جانے کیوں اب ان دونوں کو ٹھنڈک کا کچھ زیادہ ہی احساس ہو رہا تھا حالانکہ دونوں اپنی ٹویوٹا کار کے اندر موجود تھے جو سیکنڈ ہینڈ سہی لیکن اس کے اندر ہیٹر موجود تھا۔ پھر دوسرے ان دونوں نے موسم اور علاقے کی مناسبت سے گرم لباس بھی پہنے ہوئے تھے۔ پچیس سالہ خوبرو توقیر نے موٹی جینز' شرٹ اور اوپر لیدر کی سیاہ جیکٹ پہن رکھی تھی اور اپنی نئی نویلی بیوی شہلا کی ضد سے مجبور ہو کر اپنے ہاتھوں میں دستانے بھی چڑھا لئے تھے۔ اکیس سالہ نازک اندام شہلا نے بھی سمور کا ٹوپی والا کوٹ اور ہاتھوں میں دستانے پہن رکھے تھے۔ باہر دور تک وادی میں اتری ہوئی خون کو برفاب کر دینے والی ٹھنڈ' جب کار کے ایئر ایگزاسٹ یا آکسیجن دینے والے خودکار روزنوں سے اندر در آنے لگی تو ہیٹر کا مصرف یکدم بے معنی ہو کر رہ گیا تھا مگر پھر بھی توقیر نے اسے آف نہیں کیا تھا۔

سہ پہر ہو چلی تھی' دائیں بائیں برفیلی' ڈھلوانی وادیوں سے جھانکتا سبزہ بڑا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ صنوبر' سرو اور چیڑ کے درخت قطار در قطار مستعد محافظوں کی طرح ایستادہ تھے۔ کھائیاں اس قدر گہری تھیں کہ توقیر کو اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھنا پڑ رہی تھی۔ حالانکہ اس کے برابر بیٹھی ہوئی اس کی حسین بیوی شہلا نے رینا کے بارے میں عجیب تبصرہ کیا تھا مگر توقیر نے ''ہوں..... ہاں'' کہنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"آخر ہم مزید کتنی دیر بعد ہوٹل شنگریلا پہنچیں گے.....؟" شہلا نے غالباً پراسرار خاموشی سے بگڑ کر کہا۔

"بس پہنچنے ہی والے ہیں....." توقیر نے اس بار سامنے ونڈ سکرین کے باہر بل کھاتی پختہ سڑک پر اپنی نگاہیں مرکوز رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"پتہ نہیں..... یاسمین' عزیز' نائلہ اور شعیب بھی پہنچے ہوں گے کہ نہیں اب تک.....؟" شہلا نے دوبارہ کہا۔

"میرا خیال ہے کہ پہنچ گئے ہوں گے....." توقیر بولا۔

"یہ آخر رینا کو کیا سوجھی ہے..... جو ہمیں....." شہلا نے کہتے کہتے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

توقیر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ مختصراً کہا۔ "ایڈونچر....."

"اس عجیب وغریب ایڈونچر کا آخر کیا مقصد ہوسکتا ہے.....؟"

"ارے بھئی..... رینا بے چاری ایک جوان اور حسین' امیر کبیر بیوہ ہے..... ایسے لوگ تنہائی سے گھبرا کر اس طرح کے سنک میں مبتلا ہوتے ہی رہتے ہیں..... ہمارا کیا جارہا ہے..... مفت میں ایک پرفضا مقام میں تفریح کا موقع مل رہا ہے....."

"مگر توقیر..... جانے کیوں اب میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"ارے شہلا..... گھبراہٹ کو چھوڑو انجوائے کرو..... انجوائے۔"

"کیا رینا خود بھی پہنچ گئی ہوگی..... شنگریلا....."

"شاید....."

اچانک چڑھائی شروع ہوگئی اور توقیر کار کا گیئر بدلنے لگا۔

توقیر ایک چھوٹی سی اسٹیٹ ایجنسی چلاتا تھا۔ شہلا اور توقیر کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی۔ ابھی دونوں ہنی مون کیلئے کہیں گھومنے پھرنے کیلئے نکلنے کا پروگرام بنا ہی رہے تھے کہ..... رینا نے ان کا یہ مسئلہ اپنے خرچے پر حل کر دیا تھا۔ رینا کے ان سے کچھ ایسے تعلقات تھے کہ وہ انکار بھی نہیں کر سکے تھے کیونکہ یہ دونوں اس کی مجبوری سمجھتے تھے۔

پھر ذرا ہی دیر بعد انہیں دور اونچائی پر ہوٹل شنگریلا کی قدیم مگر خوب صورت

عمارت کی جھلک دکھائی دینے لگی۔

☆.....☆.....☆

وہ نیلے رنگ کی سہارو ڈومینگو تھی جو چیڑ اور صنوبر کے درختوں کے درمیان گہری بل کھاتی سڑک پر مناسب رفتار سے دوڑی چلی آ رہی تھی۔ اس کے اندر دو نئے شادی شدہ جوڑے براجمان تھے۔ اگلی دو نشستوں پر دو خوبرو نوجوان بیٹھے تھے۔ وہ تقریباً ہم عمر ہی تھے۔ ایک شعیب تھا جو گاڑی چلا رہا تھا جبکہ اس کی برابر والی سیٹ پر اس کا دوست عزیز موجود تھا۔ عقبی نشست پر ان دونوں کی بیویاں یاسمین اور نائلہ موجود تھیں۔ ان چاروں کے چہروں پر خوشیاں نوامید کلیوں کی طرح کھل رہی تھیں۔

نائلہ' شعیب کی اور یاسمین' عزیز کی بیوی تھی۔ شعیب ایک ملٹی نیشنل فارماسیوٹیکل کمپنی کا میڈیکل ری پریزینٹیٹو تھا اور یہ گاڑی اسے کمپنی کی طرف سے ملی تھی۔ حال ہی میں اس کی ترقی بھی ہوئی تھی۔

جبکہ عزیز کا شہر میں ایک "نیٹ کیفے" تھا۔ اچھی خاصی آمدنی تھی۔ سردست دونوں میاں بیوی کیلئے ان کے گزر بسر کا سہارا بنا ہوا تھا۔ خود عزیز نے بی ایس کیا تھا اور کمپیوٹر گرافکس کی اضافی ڈگری بھی لے رکھی تھی۔ آگے چل کر اپنے کاروبار کو مزید وسعت دینا چاہتا تھا۔

"یار شعیب..... ہمیں رینا پر اس قدر بوجھ نہیں بننا چاہئے تھا۔ کم از کم یہ انجوائمنٹ ففٹی پرسنٹ بنیاد پر ہونی چاہئے تھی۔" ان کے ساتھ بیٹھے عزیز نے شعیب سے کسی قدر منفعل ہو کر کہا تو اچانک شعیب کے جواب دینے سے قبل ان کے عقب سے عزیز کی بیوی یاسمین کی کھنکتی ہوئی آواز ابھری۔

"سب سے پہلے تم نے ہی تو بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے رینا کی دعوت قبول کی تھی۔"

یاسمین کے اس ریمارکس پر سب بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ عزیز بھی پیچھے رہنے والا نہ تھا۔ بولا..... "بیگم صاحبہ..... سہیلی تو یہ تمہاری تھی ناں..... اب اس کی خواہش کا احترام ہم پر لازم جو ٹھہرا تھا۔"

"ویسے ایک بات ہے بے چاری رینا ہمارے ساتھ خوشیاں شیئر کرنا چاہتی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے..... اور ہم نے اس کی دعوت محض انسانی ہمدردی کی خاطر قبول کی ہے..... اور ویسے بھی کونسا وہ گئی گزری ہے..... اچھی خاصی دولت مند خاتون ہے..... دلشاد نگر میں اس کا اپنا کاٹیج ہے.....'' یاسمین کے ساتھ بیٹھی شعیب کی بیوی نائلہ نے بھی لقمہ دینا ضروری سمجھا۔

''ہاں بھئی..... بیگم یہ بات تو تم نے ٹھیک ہی کہی۔'' شعیب نے اپنی بیوی کی تائید میں کہا۔ ''دنیا میں رینا جیسے بدنصیب' خوش قسمت اور معصوم لوگ موجود ہیں..... جو اپنی عذاب ناک تنہائیوں کو دور کرنے کی خاطر دوسروں کی خوشیوں سے جلتے کڑھتے نہیں بلکہ ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے ہیں۔''

''مگر یار..... ہمیں..... رینا بے چاری کیلئے سنجیدگی سے کچھ سوچنا چاہئے..... آخر کو اتنی لمبی پہاڑ جیسی زندگی تنہا کب تک گزارے گی رینا۔''

عزیز نے قدرے سنجیدہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا تو شعیب نے بزلہ سنجی سے یاسمین سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''بھابی ہوشیار..... عزیز میاں کا کسی جوان حسین لڑکی کو ''بے چاری'' کہنا آپ کیلئے خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔'' ایک بار پھر گاڑی کا محدود ماحول زعفران زار بن گیا۔

☆.....☆.....☆

شنگریلا ہوٹل میں کمرہ ملنے اور ضروری ''اندراجات'' کے مکمل ہونے تک..... شہلا اور توقیر کو ہوٹل کی لابی میں ہی بیٹھنا پڑا تھا۔ لابی کے صوفوں پر گنتی کے ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ سیزن آف تھا۔ شہلا اور توقیر کو گرما گرم کافی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ توقیر قریب کی کافی شاپ سے ڈسپوزیبل گلاسز میں کافی لے آیا تھا۔

دونوں میاں بیوی اب لابی کے صوفوں پر بیٹھے دھیرے دھیرے کافی سپ کر رہے تھے اور شیشے کے شفاف صدر دروازے سے باہر وادی میں سرمئی شام اترنے کے منظر سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''ان لوگوں کو بھی اب تک پہنچ جانا چاہئے تھا توقیر۔'' شہلا نے قدرے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ اس کا اشارہ نائلہ اور یاسمین وغیرہ کی طرف تھا۔

''ہاں..... اللہ کرے یہ لوگ بھی خیریت سے پہنچ جائیں.....'' توقیر نے کافی

کی آخری چسکی لے کر کہا۔

ایک وردی پوش ویٹر ان کے قریب آیا اور مؤدبانہ انداز میں انہیں کمرے میں چلنے کو کہا۔ دونوں میاں بیوی اٹھے اور پھر یہ لوگ ویٹر کی رہنمائی میں بالائی منزل کی ایک نیم روشن راہداری سے گزر کر آخری سرے پر واقع ایک کمرے میں آ گئے۔

''یار..... سیزن تو آف ہے..... اور ہوٹل میں رش بھی کم ہے..... پھر ہمیں نیچے کمرہ کیوں نہیں دیا گیا؟''

کمرے کے دروازے میں چابی گھماتے ہوئے ویٹر سے توقیر نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''سر..... سیزن بے شک آف ہے..... مگر اس علاقے کی خوبصورتی بارہ مہینوں ہی اپنے شائقین کیلئے تفریح کا باعث بنی رہتی ہے..... آپ کو حیرت ہو گی کہ اس وقت اس ہوٹل کے تقریباً تمام کمرے پر ہیں.....'' ویٹر نے دروازہ کھولتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

توقیر بھنویں اچکاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

کمرہ بڑا آرام دہ تھا۔ یہاں سے باہر کا دوطرفہ منظر بڑی آسانی کے ساتھ دیکھا جا سکتا تھا۔ شہلا نے سب سے پہلے کھڑکیوں سے دبیز پردے دائیں بائیں سرکا دیئے۔ اب کھڑکی کے شیشوں سے باہر کا منظر صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ یہاں تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔

آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے لیکن ان بادلوں کے عقب میں کہیں پیچھے چھپے ہوئے چاند کا دھندلا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

وہ پھر دونوں اپنا سامان درست کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ہی شعیب اور عزیز بھی پہنچ گئے۔ ان کے کمرے بھی..... شہلا اور عزیز کے ساتھ ساتھ ہی تھے۔ ان کمروں کا ہوٹل شنگریلا میں انتظام رینا نے پہلے ہی کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے ایک ہی کمرے میں اکٹھے ڈنر کیا پھر گرما گرم کافی کا دور چلا۔ یہ لوگ کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھ گئے اور رینا کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔

وہ خود انہیں یہاں بلا کر..... ابھی تک نہیں پہنچی تھی..... رینا نے ان سے کہا تھا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ لوگ جب ہوٹل میں اکٹھے ہو جائیں گے تو وہ انہیں اگلے دن آ کر اپنے ساتھ اپنے شاہانہ کاٹیج میں لے جائے گی۔ پھر اس کے بعد سیر سپاٹوں کی باقاعدہ مہم تشکیل دی جائی تھی۔

"بس..... کسی طرح آج کی یہ "نائٹ آف گریٹ سسپنس" تمام ہو جائے تو پھر دل و دماغ سے تجسس اتر جائے گا۔" شعیب نے آخری چسکی لے کر کہا۔

"کیا تجسس بھائی....." عزیز نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"یہ تجسس نہیں تو اور کیا ہے بھائی....." شعیب نے منہ پھلا کر کہا۔ "ہمیں سیدھے سیدھے رینا آج ہی اپنے آنجہانی پاپا کے بنائے ہوئے اس شاہانہ کاٹیج میں لے جاتی..... اس طرح ایک رات ہوٹل میں ہمارے سب کے "پڑاؤ" ڈالنے کا بھلا کیا فائدہ۔"

"شعیب بھائی..... آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ اس لیڈی آف سسپنس نے خالصتاً اپنی جیب سے ہمارے اس مہنگے ترین ہوٹل میں اور وہ بھی علیحدہ علیحدہ رہنے کا بندوبست کیا ہے۔"

"ارے بھابی..... دراصل شعیب بھائی کا مطلب تھا کہ شہر سے یہاں تک چار گھنٹوں کا جو تیل ہم نے اپنی گاڑیوں میں ڈلوایا ہے وہ بھی رینا صاحبہ اپنی جیب سے ہی بھرتیں۔" توقیر نے ازراہ تفنن لقمہ دیا اور بے اختیار سب کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

"مجھے جانے کیوں یہ سارا کوئی پراسرار چکر معلوم دیتا ہے۔" شہلا نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں بھابی..... وہ بے چاری بھلا کیا چکر چلائے گی۔ اس کا مقصد محض سیر سپاٹے اور اپنی تنہائی دور کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔" عزیز نے بھی جواباً سنجیدگی سے کہا۔

تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی گفتگو کرنے کے بعد یہ لوگ سب اپنے اپنے کمروں کی طرف آرام کرنے چل دیئے۔ باہر تاریک اور برف پوش وادیوں میں ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن علی الصباح ایک ستر سالہ بوڑھا انہیں لینے کیلئے ہوٹل شنگریلا آ پہنچا۔ یہ ایک دبلا پتلا شخص تھا' چہرہ جھریوں بھرا لبوترا تھا' آنکھیں اس کی چھوٹی تھیں' اس کا نام نارنگ تھا۔ اس کا تعلق ایک دور افتادہ "کلاش" نامی قبیلے سے تھا۔ بقول رینا اس کے پاپا کے دور کا وفادار اور بااعتماد خدمت گار تھا۔

یہ لوگ سب اس کے ہمراہ کاٹیج کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہیں حیرت تھی کہ رینا انہیں لینے خود کیوں نہیں آئی تھی۔ بوڑھے نارنگ سے انہوں نے رینا کے بارے میں پوچھا ہی تھا کہ انہیں لینے کیوں نہیں آئی تو نارنگ نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

"میڈم..... ابھی شہر سے نہیں پہنچ پائی ہیں البتہ انہوں نے فون پر مجھے آپ لوگوں کو ریسو کرنے کی ہدایت کی تھی۔" یہ لوگ متعجب تو ہوئے مگر خاموش رہے۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے بل کھاتی پختہ سڑک پر مناسب رفتار سے دوڑی جا رہی تھیں۔ دن بھر ہونے والی بوندا باندی سے آس پاس کا ماحول دھل کر نکھر گیا تھا۔ البتہ چیڑ اور دیودار کے پیڑوں اور سرسبز مرغزاروں پر برف نقرئی تاج کی طرح صبح کی ہلکی ہلکی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ آسمان پر اگرچہ اب بھی بادلوں کے ٹکڑے تیرتے نظر آ رہے تھے مگر ابھی ان کے برسنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

کوئی لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد نارنگ کے اشارے پر گاڑیوں کو پختہ سڑک سے نیچے ڈھلوانی وادی کی ایک ذیلی سڑک پر اتارا گیا۔ یہ سڑک نما ایک ناپختہ راستہ تھا۔

یہاں سے مزید نصف گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ان کا عمودی سفر شروع ہوا جو بالآخر چند کلومیٹر تک محیط رہنے کے بعد بلندی پر دیودار اور صنوبر کے درختوں کے جھنڈ میں گھرے ہوئے ایک خوبصورت مگر قدیم طرز کے چوبی کاٹیج کے سامنے اختتام پذیر ہوا۔ بقول نارنگ پختہ سڑک سے یہ کچہ راستہ بالخصوص کاٹیج تک رینا کے آنجہانی پاپا نے ہی بنوایا تھا۔ وہ ٹمبر کے بہت بڑے ٹھیکے دار تھے۔

یہ لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خوبصورت اور سحر انگیز کاٹیج کو تکتے ہوئے گاڑیوں سے نیچے اترے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی مصور نے بہت ہی خوبصورت مناظر کے درمیان یہ کاٹیج پینٹ کیا ہو۔ اب تک انہوں نے ایسا خوبصورت کاٹیج صرف تصاویر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں ہی دیکھا تھا۔ کاٹیج تین اطراف سے صنوبر اور دیودار سے گھرا ہوا تھا۔ کاٹیج کے گرد خاردار باڑھ کا احاطہ تھا جس کا بیرونی گیٹ کھلا ہوا تھا۔ یہ کاٹیج زمین سے لگ بھگ چار پانچ فٹ اونچا تھا۔ اس کی چھت ڈھلوانی تھی اور دریچے محرابی تھے جس پر ڈیزائن دار چوبی چھجے بھی بنے ہوئے تھے۔ رنگ مٹیالا تھا مگر گزشتہ شب میں ہونے والی برسات سے دھل کر نکھر گیا تھا۔ ایک چمنی بھی نظر آ رہی تھی جس سے دھوئیں کی لکیر فضا میں بلند ہو رہی تھی۔

وہ سب لوگ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے عقب میں قریب ہی کھڑا نارنگ ان سب کے چہروں کا باری باری جائزہ لے رہا ہے اور اس کی چھوٹی تیز آنکھوں میں بڑی پراسرار چمک ہلکورے لے رہی تھی۔

یہ سب لوگ نارنگ کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

اندر سے کاٹیج کی تزئین و آرائش دیکھ کر انہیں بڑی فرحت اور تازگی کا احساس ہوا۔ اس کاٹیج میں ایک بلند چھت والی طویل نشست گاہ تھی اور دائیں بائیں دو نسبتاً چھوٹے کمروں کے دروازے ملحقہ تھے۔ اس طرح بالائی منزل میں بھی تین کمرے تھے۔ ان سب کی رہائش بالائی منزل کے الگ الگ کمروں میں تھی۔ چنانچہ یہ سب لوگ اپنے ساز و سامان کے ساتھ بالائی منزل پر آ گئے۔ ہر شے سے بڑی نفاست جھلکتی تھی۔ تینوں جوڑے اپنے اپنے کمروں میں جا کر فروکش ہو گئے۔

شہلا اور توقیر اپنے کمرے میں آ کر سیٹنگ کرنے لگے۔ شہلا نے کھڑکی سے دبیز پردے ہٹائے تو شیشے کی بند کھڑکی سے دیودار اور صنوبر کے درختوں کے عقب میں برف پوش پہاڑیوں کا بڑا دل فریب منظر دکھائی دیا۔ نیچے شفاف جھیل تھی ایک گلیشیر بھی پہاڑی وادیوں میں اٹکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جس کا ایک برفیلا سرا جھیل کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

اس قدرتی حسین منظر کو جانے کتنی ہی دیر تک شہلا عالم محویت میں دیکھتی رہی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد یہ سب لوگ نیچے والے گیسٹ روم میں جمع ہو گئے۔ ان سب کو ہنوز بے چینی سے رینا کا انتظار تھا۔ اس بارے میں وہ نجانے کتنی ہی بار نارنگ سے پوچھ چکے تھے۔ وہ بھی بڑی تندہی کے ساتھ ان کی خدمت میں لگا ہوا تھا اور بدستور انہیں

میڈم کے جلد پہنچنے کی بڑی دلجمعی کے ساتھ اطلاع دیئے جا رہا تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد ان سب نے سوچا کہ رینا کے آنے تک آس پاس کی وادی کی سیر کر لی جائے۔ ان کے اس ارادے پر جانے کیوں نارنگ بے چین سا نظر آنے لگا مگر کچھ بولا نہیں۔ ان لوگوں نے اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو وہ قدرے متذبذب سا ہوا پھر نیم دلی سے اس نے سر ہلا دیا۔ پھر یہ لوگ سب اس کے ساتھ ہو لئے۔ آسمان پر پھر بادل چھانے لگے تھے اور کاٹ دار یخ بستہ ہوا سے پتہ چلتا تھا کہ آج رات برف باری ضرور ہو گی۔

ایک موقع پر شہلا اور توقیر اپنی ہی دھن میں گھومتے گھومتے گروپ سے بچھڑ گئے۔ ہوش انہیں اس وقت آیا جب اچانک تیز موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ان دونوں کا ماتھا ٹھنکا وہ دونوں بارش سے بچتے بچاتے ایک پہاڑی چھجے کے نیچے آ گئے۔ پوری وادی میں بادلوں کی وجہ سے اندھیرا پھیل گیا تھا۔

''توقیر..... اب کیا ہو گا.....؟ ہم کاٹیج تک کیسے پہنچیں گے.....؟'' شہلا نے سردی سے کپکپاتے ہوئے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔ توقیر خود پریشان نظر آ رہا تھا تاہم وہ ازراہ تشفی بولا۔ ''اب بارش رکنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''مگر توقیر..... بارش کے تو رکنے کے آثار نظر نہیں آتے۔ آخر کتنی دیر ہمیں یہاں رکنا پڑے گا؟'' شہلا نے پریشانی سے کہا تو توقیر کوئی جواب دینے کے بجائے اپنی جیکٹ کی جیب میں دونوں ہاتھ ڈالے متفکرانہ نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لینے لگا۔ بارش متواتر جاری تھی۔ اس کا زور ابھی نہیں ٹوٹا تھا۔

پھر کوئی لگ بھگ دو گھنٹے بعد بارش پوری طرح رکی تو نہیں تھی البتہ ہلکی ہلکی بوندا باندی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ دونوں کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ دونوں جلدی سے چٹانی چھجے سے نکلے اور کاٹیج کی طرف چل پڑے۔ برسات کی وجہ سے زمین پھسلواں ہو گئی تھی اس لئے دونوں کو سست روی اور سنبھل کے چلنا پڑ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد یہ ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی بند ہو گئی۔

توقیر نے اپنی جیکٹ اتار کر شہلا کو پہنا دی تھی۔ دونوں راستہ پہچانتے ہوئے کاٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی توقیر کو احساس ہوا جیسے وہ کاٹیج کا راستہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھول چکا ہے۔ وہ ذرا رکا تو شہلا نے پوچھا۔ ”کیا ہوا توقیر؟ رک کیوں گئے..... راستہ بھول گئے کیا؟“

”لگتا تو ایسا ہی ہے..... مگر..... علاقہ تو یہی تھا۔“ توقیر نے چہار اطراف ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں توقیر..... یہ درخت وہ دور برفیلی چوٹیوں کا منظر اور..... اور..... وہ دیکھو..... گلیشیر..... کے نیچے بہتی جھیل..... یہ سب کچھ تو کاٹیج کے آس پاس..... بلکہ بہت قریب تھا.....“

”کمال ہے..... پھر کاٹیج کہاں گیا..... زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔“ توقیر نے گڑبڑا کر کہا۔

دفعتاً ان کی نظر سامنے ایک مقامی شخص پر پڑی۔ توقیر نے اسے فوراً آواز دے کر بلایا۔ وہ ایک چالیس پچاس سالہ ادھیڑ عمر شخص تھا۔ صحت قابل رشک تھی۔ رنگت سرخ و سفید تھی۔ اس نے مقامی طرز کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور کوئی غریب آدمی دکھائی دیتا تھا۔

”ہم راستہ بھول گئے ہیں..... کیا تم ہماری مدد کرو گے.....“ توقیر نے شائستگی سے کہا۔

”ہاں..... صیب..... کدھر جانا ہے.....“ وہ پہاڑی شخص فراخ دلی سے بولا۔

توقیر نے اسے کاٹیج کا محل وقوع بتاتے ہوئے اس سے پوچھا تو اس پہاڑی شخص کے چہرے پر چند ثانیے کیلئے حیرت آمیز تاثرات قائم رہے پھر وہ فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”صیب ایسا تو کوئی کاٹیج..... یہاں دور نزدیک کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔“

”کیا.....؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے.....؟“ بیک وقت ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

”ہاں جی..... بھلا میں جھوٹ بول رہا ہوں کوئی.....؟“ پہاڑی شخص نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

”ارے بھئی کیا کہہ رہے ہو تم..... ہم آج صبح ہی اس کاٹیج میں موجود تھے وہاں ہم نے ناشتہ کیا ہمارے ساتھ اور بھی کئی ساتھی تھے..... ہم باہر گھومنے نکلے تو راستہ

بھٹک گئے اور آپ کہہ رہے ہو کہ یہاں دور نزدیک ایسے کسی کاٹیج کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔“ توقیر نے کہا تو وہ پہاڑی ادھیڑ عمر شخص ایک لمحے کو الجھن آمیز سوچ میں مبتلا نظر آنے لگا پھر توقیر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”صیب..... ایک بات بتاؤ..... اس کاٹیج میں اور کون تھا..... میرا مطلب ہے آپ لوگوں کے علاوہ کوئی خدمت گار یا چوکیدار۔“

”ہاں..... ایک خدمتگار تھا..... اس کا نام نارنگ ہے.....“ توقیر نے اسے بتایا۔

”نارنگ۔“ کا نام سن کر اس پہاڑی شخص کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا اور وہ توقیر کے چہرے کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے وہ کسی اور ہی سیارے کی مخلوق ہو۔

”کیوں بھائی..... کیا ہوا؟ تم چونک کیوں گئے.....“ توقیر نے پوچھا۔

”صیب کیا آپ کو..... پورا یقین ہے کہ نارنگ آپ کے ساتھ اس کاٹیج میں موجود تھا۔“

”ہاں بھئی..... ابھی چند گھنٹے پہلے کی تو بات ہے..... خود ہمیں..... ہوٹل منگریلا سے ادھر لے کر آیا تھا۔“

”صیب! نارنگ کا ذرا حلیہ بتانا.....“

توقیر نے اسے نارنگ کا حلیہ سمجھایا تو پہاڑی شخص چونک کر زیر لب بڑبڑایا ”حلیہ تو وہی ہے۔“

”کیا ہوا بھائی..... کچھ ہمیں بھی بتاؤ..... یہ سارا چکر کیا ہے؟“ توقیر نے جھنجھلا کر پوچھا۔

”دیکھو صیب..... مجھے اس وادی میں رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ ”جب میں نے ہوش سنبھالا تھا تو میں نے ادھر وادی میں ایک کاٹیج دیکھا تھا جو ایک لکڑی کے ٹھیکیدار نے اپنی پسند سے بنوایا تھا۔ نارنگ نامی وہ خدمت گار بھی ان دنوں جوان ہی تھا مگر پھر چند سالوں بعد جانے کیا ہوا کہ اس کاٹیج کو آگ لگ گئی اور اس کا خدمت گار نارنگ بھی اس آگ میں جل مرا.....“

”کیا..... نارنگ بھی مر گیا تھا جل کر.....؟“ توقیر نے حیرت سے پوچھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"صیب..... نارنگ ایک دور افتادہ قبیلے "کلاش" سے تعلق رکھتا تھا۔ جب کاٹیج کو آگ لگی تو بستی کے دیگر لوگ آگ بجھانے لگے اور نارنگ کو بھی کسی طرح باہر نکالا تھا۔ جلتے ہوئے کاٹیج سے مگر وہ جانبر نہ ہو سکا..... بعد میں اس کے قبیلے کے لوگ نارنگ کی لاش لے کر اپنے قبیلے چلے گئے تھے۔"

"نارنگ کی لاش لے کر.....؟" اچانک توقیر اور شائلہ نے چونک کر بیک وقت پوچھا۔

"ہاں صیب..... نارنگ کو مرے ہوئے تو برسوں بیت چکے ہیں....." اس ادھیڑ عمر پہاڑی شخص نے کہا اور سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

توقیر اور شائلہ دونوں سناٹے میں کھڑے رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

"یہ توقیر اور شہلا کدھر نکل گئے ہیں۔" نائلہ نے قدرے تفکر آمیز انداز میں اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے ساتھ کھڑے اس کے شوہر شعیب نے پرتفکر انداز میں اپنا سر ہلا دیا۔ یاسمین اور عزیز بھی توقیر اور شہلا کی اچانک غیر موجودگی پر چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ اس وقت یہ لوگ ایک جھیل کے قریب کھڑے تھے۔ نارنگ بھی ان کے ہمراہ تھا..... وہ ابھی تک جانے کیوں گھبرایا ہوا سا نظر آ رہا تھا اور بار بار ان سب کو واپس کاٹیج چلنے کی تنبیہ کر رہا تھا۔ یہ سب لوگ وادی کی فطری رنگ آمیزی میں اس قدر مگن تھے کہ انہیں شہلا اور توقیر کے کھو جانے کا علم ہی نہ ہو سکا تھا۔ انہیں اس وقت یاد آیا تھا جب اچانک موسلا دھار برسات کی وجہ سے وہ ایک چٹان کے نیچے جمع ہوئے تھے اور سب سے پہلے نائلہ نے ہی شہلا اور توقیر کی اچانک غیر موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ اب اس کے یاد دلانے پر سب کا ہی ماتھا ٹھنکا تھا۔

"ارے واقعی..... یہ دونوں کدھر چلے گئے.....؟" اس بار یاسمین اور عزیز کے منہ سے بھی بے اختیار نکلا تھا۔

"ابھی تو یہ دونوں ادھر ہی تھے....." شعیب نے پریشانی سے کہا۔

"وہ دیکھو کوئی اس طرف چلا آ رہا ہے۔" یاسمین نے سامنے سے ایک ادھیڑ عمر شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اشارے سے کہا جو اپنی وضع قطع سے مقامی

دکھائی دے رہا تھا۔ یہ وہی ادھیڑ عمر شخص تھا جو تھوڑی دیر پہلے شہلا اور توقیر کو بھی ملا تھا۔

وہ مقامی پہاڑی شخص جیسے ہی ان کے قریب آیا تو عزیز نے اس سے کہا۔

"اے بھائی..... ذرا ادھر آنا....." اس کے پکارنے پر وہ شخص ان کے قریب آ گیا۔

"بھائی..... تم نے یہاں کہیں آس پاس کسی جوان عورت اور مرد کو تو نہیں دیکھا۔" اس کے قریب آنے پر عزیز نے اس سے پوچھا۔

وہ شخص یہ بات سن کر چونک گیا اور قدرے الجھی ہوئی نظروں سے ان سب کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ کسی کو اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ نارنگ چپکے سے غائب ہو چکا تھا۔

"تم لوگ کہیں وہی تو نہیں ہو..... جنہیں وہ دونوں تلاش کر رہے تھے....." اس شخص نے گومگو سے لہجے میں پوچھا۔

شعیب نے فوراً اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں..... ہاں..... ہم وہی ہیں..... تمہیں کیا ہمارے وہ دونوں ساتھی ملے تھے؟" یہ کہتے ہوئے شعیب نے اسے شہلا اور توقیر کا حلیہ بتایا تو اس شخص نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں مجھے اس طرف کھڑے ملے تھے۔ آؤ..... میں تم لوگوں کو ان کے پاس لے چلتا ہوں....."

وہ چاروں اس کے ہمراہ چل دیئے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ اب تک کسی کا بھی دھیان نارنگ کے اچانک غائب ہونے پر نہیں گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ان دونوں کو اس پہاڑی شخص کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ تو جا چکا تھا مگر شہلا اور توقیر ہنوز کافی دیر تک اس جگہ پر گم صم کھڑے رہے تھے۔

"مجھے تو یہ شخص کوئی پاگل ہی نظر آتا تھا۔" معاً توقیر نے تبصرہ کیا۔

"چلو توقیر..... یہاں سے کہیں اور چلتے ہیں۔" شہلا نے قدرے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے خیال سے ہمیں خود ہی کاٹیج کو تلاش کرنا چاہئے..... اس وادی کے سارے مناظر ایک جیسے ہی معلوم ہوتے ہیں..... وہ کاٹیج ہمیں تھوڑی سی تلاش کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ساتھ نظر آ سکتا ہے۔'' اس کی بات پر توقیر نے پرسوچ انداز میں اپنا سر ہلا دیا۔

دونوں..... آگے چل پڑے..... آسمان پر ہنوز گہرے بادلوں کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی جس سے پوری وادی میں شام کا سا گمان ہونے لگا تھا۔ وہ دونوں دیودار اور سرو کے درختوں کے بیچ پگڈنڈی نما بل کھاتے راستے پر چلے جا رہے تھے کہ اچانک وہ دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔

سامنے ایک شخص کھڑا تھا۔ اس نے موٹے اور پھولے پھولے گرم کپڑے پہن رکھے تھے مگر چہرے پر اس کے عجیب ساخت کا سپاٹ ماسک چڑھا ہوا تھا جس میں آنکھوں کی جگہ دو چھوٹے سوراخ تھے اور ناک کی طرف ایک انچ بھر کا تکون سوراخ تھا جبکہ منہ کی جگہ سپاٹ ماسک تھا۔ شہلا اس پراسرار شخص کو دیکھ کر بے اختیار چیخ پڑی۔ اس کی سہمی ہوئی نگاہیں اس پراسرار ماسک پوش پر جم سی گئی تھیں۔ توقیر بھی ایک لمحے کیلئے ڈر گیا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے اس نے ہمت کر کے پوچھا۔

''اے..... کون ہو تم..... یہ کیا مذاق ہے.....؟''

مگر وہ پراسرار ماسک پوش کسی کھمبے کی طرح زمین پر گڑھا ماسک کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے انہیں گھور رہا تھا۔ اس پراسرار ماسک والے نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی پھولی ہوئی جیکٹ کے اندر ڈالا اور پھر دوسرے ہی لمحے جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو شہلا اور توقیر کی روح فنا ہو گئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں اب چمکتا ہوا تیز پھل والا بغدا نظر آ رہا تھا۔ وہ اسے مضبوطی سے تھامے ان کی طرف بڑھنے لگا۔ خوف کے مارے شہلا کے حلق سے چیخ خارج ہو گئی۔

''تت..... توقیر..... بھاگو.....'' شہلا نے خوف سے لرزتی آواز میں اس سے کہا مگر توقیر کی غیرت یہ گوارا نہیں کر رہی تھی کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگے..... چنانچہ وہ اس ''ماسک پوش'' کو گھورتا رہا..... پھر اس نے شہلا سے کہا۔ ''شہلا..... تم ایک طرف ہو جاؤ..... میں اس سے نمٹتا ہوں۔''

''نہیں..... نہیں..... توقیر..... خدا کیلئے بھاگ چلو..... یہ..... یہ بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' شہلا نے چلا کر کہا اور ساتھ توقیر کو پیچھے گھسیٹنے لگی..... اسی اثنا میں پراسرار ماسک پوش بغدا تھامے ان کے بالکل قریب پہنچ گیا اور اپنے

بغدے والا ہاتھ بلند کر لیا۔ توقیر نے شہلا کو ایک طرف دھکیل دیا اور خود بڑی پھرتی کے ساتھ اپنی دائیں لات ماسک پوش کے پیٹ پر رسید کر دی۔ توقیر کو یوں لگا جیسے ماسک پوش کا پیٹ گوشت پوشت کے بجائے آہنی چادر کا بنا ہو۔ ماسک پوش اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہوئے بغیر کھڑا رہا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس نے بغدے سے توقیر پر وار کیا۔

توقیر نے بجلی کی سی پھرتی سے خود کو بچایا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اس مافوق الفطرت قسم کے ماسک پوش کا نہتے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے شہلا کو پکارا اور پھر اس کا بازو پکڑ کے دوڑ لگا دی۔ ذرا آگے جا کر انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو خود بخود ان کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لئے۔ ان کے عقب میں بل کھاتی پگڈنڈی دور تک ویران تھی۔ وہ پراسرار ماسک پوش غائب تھا پھر دفعتاً انہیں اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا وہ دونوں ہی بیک وقت پلٹے تو مارے دہشت کے شہلا کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ماسک پوش جانے کب ان کے عقب میں اچانک ہی نمودار ہوا تھا اور اس نے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بغدے کا وار توقیر پر کیا۔ توقیر نے اپنی گردن بچانے کیلئے فوراً جھکا دی لیکن باوجود اس کے بغدے کا ظالم وار توقیر کے دائیں شانے پر لگا۔ اس کے حلق سے دلخراش چیخ نکل گئی اور وہ اپنا زخمی شانہ پکڑے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

شہلا نے جو اپنے مجازی خدا کا یہ حشر دیکھا تو اس کے حلق سے ہسٹریائی چیخیں برآمد ہونے لگیں۔ ادھر ماسک پوش کا بغدے والا ہاتھ پھر فضا میں اٹھ گیا تو توقیر نے جان بچانے کی آخری کوشش کرتے ہوئے ہمت سے کام لیا اور اس کی ٹانگوں سے چپک گیا پھر اپنے وجود کی پوری قوت سے اسے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ ادھر شہلا کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ اس ویرانے میں خوف زدہ ہونے اور چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کا شوہر بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ چنانچہ پہلی بار اس کے دل میں خوف کی جگہ شدید نفرت اور غیظ نے لے لی کیونکہ اپنے شوہر کو موت کے منہ میں دیکھ کر کمزور سے کمزور عورت بھی زخمی شیرنی بن جاتی ہے۔ دوسرے ہی لمحے وہ ہذیانی انداز میں چیخ مارتی ہوئی اچھلی اور اس سفاک ماسک پوش کی گردن سے لپٹ گئی۔ ادھر توقیر اپنے زخمی وجود کی پوری قوت صرف کرتے ہوئے اس کی ایک ٹانگ گھسیٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ نتیجتاً

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماسک پوش اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور زمین پر آ رہا۔ اس کے ہاتھ سے بغدا چھوٹ کر دور جا گرا۔ شہلا نے لپک کر بغدا ہاتھ میں اٹھا لیا اور ایک زوردار وار زمین پر کمر کے بل گرے ماسک پوش کے سینے پر کیا۔ بغدا جیسے ہی اس کے سینے سے ٹکرایا تو شہلا کا ہاتھ جھنجھنا گیا..... اسے یوں لگا جیسے تیز پھل والا بغدا ماسک پوش کے سینے کے بجائے فولاد سے ٹکرایا ہو۔ بغدا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ماسک پوش نے لیٹے لیٹے ہی اپنی ایک زوردار لات شہلا کے چہرے پر رسید کی تو وہ بے چاری ایک زوردار چیخ مار کر پرے جا گری۔ ادھر وہ پراسرار ماسک پوش پھرتی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا..... وہ اب اپنا بغدا دوبارہ اٹھا چکا تھا پھر دوسرے ہی لمحے اس نے توقیر کو موقع دیئے بغیر بغدے کا وار اس کی گردن پر کیا۔ توقیر کا سر تن سے جدا ہو کر کسی فٹ بال کی طرح لڑھکتا ہوا شہلا کے قریب آ رہا۔ خوف و دہشت اور شدت غم سے شہلا گنگ ہو کر رہ گئی۔ وہ ماسک پوش اب شہلا کی طرف بڑھنے لگا۔ شہلا نے خوف و دہشت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے..... جنگل کی طرف دوڑ لگا دی..... ساتھ ہی اب وہ دہشت ناک انداز میں چیختی چلاتی بھی جا رہی تھی۔ اس کی سانس بری طرح پھول گئی تھی۔ وہ بغیر رکے اندھا دھند دوڑی جا رہی تھی۔ پھر اچانک اسے سامنے نائلہ' شعیب' یاسمین اور عزیز آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے ہمراہ وہ ادھیڑ عمر پہاڑی شخص بھی تھا۔ وہ سب شہلا کو وحشت زدہ ہرنی کی مانند دوڑتا دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئے..... شہلا چیختی ہوئی نائلہ سے لپٹ گئی پھر بے دم ہو کر گر پڑی۔

''اسے کیا ہو گیا؟ خدا خیر کرے.....'' نائلہ نے اسے سنبھالتے ہوئے پریشانی سے کہا۔ باقی سب لوگ بھی شہلا کی اس وحشت پر سناٹے میں آ گئے تھے۔

''یہ..... یہ توقیر نظر نہیں آ رہا.....؟'' اچانک شعیب نے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے تفکر سے کہا۔

''میرا خیال ہے ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے.....'' عزیز بولا۔

''ہمیں..... توقیر بھائی کو تلاش کرنا چاہئے۔''

''پہلے اس بے چاری کو تو سنبھالو.....'' عزیز نے کہا۔ سب شہلا کو ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگے۔ ادھر وہ ادھیڑ عمر پہاڑی شخص اس معاملے سے گھبرا کر خاموشی

سے غائب ہو گیا۔

پھر یاسمین اور عزیز..... توقیر کی تلاش میں دور تک گئے اور بے نیل و مرام واپس لوٹ آئے۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں کاٹیج کی طرف لوٹ جانا چاہئے۔ شہلا ہوش میں آئے گی تو کچھ پتہ چلے گا۔'' عزیز نے مشورہ دیا اور سب نے اس پر صاد کیا۔ وہ لوگ بے ہوش شہلا کو کسی طرح سنبھالے ہوئے کاٹیج کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہیں سامنے اپنا کاٹیج نظر آ گیا۔

☆.....☆.....☆

ان سب کے چہروں پر دم بخود سناٹا لرزاں تھا۔ یہ لوگ اس وقت کاٹیج کی بلند چھت والی نشست گاہ میں صوفوں پر براجمان تھے۔ کمرے کی پرہول خاموشی میں شہلا کے سسکنے کی آواز وقفے وقفے سے ٹھٹکے ہوئے خوف زدہ دلوں میں دھمک سی پیدا کر رہی تھی۔ شہلا کے دائیں بائیں یاسمین اور نائلہ اسے سہارا دیئے بیٹھی تھیں۔ شہلا ان سب کو اس پراسرار اور خون آشام ماسک پوش کے ہاتھوں اپنے شوہر توقیر کی عبرتناک موت کے بارے میں روتے ہوئے بتا چکی تھی۔ اس پر مسلسل بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے مگر اب ان سب کے سمجھانے بجھانے اور حوصلہ دلانے پر اس کی طبیعت قدرے سنبھلی ہوئی تھی۔

ان سب کے چہروں پر غم' پریشانی اور انجانے خوف کے تاثرات گڈمڈ ہو رہے تھے۔

''ہمیں فوراً یہ منحوس جگہ چھوڑ دینی چاہئے اور سیدھے پولیس سٹیشن رپورٹ کرنی چاہئے۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عزیز نے تمتمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مگر اس ویرانے میں تو دور دور تک کوئی تھانہ یا پولیس سٹیشن نہیں ہے۔'' شعیب نے کہا تو اچانک یاسمین کو کچھ یاد آیا اور وہ تقریباً چلا کر بولی۔ ''یہ نارنگ کدھر غائب ہے..... کیا خبر اسے کچھ معلوم ہو؟''

''ارے ہاں بھئی..... ہم سب تو اسے بھول گئے ہیں.....'' اچانک نائلہ نے بھی تحیر آمیز انداز میں کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دفعتاً انہیں دروازے پر دستک سنائی دی جو اس ٹھٹکے ہوئے خوف زدہ سے ماحول میں دھماکے سے کم نہ تھی۔ وہ سب بری طرح ٹھٹکے پھر شعیب اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو نائلہ چلا کر خوف زدہ لہجے میں بولی۔ ''شعیب دروازہ مت کھولنا کہیں وہ..... خون آشام ماسک پوش.....'' الفاظ اس کے حلق میں ہی گھٹ گئے کیونکہ اگلے ہی لمحے شعیب نے دروازے کے قریب پہنچ کر باآواز بلند پوچھا۔ ''کون ہے؟'' اسی اثنا میں عزیز بھی فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر شعیب کے ساتھ آن کھڑا ہوا تھا۔

''میں ہوں..... نارنگ.....؟'' دوسری طرف کاٹیج کے خدمت گار کی کھردری آواز ابھری اور شہلا کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ ہذیانی انداز میں چلا کر بولی۔ ''دروازہ مت کھولنا یہ نارنگ نہیں بلکہ بدروح ہے۔''

شہلا ان سب کو..... اس پہاڑی شخص کے حوالے سے یہ بتا چکی تھی کہ نارنگ کا انتقال ہوئے برسوں بیت چکے تھے مگر شعیب نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے نارنگ عجیب انداز میں کھڑا تھا۔ انہیں گھورتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''تم..... تم کدھر چلے گئے تھے..... تمہیں معلوم ہے..... ہمارے ساتھ کتنا بڑا حادثہ پیش آ چکا ہے۔'' شعیب نے قدرے درشت لہجے میں اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اندر کمرے میں آ گیا۔

شہلا سمیت سب کی نظریں نارنگ کے سپاٹ چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ نارنگ نے اندر داخل ہو کر بڑی عجیب نظروں سے غمگین شہلا کی طرف دیکھا پھر جانے انجانے لہجے میں بولا۔ ''کیا ہوا ہے..... خیریت تو ہے؟''

''خیریت کہاں ہے؟'' اس بار عزیز نے اس کی طرف گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''کسی پراسرار نقاب پوش نے ہمارے دوست توقیر کا بڑی بیدردی سے قتل کر دیا۔ وہ شہلا کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا مگر وہ بے چاری بڑی مشکلوں سے اپنی جان بچا کر بھاگی ہے۔'' اس کی بات سن کر نارنگ کے چہرے کا رنگ چند لمحے کیلئے متغیر سا ہو گیا پھر وہ قدرے چونک کر بولا۔ ''کب ہوا یہ حادثہ.....؟''

''اس بات کو چھوڑو..... تم یہ بتاؤ..... ادھر قریب میں کوئی پولیس سٹیشن ہے..... ہم نے قتل کی رپورٹ درج کروانی ہے۔''

شعیب نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ نارنگ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ گومگو سے لہجے میں بولا۔ ''ہاں..... اس علاقے میں ایک تھانہ ہے تو سہی مگر وہ خاصا دور ہے لیکن خیر..... رپورٹ تو درج کروانی ہی پڑے گی..... آؤ..... میرے ساتھ.....'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر جانے لگا تو شعیب نے اسے روکا۔ ''ٹھہرو.....''

نارنگ کے واپس لوٹتے ہوئے قدم جامد ہو گئے۔

''رینا اب تک کیوں نہیں پہنچی ہے..... کیا اسے اطلاع کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے؟''

''میڈم کو میں نے شنگریلا ہوٹل سے فون کیا تھا وہ گھر سے چل پڑی ہیں اور اب کسی بھی وقت یہاں پہنچنے والی ہیں.....'' نارنگ نے بتایا۔

''اچھا ٹھیک ہے..... تم باہر چلو ہم ابھی آتے ہیں۔'' عزیز نے کہا اور نارنگ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

''عزیز..... ایسا کرتے ہیں کہ تم ادھر ٹھہرو..... میں اور نائلہ نارنگ کے ساتھ پولیس سٹیشن جا کر رپورٹ درج کروا آتے ہیں۔'' شعیب نے عزیز کو مخاطب کر کے کہا تو عزیز نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''شعیب..... تمہارا اور بھابی کا اکیلے جانا مناسب نہیں ہے ہم سب ساتھ چلیں گے اور حالات کا بھی تقاضا ہے کہ ہم لوگ ساتھ ہی رہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔'' اس بات کو سن کر باقی خواتین نے بھی فوراً تائید کی۔

پھر یہ سب لوگ شہلا کو لئے کاٹیج سے باہر آ گئے۔ نارنگ وہاں ان سب کا منتظر کھڑا تھا۔ جب یہ لوگ اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھے تو بری طرح ٹھٹکے۔ ان کی دونوں گاڑیوں کے سارے ٹائرز زمین سے لگے ہوئے تھے۔

''یہ کیا.....؟ یہ ٹائر کس نے پنکچر کئے ہیں؟'' عزیز نے پریشان کن حیرت سے کہا۔ سب لوگوں کے چہروں پر وحشت سی چھانے لگی۔ نارنگ ایک طرف خاموشی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے کھڑا تھا۔

"یہ کسی کی شرارت ہی ہوسکتی ہے؟" شعیب نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مگر اب کیا ہوگا۔ پولیس سٹیشن کس طرح جانا ہوگا۔" یاسمین نے پریشانی سے کہا تو عزیز قریب کھڑے ہوئے نارنگ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "نارنگ یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے؟"

"میں کیا جانوں صاحب..... مجھے تو خود حیرت ہو رہی ہے..... بھلا اس ویرانے میں ہمارے ساتھ یہ سب کیوں کر ہو رہا ہے۔" نارنگ نے اتھلے لہجے میں کہا۔

"تمہارے ساتھ نہیں..... یہ سارا پراسرار چکر صرف ہمارے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔" شعیب نے تلخ لہجے میں نارنگ کو گھورتے ہوئے کہا تب پھر اچانک انہیں قریب ہی نیچے وادی میں کسی گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ سب چونک کر آواز کی سمت دیکھنے لگے۔ سامنے برف پوش ڈھلوان میں چیڑ کے درختوں کے درمیان گہری بل کھاتی نیم پختہ سڑک پر ایک نئے ماڈل کی کرولا سبک خرام نظر آئی۔

نارنگ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "لو جی..... میڈم آ گئیں۔" وہ رینا کی کار پہچان گیا تھا۔

اگلے چند منٹوں بعد گرے رنگ کی کرولا بل کھاتی سڑک کا فاصلہ طے کرتی ہوئی ان کے بالکل قریب آ کر رک گئی پھر اس کا دروازہ کھلا تو تیس سال کی ایک پرکشش لڑکی برآمد ہوئی۔ اس کے چہرے کے نقوش میں عجیب تیکھا پن تھا۔ اس کے بال کھلے ہوئے اور بھورے مائل تھے۔ اس نے موسم کی مناسبت سے فرکا گرم کوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔

"آہا..... تم سب لوگ پہنچ گئے..... بھئی معاف کرنا مجھے ذرا دیر ہو گئی..... لیکن مجھے یقین ہے کہ اس خوبصورت کاٹیج اور یہاں کے فطری حسین نظاروں نے تم لوگوں کو میری کمی محسوس ہونے نہیں دی ہوگی۔" وہ اپنی دھن میں بولتی چلی گئی۔

"نارنگ بابا..... تم نے ان کا ہر طرح سے خیال رکھا ہے ناں..... کسی قسم کی تکلیف....." اچانک وہ ان سب کے سپاٹ چہروں پر چھائی پراسرار خاموشی پر چپ ہو

گئی۔ پھر ایک دم اس کے چہرے کے تاثرات متغیر ہونے لگے اور اگلے ہی لمحے وہ اسی لہجے میں باری باری سب کے چہروں پر نظر ڈالتی ہوئی مستفسر ہوئی۔ "ارے بھئی! تم لوگوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے..... شاید مجھ سے ناراض ہو..... تم لوگ آؤ..... اندر چل کر بیٹھتے ہیں..... آرام سے....." یہ کہہ کر جب اس نے کھنکتی ہنسی کے ساتھ کاٹیج کے گیٹ کی طرف قدم بڑھائے تو اچانک شعیب نے سپاٹ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"مس رینا..... ذرا ایک منٹ....." رینا چونک کر پلٹی اس کی کمان کی طرح کھنچی سرمگیں آنکھوں میں حیرت تھی۔

"میرا خیال ہے..... شعیب بھائی! ہمیں اندر چل کر آرام سے رینا کو ساری حقیقت بتانی چاہئے۔" قریب کھڑی یاسمین نے شعیب سے ٹوکنے کے انداز میں کہا..... اور پھر سب لوگ اندر کمرے میں آ کر بھاری بھرکم صوفوں پر براجمان ہو گئے۔

رینا کو اس سارے لرزہ خیز واقعہ کی تفصیل' نیز اس پراسرار ماسک پوش کے ہاتھوں توقیر کے عبرتناک قتل کے بارے میں بھی گوش گزار کر دیا گیا۔

رینا یہ ساری روح فرسا کتھا سن کر یک دم سکتے میں آ گئی۔

"اور..... ابھی جب کہ ہم اس قاتل ماسک پوش کیخلاف تھانے میں رپورٹ کروانے جا رہے تھے تو..... کسی نے ہماری دونوں گاڑیوں کے سارے ٹائر ہی پنکچر کر دیئے۔ شعیب کی ساری تفصیلات بتانے کے بعد آخر میں عزیز نے بھی لقمہ دیتے ہوئے حیران و پریشان بیٹھی رینا سے کہا تو رینا کے چہرے کا رنگ مزید فق نظر آنے لگا۔

نارنگ ان کے قریب خاموش کھڑا تھا۔ رینا نے غمزدہ بیٹھی شہلا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر سخت ندامت اور دکھ کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اس کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ شہلا کے شوہر توقیر کے قتل کا خود کو ذمہ دار سمجھ رہی تھی۔

پھر وہی یکدم صوفے سے اٹھی..... شہلا کے پاس جا کر اسے گلے لگا لیا۔ رینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ "شہلا مجھے معاف کر دینا..... یہ سب شاید میری وجہ سے ہوا ہے۔ کاش..... کاش..... میں خودغرضی سے کام نہ لیتی..... کاش....." سب لوگ اس کے بڑبڑانے پر چونک پڑے۔

"ہاں..... یہ میری خودغرضی ہی تو تھی....." لمحہ بھر توقف کے بعد رینا اپنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ”میں تنہائی کی ماری ہوئی تھی اور چاہتی تھی کہ ہم اچھے دوستوں کی طرح کسی پرفضا مقام کی سیر کریں۔ مم..... مجھے اگر پتہ ہوتا کہ.....“ معاً اس کی آواز رندھ گئی اور وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔

”شہلا..... مجھے معاف کر دینا۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔“

ماحول میں چند ثانئے سوگواری سی طاری رہی اس کے بعد شعیب نے رینا کو مخاطب کر کے کہا۔

”رینا! میرا خیال ہے اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں..... بہرحال اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اچھا ہوا تم آ گئیں..... ایسا کرتے ہیں..... تمہاری کار میں تھانے چلتے ہیں..... تاکہ اس خونی قاتل کیخلاف قتل کی رپورٹ درج کروا سکیں۔“

رینا نے اس کی بات سن کر اثبات میں سر ہلایا پھر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ”سمجھ میں نہیں آتا..... تم لوگوں کی گاڑیوں کے ٹائر کس نے پنکچر کیے ہیں..... اور..... وہ..... ماسک پوش آخر کون ہے.....؟ کیونکہ میں ادھر آتی جاتی رہتی ہوں..... آج تک ایسا لرزہ خیز واقعہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔“

اسی اثنا میں نارنگ خاموشی سے باہر جا چکا تھا۔ اچانک شہلا نے رینا سے پوچھا۔ ”رینا..... یہ نارنگ کون ہے؟“

”یہ میرے ڈیڈی کے زمانے کا پرانا خدمت گار ہے۔“ رینا نے بتایا میرے ڈیڈی..... ایک بڑی تعمیراتی کمپنی کے مالک تھے۔ لکڑیوں کے ایک بڑے ٹھیکیدار بھی تھے۔ یہ نارنگ انہی کا وفادار ملازم تھا۔ ویسے کیا بات ہے تمہیں کیا اس پر کوئی شک ہے؟“

شہلا نے اسے اس مقامی پہاڑی شخص کے بارے میں بتایا جس نے کہا تھا کہ اس نے اس علاقے میں کوئی کاٹیج نہیں دیکھا ہے نیز وہ نارنگ نامی شخص کو ضرور جانتا ہے..... جس کا کئی سال پہلے انتقال ہو چکا ہے۔

رینا اس کی بات سن کر بری طرح چونک پڑی۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک نارنگ بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اسے بدحواس اور پریشان دیکھ کر سب اس کی طرف چونک کر دیکھنے لگے۔

”کیا ہوا نارنگ! خیریت تو ہے؟“ اچانک رینا نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بی بی جی..... اوہ..... وہ..... باہر آپ کی کار کے ٹائروں کو کسی نے پنکچر کر دیا ہے۔“ اس نے بتایا تو وہاں موجود سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر یہ سب لوگ تیزی سے کمرے سے نکل کر کاٹیج سے باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رینا کی نئے ماڈل کی گاڑی کے دو ٹائروں کی ہوا نکلی ہوئی ہے۔

”او مائی گاڈ..... یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟“ اچانک رینا چلائی۔ شعیب اور عزیز قریب خاموش کھڑے نارنگ کا چہرہ تکنے لگے۔ شعیب اس بار اپنے طیش پر قابو نہ پا سکا اور نارنگ کو گھور کر رینا سے بولا۔ ”مس رینا..... مجھے اس سارے چکر میں تمہارے اس خدمتگار کا ہاتھ محسوس ہوتا ہے۔“

سب لوگ اس کی بات سے متفق تھے سوائے رینا کے..... وہ حیرت سے بولی۔ ”یہ تم کیا..... کیا کہہ رہے ہو..... شعیب..... یہ..... یہ نارنگ ہمارا پرانا خدمتگار ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”تم نے رینا شاید ابھی تھوڑی دیر پہلے شہلا کی گفتگو ملاحظہ نہیں فرمائی۔“ اس بار عزیز طنز کے ساتھ بولا۔ ”شہلا اور توقیر کو اس مقامی پہاڑی آدمی نے نارنگ کے بارے میں بتایا تھا کہ اسے مرے ہوئے کئی سال بیت چکے ہیں۔“

رینا اس کی بات سن کر مسکرا کر بولی۔ ”تو پھر یہ کون ہے؟ کیا یہ نارنگ کی بدروح ہے..... تم اسے چھو کر دیکھ لو یہ ایک گوشت پوست کا انسان ہے۔“

سب لوگ خاموش ہو گئے۔ وہ کیا جواب دیتے۔ ان کی ”لاجواب“ خاموشی پر رینا رسانیت کے ساتھ دوبارہ بولی۔ ”مجھے تو وہ پہاڑی شخص کوئی پاگل لگتا ہے۔“

”نہیں رینا..... وہ پاگل نہیں تھا۔“ اس بار شہلا بولی۔

”بلکہ جب میں نے اور توقیر نے واپس اس کاٹیج تک آنا چاہا تو یہ کاٹیج بھی اپنی جگہ سے غائب تھا۔“

”بھئی ظاہر ہے یہ علاقہ تمہارا دیکھا ہوا کب تھا' تم ضرور راستہ بھول چکے ہو گے۔ اس علاقے کے تو تقریباً سارے مناظر ایک ہی جیسے نظر آتے ہیں۔“ رینا نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اب آگے کی سوچنا چاہئے۔'' یاسمین نے لقمہ دیا۔

''اب یہ سوچو کہ تھانے کس طرح جایا جائے۔'' اس کی بات سن کر رینا چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ ''ایسا کرتے ہیں ہمیں پیدل ہی تھانے تک جانا ہوگا' مجھے تھانے تک کا شارٹ کٹ آتا ہے۔''

''لیکن ہمیں اپنی گاڑیوں کے ٹائر بھی تو بدلوانے پڑیں گے' ورنہ تو ہمارا واپس جانا مشکل ہو جائے گا۔'' نائلہ نے کسی قدر پریشان ہو کر کہا۔

رینا اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ ''تم لوگوں کو اب پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ میں آ گئی ہوں سب سنبھال لوں گی' ویسے مجھے اس اندوہناک واقعہ پر سخت افسوس ہو رہا ہے' کاش مجھے پتہ ہوتا کہ توقیر ہم سے ہمیشہ کیلئے بچھڑ جائے گا تو میں کبھی بھی اس منحوس جگہ آنے کا خیال بھی دل میں نہ لاتی۔'' اس کے لہجے کا تاسف ابھر آیا تھا۔ عزیز بیزار ہوتے ہوئے بولا۔ ''رینا..... اب آگے کی سوچو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''ٹھیک ہے تم لوگ سب ادھر ہی رکو میں نارنگ کے ساتھ شہلا کو تھانے لے جا کر بیان قلمبند کروا دی ہوں۔'' ہمیں بہرصورت توقیر کے قتل کا معمہ حل کرنا پڑے گا۔'' رینا قطعیت سے بولی پھر شہلا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''شہلا..... تم چل رہی ہو ہمارے ساتھ.....؟''

اس کے استفسار پر شہلا نے یک دم اثبات میں اپنی گردن ہلا دی تب پھر متفقہ طور پر سب کو رینا کی بات پر صاد کرنا پڑا۔

اس کے بعد نائلہ' شعیب' یاسمین اور عزیز کاٹیج میں واپس آ گئے اور رینا نارنگ کے ساتھ شہلا کو ساتھ لئے پیدل ہی تھانے کی طرف چل دی۔ آسمان پر ہنوز بادل چھائے ہوئے تھے جن کے تیوروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی وقت بھی برس سکتے ہیں۔ یہ تینوں پیدل ہی ایک ویران بل کھاتی پہاڑی پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے۔ رینا کا چونکہ یہ علاقہ دیکھا بھالا تھا اسی لئے تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے شارٹ کٹ کی خاطر پہاڑی پگڈنڈی سے گھنے جنگل کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔

آسمان پر چھائے بادلوں کی وجہ سے دن میں بھی اندھیرا سا پھیلا ہوا تھا۔ شہلا اگرچہ رینا کی موجودگی سے اپنا دل مضبوط کیے ہوئے تھی مگر نارنگ کی وجہ سے وہ گھبرا بھی رہی تھی۔ رہ رہ کر اسے یوں لگتا تھا جیسے ابھی نارنگ کسی بدروح کی طرح ان دونوں پر جھپٹ پڑے گا۔ یہی سبب تھا کہ وہ رینا کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نارنگ ذرا فاصلے پر ان کے عقب میں چلا آ رہا تھا۔

دفعتاً آسمان پر بادلوں کی خوفناک گرج سنائی دی اور شہلا کا دل یکدم خزاں رسیدہ پتے کی مانند لرزنے لگا۔ وہ تینوں ٹھٹک کر رک گئے۔ اگلے ہی لمحے بادلوں کی گرج کے ساتھ موسلا دھار بارش بھی شروع ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

شرانے دار بارش جاری تھی۔ وہ چاروں کاٹیج کی بلند چھت والی نشست گاہ میں صوفوں پر خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کے چہروں پر پریشانی اور تشویش کے ساتھ انجانا خوف بھی طاری تھا۔ باہر طوفان بادوباراں کا شور جاری تھا۔ کمرے کی شمالی دیوار میں آتش دان سلگ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ہم نے شہلا کو ان دونوں کے ساتھ تنہا بھیج کر کچھ ٹھیک نہیں کیا۔'' معاً یاسمین کی لرزیدہ آواز نے کمرے کے اسرار بھرے سناٹے کو توڑا۔

''رینا اس کے ساتھ ہے' میرا خیال ہے وہ لوگ تھانے جانے سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے۔'' اس کے شوہر عزیز نے کہا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو عزیز بھائی..... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہیں اس قاتل ماسک پوش نے ان پر بھی حملہ کر دیا تو کیا ہوگا؟'' نائلہ نے لرزتی آواز میں کہا۔ اچانک شعیب پرجوش انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں خود ان کے پیچھے جاتا ہوں۔''

اس کی بات سن کر نائلہ یکدم اپنے شوہر کا بازو تھامتے ہوئے متوحش لہجے میں بولی۔ ''نہیں شعیب! تمہارا اس طوفان میں اکیلے باہر جانا ٹھیک نہیں۔''

''ہاں شعیب بھائی! نائلہ صحیح کہتی ہے۔ تم کہاں ان تینوں کو ڈھونڈو گے' ہو سکتا ہے وہ تینوں اپنا ارادہ بدل کر واپس آ جائیں۔'' یاسمین نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی جو اس ٹھٹکے ہوئے اور خاموش ماحول میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دھماکے سے کم نہیں تھی۔ عزیز نے یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا تو سب کے حلق سے بے اختیار گہری سانس خارج ہوگئی۔ دروازے پر رینا اور شہلا بارش میں بھیگے ہوئے موجود تھے۔ نارنگ بھی ان کے عقب میں کھڑا تھا۔

یہ سب لوگ آتش دان کے قریب آ کر آگ تاپنے لگے۔ اب انہوں نے اگلے دن تھانے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔

نارنگ بیک وقت اس کاٹیج کا خدمتگار' چوکیدار اور خانساماں تھا۔ توقیر کے قتل کے بعد کسی کا بھی کچھ کھانے کو جی نہیں چاہا تھا مگر پھر بھی رینا کے اصرار پر کھانا زہر مار کرنا پڑا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد رات سر پر آئی تو یہ لوگ سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کیلئے چل دیئے۔ توقیر کے قتل کے بعد کاٹیج کے اندر سوگواری سی چھا گئی تھی مگر اس سوگواری میں ایک انجانا خوف بھی شامل تھا۔ شہلا کو رینا اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔

کاٹیج کے باہر تاریک برفانی ماحول میں گرج چمک کے ساتھ بارش جاری تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ رینا اور شہلا بیڈ روم میں موجود تھیں۔ رینا شاید سو چکی تھی مگر شہلا کی آنکھوں میں نیند گویا صدیوں سے غائب تھی۔ اس کے سینے میں تو توقیر کی المناک جدائی کا دکھ بھاری سل کی طرح اسے پیس رہا تھا۔ اس کی غمناک آنکھوں میں بار بار توقیر کا مسکراتا چہرہ گردش کر رہا تھا اور شدت غم کے مارے اسے بے اختیار رلائے دے رہا تھا۔ وہ کئی بار۔ باوجود ضبط کے سسک کر رو بھی پڑی تھی مگر پھر رینا کی نیند میں خلل پڑنے کی وجہ سے وہ خاموش ہوگئی تھی۔ اس کے مہجور دل و دماغ سے اب رفتہ رفتہ ہر قسم کا ڈر و خوف عنقا ہوتا جا رہا تھا جس کا اہم سبب یہ تھا کہ شہلا اب ہر قسم کے سود و زیاں سے عاری ہو چکی تھی۔ توقیر کی المناک جدائی اس کیلئے غم کا پہاڑ توڑنے کے مترادف تھی۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جب کوئی انسان تقدیر کی ستم ظریفی کے ہاتھوں اپنا جان سے بڑھ کر کوئی ''زیاں'' اٹھا لیتا ہے تو پھر اس کے اندر ایک تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے چنانچہ شہلا بھی اس اہم تبدیلی سے گزر رہی تھی۔

اس کے دل و دماغ میں اب نفرت کا لاوا دہکنے لگا تھا اور بار بار اس کے

سامنے اس خونی اور قاتل ماسک پوش کا چہرہ شیطانی انداز میں رقص کرنے لگتا تھا اور شہلا اس کی بوٹیاں نوچنے کو بے قرار ہوئی جا رہی تھی۔ وہ پہلو کے بل دم بخود لیٹی ہوئی تھی۔ رینا آہستگی سے اٹھی۔ شہلا اگرچہ جاگ رہی تھی مگر جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ بدستور یونہی سوتی ہوئی بنی پڑی رہی۔ اس نے اپنی آنکھیں بھی موند لی تھیں تب اسے رینا کے کمرے میں چلنے کی آواز ابھری پھر اس کے قدموں کی آواز قریب آتی محسوس ہوئی۔ شہلا نے اپنی ایک آنکھ کی جھری بنا کر دیکھنا چاہا تو ٹھٹک سی گئی مگر اس نے اپنے وجود میں ذرا بھی جنبش نہ ہونے دی۔ اس نے اپنی آنکھوں کی جھری سے رینا کو بیڈ کے نزدیک کھڑے پایا۔ وہ اسی کی طرف گھور کر دیکھ رہی تھی پھر اچانک کیا ہوا کہ رینا کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی اور بے آواز اسے کھول کر نکل گئی۔ شہلا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ رینا کے اس پراسرار انداز پر چونک گئی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں اور یکدم بیڈ سے اتر کر بے آواز قدموں کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی پھر اس کی۔ باریک جھری بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو اسے رینا دبے پاؤں ایک طرف جاتی ہوئی دکھائی دی۔ جب شہلا نے رینا کو نشست گاہ کے دوسرے دروازے سے باہر نکلتے دیکھا تو خود بھی نشست گاہ میں آ گئی۔ یہاں بھی مدھم روشنی تھی' شہلا دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کی طرف آئی اور اسے کھولا تو سامنے مختصر سی ایک راہداری تھی۔ وہ راہداری میں آ گئی۔ یہاں ہلکے پاور کا بلب روشن تھا۔ شہلا نے سامنے رینا کی جھلک دیکھی۔ وہ داہنی جانب راہداری کے سرے میں گم ہوگئی۔ شہلا بھی دبے پاؤں آگے بڑھی اور سرے پر پہنچ کر رکی پھر آڑ سے جھانکا تو اس نے سامنے ایک اور راہداری کے بالکل سامنے والے دروازے پر رینا کو موجود پایا۔ وہ دروازے کے تالے میں چابی گھما رہی تھی پھر اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر غائب ہوگئی۔

شہلا تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آگے بڑھی اور دروازے کے قریب جا کر سن گن لینے لگی۔ دفعتاً اسے اندر سے کسی کے سسکنے کی مدھم آواز سنائی دینے لگی۔ وہ بری طرح چونکی اسے یہ جاننے میں لمحہ بھر کی بھی دیر نہ لگی تھی کہ رونے' سسکنے کی یہ آوازیں رینا کی تھیں مگر کیوں.....؟ وہ کیوں رو رہی تھی۔ اندر کون تھا' یہ کیا پراسرار معمہ تھا آخر.....؟ ایسے ہی ان گنت خیالات اس کے دل و دماغ میں گونجنے لگے اور وہ الجھ سی گئی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی۔اس میں اب کے دروازہ کھول کر اندر جھانکنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

دفعتاً دروازے کے عقب سے رینا کے پلٹتے قدموں کی چاپ ابھری شہلا فوراً پلٹی اور رینا کے کمرے سے نکلنے سے قبل ہی بے آواز قدموں سے اپنے بیڈ روم میں آ کر لیٹ گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھک دھک کرنے لگا تھا۔ وہ بیڈ روم کے دروازے کی طرف تھوڑی سی آنکھ کھول کر دیکھ رہی تھی۔ معاً دروازہ کھلا اور اس نے رینا کو دیکھا' اس کی آنکھیں نمناک تھیں۔ رینا چند ثانئے اسرار بھرے انداز میں کھڑی ''سوئی'' ہوئی شہلا کو تکتی رہی پھر اس کے بعد خاموشی سے چلتی ہوئی وہ بیڈ پر آ کر دراز ہو گئی۔ پھر ساری رات شہلا کی آنکھوں سے نیند دور رہی۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن علی الصباح سب لوگ جاگ گئے' نارنگ نے مؤدبانہ انداز میں ناشتہ سرو کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے اس کی ہدایت کے مطابق کسی مقامی آدمی کے ہاتھوں گاڑیوں کے سارے ٹائر پنکچر لگوانے کیلئے شہر بھجوا دیئے ہیں۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد رینا نے شہلا اور نارنگ سمیت دوبارہ تھانے جانے کا پروگرام بنایا تو نائلہ اور شعیب بھی جانے کیلئے تیار ہو گئے جبکہ یاسمین اور عزیز نے کاٹیج پر ہی رہنے کو ترجیح دی۔ بارش بند ہو چکی تھی اور موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ البتہ باہر ہر طرف چھائی ہوئی برف سے اندازہ ہوا تھا کہ رات بھر برف باری بھی ہوتی رہی تھی جس کی وجہ سے سردی میں بھی کاٹ دار اضافہ ہو چلا تھا۔ یوں تو یاسمین اور عزیز کا بھی ارادہ رینا کے ساتھ تھانے جانے کا تھا مگر یاسمین کو بری طرح فلو نے جکڑ رکھا تھا' چنانچہ اس کی ناسازی طبیعت کی وجہ سے وہ نہ جا سکے۔

ان سب لوگوں کے جانے کے بعد اب یاسمین اور عزیز تنہا کاٹیج میں رہ گئے تھے۔ وقت گزاری کیلئے یاسمین اور عزیز رینا کا گھریلو البم دیکھنے لگے جس میں رینا کی اپنے والد کے ساتھ کئی تصویریں موجود تھیں جو سب کی سب اس پہاڑی علاقے کے سرسبز مرغزاروں میں اتاری گئی تھیں۔ انہی میں رینا کی اپنے آنجہانی شوہر پرکاش کی بھی تصویریں تھیں اگرچہ یہ البم وہ اس سے پہلے بھی دیکھ چکے تھے یاسمین نے دیکھا کہ رینا کا شوہر پرکاش ایک خوبرو شخص تھا اور دونوں کی جوڑی بہت خوب تھی مگر تقدیر کی ستم

ظریفی تھی کہ اس نے پرکاش کو رینا سے چھین لیا تھا۔ جب رینا اور پرکاش کی شادی ہوئی تھی تو ان سب لوگوں نے ان کی شادی میں شرکت بھی کی تھی۔ رینا کی زبانی انہیں معلوم ہوا تھا کہ شادی کے بعد جب وہ دونوں ہنی مون کیلئے یہاں آئے تھے تو تقدیر نے ان کی خوشیوں پر شب خون مارا تھا اور پرکاش کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ ناگہانی موت تھی' رینا کو پورا یقین تھا کہ اس کے شوہر کو کسی نے قتل کیا تھا مگر پولیس اور میڈیکل ایگزامنر نے پرکاش کی موت کا سبب دل کا دورہ پڑنا بتایا تھا مگر رینا بضد تھی کہ اس کے شوہر پرکاش کو کسی پراسرار قاتل نے قتل کیا تھا مگر کسی نے بھی اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا کیونکہ اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ تھا ناچار پھر اس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔

''یاسمین..... تمہارا کیا خیال ہے رینا کے شوہر پرکاش کا قتل ہوا ہو گا یا واقعی اس کی موت دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی تھی.....؟'' البم میں رینا اور پرکاش کی شادی کی تصویر دیکھتے ہوئے اچانک کسی خیال کے تحت عزیز نے اپنی بیوی سے پوچھا تو یاسمین بولی۔ ''پتہ نہیں بھلا ان کی کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی' ہو سکتا ہے پرکاش کو پہلے ہی دل کا عارضہ لاحق ہو۔''

''یاسمین..... مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ شہلا کے بدنصیب شوہر تو قیر کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔''

''کک..... کیا..... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' معاً یاسمین' عزیز کے اسرار بھرے لہجے پر چونک کر بولی۔

''پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ جس نے رینا کے شوہر پرکاش کا قتل کیا تھا' اسی نے ہی تو قیر کو بھی ہلاک کیا ہے۔''

''مگر کیوں.....؟''

''اور پرکاش کا قاتل بھی وہی پراسرار ماسک پوش ہی ہو گا' جس نے تو قیر کا قتل کرنے کے بعد شہلا کو بھی موت کے گھاٹ اتارنا چاہا تھا۔'' عزیز اپنی بیوی کی بات نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔

''چلیں بھئی چھوڑ دیں اب یہ موضوع..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' بالآخر یاسمین نے جھنجھلا کر البم بند کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عزیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”چلو پھر باہر چلتے ہیں تھوڑا موڈ تبدیل کر لیتے ہیں۔“

”نا بابا نا..... میں تو ہرگز باہر نہیں جاؤں گی‘ کیا تم بھول گئے کہ شہلا اور بے چارے توقیر کا کیا حشر ہوا تھا؟“ یاسمین کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے خوف بھرے لہجے میں بولی۔

”اوکم آن..... زیادہ دور نہیں جائیں گے‘ ویسے تم بے فکر رہو میرے پاس لائسنس یافتہ پستول موجود ہے۔“ عزیز نے اپنی جیکٹ کی پھولی ہوئی جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ یاسمین بمشکل راضی ہوئی۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کاٹیج سے باہر آ گئے۔ دور صنوبر کے درختوں کے پیچھے برف پوش چوٹیاں کسی مصور کی دست صناعی کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ رات بھر طوفان بادوباراں کے بعد ماحول کھلا کھلا اور نکھرا سا گیا تھا۔ وادی میں کئی چھوٹے بڑے خوش رنگ پرندوں کی چہچہاہٹ کی مدھر بانی گونج رہی تھی۔ بڑی حسین‘ بڑا حسن‘ خوبصورتی اور دلکشی سی بکھری ہوئی تھی۔ چاروں طرف ایسے حسین مناظر کو دیکھ کر دونوں کے دل و دماغ سے ساری کدورت دھلنے لگی تھی۔ وہ کاٹیج کے عقب میں سرو اور دیودار کے جھنڈ کے درمیان بہتی ہوئی ندی کے کنارے آ گئے۔

یہ وادی ایسی تھی کہ مزاج یار کی طرح پل پل اس کے تیور بدلنے لگتے تھے۔ سو اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اچانک شفاف آسمان پر بادل گھر گھر آئے‘ بارش تو البتہ نہیں ہوئی مگر آثار ایسے ہی تھے جیسے ابھی کوئی دم بارش برسنا شروع ہو جائے گی۔ بادلوں کے گھر آنے سے آس پاس کا ماحول بھی تاریک سا ہونے لگا تھا۔

وہ دونوں کاٹیج کی طرف پلٹنے لگے۔ کاٹیج ان کی نظروں کے سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔ دونوں بارش سے بچتے بچاتے کاٹیج کی طرف دوڑنے لگے تو اچانک یہ دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔ ان کے سامنے ایک عام قدو قامت کا شخص کھڑا تھا۔ بالکل کسی روبوٹ کی طرح..... اس کے چہرے پر وہی ماسک تھا جس میں صرف آنکھوں کی جگہ دو چھوٹے چھوٹے گول سوراخ تھے اور دائیں ہاتھ میں اس نے ایک تیز دھار بغدا پکڑ رکھا تھا۔

یاسمین کے حلق سے بے اختیار ایک تیز چیخ نکل گئی۔ عزیز بھی پریشان نظر

آنے لگا۔ وہ دونوں سمجھ گئے تھے کہ یہی وہ پراسرار ماسک پوش تھا جس نے شہلا کے شوہر توقیر کو بیدردی سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

”یاسمین حوصلہ کرو‘ میں اس سے بات کرتا ہوں۔“ عزیز نے لرزتی کانپتی یاسمین کو تھاما اور ماسک پوش سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”کون ہو تم.....؟ ہمارا راستہ کیوں روک رکھا ہے؟“

اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ وہ پراسرار ماسک پوش ان کے قریب آنے لگا۔ یاسمین نے خوف سے کپکپاتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا۔

”عزیز..... بھاگ چلو۔“ ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ ماسک پوش آن واحد میں ان کے سر پر پہنچ گیا اور بغدے والا ہاتھ فضا میں بلند کر لیا۔ عزیز نے جرات سے کام لیتے ہوئے اس کے ایک لات رسید کر دی مگر دوسرے ہی لمحے اسے یوں لگا جیسے اس کی ٹانگ لوہے سے ٹکرا گئی ہو۔ وہ ابھی سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ ماسک پوش کے بغدے والا ہاتھ نیچے آیا جو عزیز کے سر پر پڑا۔ عزیز کا سر دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ یاسمین کے حلق سے نکلنے والی چیخ بڑی دلخراش تھی۔ عزیز بے چارہ ایک سانس لئے بغیر کٹے ہوئے شہتیر کی مانند گرا اور گیلی پہاڑی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ ماسک پوش نے یاسمین پر وار کرنا چاہا تو یاسمین ہسٹریائی انداز میں چیخیں مارتی ہوئی ایک طرف دوڑ پڑی۔ بھاگتے ہوئے اس کے قدم بری طرح ڈگمگا رہے تھے اور دل جیسے برگ خزاں رسیدہ کی طرح کپکپا رہا تھا۔

وہ خونی ماسک پوش لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بغدا سنبھالے اس کے تعاقب میں ہو لیا۔ یاسمین نے ایک لمبا چکر کاٹا اور کاٹیج کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ جلد سے جلد کاٹیج کے اندر پہنچ جانا چاہتی تھی کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ اگر ایک بار وہ کاٹیج کے اندر داخل ہو گئی تو پھر وہ اس خون آشام ماسک پوش کے سفاک اور خونی پنجوں سے بچ جائے گی۔

کاٹیج اب لحہ بہ لحہ قریب آتا جا رہا تھا۔ یاسمین اپنے ریختہ وجود کی پوری طاقت گویا اپنی ٹانگوں میں منتقل کیے اپنی سی پوری کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح کاٹیج کے دروازے تک پہنچ جائے۔ اس کا رواں رواں خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا۔ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ چیختی ہوئی منہ کے بل گر پڑی۔ اسی لمحے وہ قاتل ماسک پوش اس کے عین سر پر آ پہنچا۔ یاسمین کی چونکہ اس سے جان پر بنی ہوئی تھی اس لئے وہ ہمت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر کے اٹھی تو ماسک پوش کا بغدے والا ہاتھ حرکت میں آیا' زمین سے اٹھتے اٹھتے بھی وہ سفاک چمکتا تیز دھار بغدا اس کے ٹخنے پر پڑا اور یاسمین کے حلق سے بڑی جگر خراش چیخ نکل گئی۔

جب وہ ماسک پوش دوبارہ وار کرنے کیلئے آگے بڑھا تو گیلی زمین پر لیٹی دہشت زدہ یاسمین کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا نوکیلا پتھر آ گیا جسے اس نے پوری طاقت سے ماسک پوش پر دے مارا پتھر ماسک پوش کے بغدے والے ہاتھ پر لگا اور بغدا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ وہ اسے اٹھانے کیلئے جھکا تو یاسمین کیلئے اتنی ہی مہلت کافی تھی۔ وہ اپنی زخمی ٹانگ کو سنبھالے اٹھنے میں کامیاب ہوگئی۔ لرزہ خیز موت کے خوف نے اسے ٹانگ کی تکلیف اور معذوری کے احساس سے مبرا کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جان بچانے کی خواہش اس پر غالب آ گئی تھی۔ وہ لنگڑاتی ہوئی کاٹیج کی طرف بھاگی' اگلے ہی لمحے وہ کاٹیج کے دروازے پر تھی۔ اس نے ہراساں نظروں سے عقب میں دیکھا' وہ خونی ماسک پوش اب دوبارہ بغدا سنبھالے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ یاسمین نے کپکپاتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہوگئی۔ پھر جلدی سے دروازہ بند کر کے وہ کنڈی چڑھانے لگی۔ خوف و دہشت کے مارے اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں اور اس سے دروازے کی کنڈی نہیں لگ رہی تھی۔ ٹھیک اسی وقت باہر سے کسی نے دروازے کو زور سے اندر کی طرف دھکیلا اور یاسمین ہذیانی چیخ کے ساتھ فرش پر گر پڑی۔ دوسرے ہی لمحے وہ سفاک ماسک پوش اس کے سامنے دروازے کی چوکھٹ پر موجود ماسک کے گول گول سوراخوں سے گویا اسے گھورتا محسوس ہونے لگا۔

فرش پر لیٹی یاسمین کے وجود سے جیسے ساری طاقت سلب ہو کر رہ گئی اور وہ گنگ سی دہشت زدہ نگاہوں سے ماسک پوش کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے سے بے بسی مترشح تھی' ماسک پوش بغدا سنبھالے اب اس کی طرف بڑھنے لگا۔ یاسمین کہنیوں کے سہارے فرش پر لیٹے لیٹے پیچھے سرکنے لگی۔

''مم..... مم..... مجھے..... مت مارو۔'' یاسمین لرزیدہ آواز میں التجا کرنے لگی مگر ماسک پوش جیسے سنگدل بنا ہوا تھا۔ وہ بغدا تھامے یاسمین کی طرف بڑھنے لگا۔ یاسمین جیسے دم توڑتی لو کے بجھنے سے پہلے ایک آخری بار بھڑکنے کی کوشش میں بہ سرعت

اٹھی اور پھر لنگڑاتی دوسرے کمرے کی طرف دوڑی۔ وہ کمرے کے دروازے پر پہنچی ہی تھی کہ ماسک پوش نے وہیں سے بغدے والا ہاتھ بلند کیا اور بغدے کو یاسمین کی طرف اچھال دیا۔ بغدا اس کے ہاتھ سے نکل کر ٹھیک نشانے پر لگا۔ یاسمین کو اپنی کمر چیختی ہوئی محسوس ہوئی۔ بغدے کا سفاک اور آہنی پھل اس کی کمر میں پیوست ہو گیا تھا۔ یاسمین نے ایک آخری دلدوز چیخ ماری اور فرش پر لڑھکتی چلی گئی۔ ماسک پوش اس کے قریب آیا اور جہاں بہ لب یاسمین کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس نے بغدا اس کی کمر سے کھینچا اور واپس کاٹیج کے بیرونی دروازے کی طرف مڑ گیا۔ یاسمین کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ باہر طوفان بادوباراں جاری تھا۔

☆.....☆.....☆

''یہ..... یہ..... نارنگ اچانک پھر کدھر غائب ہو گیا؟'' نائلہ نے گھبرا کر پوچھا تو سب لوگ چونک پڑے۔ یہی لمحہ تھا جب آسمان پر زور سے بادل گرجے اور ذرا ہی دیر بعد جل تھل ایک ہو گیا۔ رینا' شہلا' شعیب اور نائلہ بچتے بچاتے ایک پہاڑی چھجے کے نیچے آ گئے۔ وہ لوگ ابھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ رینا کے کہنے کے مطابق متعلقہ تھانہ زیادہ دور نہ تھا مگر اب طوفان بادوباراں کی وجہ سے ان کا ایک انچ بھی ہلنا ناممکن تھا۔ بقول رینا اس قدر تیز بارش میں ان کا آگے بڑھنا کسی اندھی کھائی یا سنگلاخ چٹان کا پیٹ بھرنے کے مترادف تھا۔ ناچار وہ لوگ ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ تب پھر جیسے اچانک نائلہ کی بات یاد آتے ہی شہلا نے بھی حیرت کے مارے رینا سے پوچھا۔ ''رینا..... یہ تمہارا نارنگ کدھر غائب ہو گیا ہے اچانک.....؟''

اس کی بات سن کر رینا کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ تینوں کی استفسار پہ نظریں اس کے الجھے ہوئے چہرے پر جمی ہوئی تھیں مگر دوسرے ہی لمحے رینا نے لاپرواہیانہ انداز میں مسکراتے ہوئے جواباً کہا۔

''وہ ایسا ہی ہے' بارش سے بہت گھبراتا ہے اور اچانک غائب ہو جاتا ہے۔ میں خود اس کی اس عادت سے عاجز ہوں۔'' رینا کی بات سے ان تینوں میں کوئی بھی مطمئن نہ ہوا تھا۔ رینا بات بدلتے ہوئے دوبارہ اپنے لہجے میں گہری فکرمندی سموتے ہوئے بولی۔ ''اب آگے کی سوچو آگے جایا جائے یا واپس کاٹیج کی طرف چلا جائے؟''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شہلا' نائلہ اور شعیب نے عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کے چہروں کو طرف دیکھا پھر شعیب نے رینا سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اگر تھانہ تھوڑی ہی دور رہ گیا ہے تو ہمیں واپس لوٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھنا چاہئے کیونکہ تھانے کے مقابلے میں کاٹیج دور ہی ہوگا۔ تھانے پہنچ کر ہمیں ذرا ستانے کا بھی موقع مل جائے گا اور بارش بھی تھم جائے گی۔''

شہلا اور نائلہ نے رینا کی طرف دیکھ کر تائیدی انداز میں اپنا سر ہلایا تھا۔ رینا کے چہرے پر البتہ الجھن کے آثار نمودار ہو گئے تھے تاہم وہ بھی آگے بڑھنے پر رضامند نظر آنے لگی مگر سردست طوفان بادوباراں کے تھمنے کا انتظار کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ سب سردی سے کانپنے لگے تھے اگرچہ انہوں نے موسم کے لحاظ سے گرم پوشاکیں بھی زیب تن کر رکھی تھیں مگر بارش کے سنگ چلنے والی کاٹ دار سرد ہوائیں رگوں میں موجود خون کو برفاب بنائے دے رہی تھیں۔ ایسے میں ان کا آگے بڑھنا ناممکن ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ چاروں سردست اپنی جگہ کھڑے رہنے پر مجبور تھے۔ ادھر وقت بھی بیتے جا رہا تھا۔ موسم کی خرابی کے باعث ویسے ہی پوری وادی میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا' اب شام بھی گہری ہونے لگی تھی۔ ان لوگوں کو اب ایک نئی پریشانی نے آن گھیرا تھا اور وہ پریشانی تھی رات..... سرد اور ٹھٹھرتی ہوئی رات..... اس برف زار ویرانے میں گزارنے کے تصور سے ہی ان کی روحیں لرز اٹھیں۔

''یہ طوفان تو کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ اب کیا ہوگا؟'' معاً نائلہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

''میرا خیال ہے اب ہمیں کاٹیج کی طرف ہی پلٹنا چاہئے۔ کل تک ہماری گاڑیاں بھی صحیح ہو جائیں گی پھر گاڑیوں میں ہی تھانے چلیں گے۔'' رینا نے کہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ تھانے جانے سے کترانے لگی ہو۔ ادھر شہلا کو اس خونی ماسک پوش کا بھی خوف ستانے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بارش کا دھواں دھار سلسلہ تھمنے لگا۔ سب کی جان میں جان آنے لگی۔ موسم اور سر پر آئی رات کے تیور دیکھ کر سب اس فیصلے پر متفق ہو گئے کہ واپس کاٹیج کی طرف پلٹنا چاہئے۔ چنانچہ جیسے ہی طوفان تھما تو ان لوگوں نے یہاں سے نکلنے کا

ارادہ کیا۔

بارش رکتے ہی اب برف باری نے آ لیا۔ روئی کے گالوں کی طرح برف گرنے لگی تھی۔ یہ صورتحال بھی کم مخدوش نہ تھی۔ وہ چاروں اب جلدی جلدی کاٹیج کی طرف قدم بڑھانے لگے۔

یہ چاروں قطار کی صورت میں آگے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ سب سے آگے رینا تھی پھر شہلا' نائلہ اور آخر میں شعیب تھا۔

نارنگ کے اچانک غائب ہونے سے بالخصوص شہلا عجیب سے مخمصے کا شکار ہو رہی تھی۔ جانے کیوں اسے یوں عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ اسے نارنگ کا اس طرح اچانک غائب ہونا خطرناک نظر آ رہا تھا۔ اچانک نائلہ کی نگاہ دائیں جانب کے ایک تنے دار جھنڈ پر پڑی۔ مدھم سی روشنی میں وہاں ایک عجیب اور سپاٹ چہرہ نظر آیا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ ساتھ ہی اس کے حلق سے اضطراری چیخ بھی خارج ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا نائلہ.....؟'' شعیب نے یکدم پریشانی سے پوچھا۔

''وہ..... وہ..... سامنے..... مجھے ابھی ایک عجیب شخص نظر آیا تھا۔'' نائلہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔ سب اس اشارے کی سمت دیکھنے لگے مگر وہاں کسی کو کچھ نظر نہ آیا۔ پھر شعیب نے ذرا ہمت سے کام لیا اور اس طرف جانے لگا تو نائلہ نے بے اختیار چلا کر اسے روکا۔

''نہیں..... نہیں..... شعیب! ادھر مت جاؤ۔'' شعیب رک گیا۔

''ارے تمہارا وہم ہوگا نائلہ..... یہاں تو ہم لوگوں کے سوا کوئی نہیں۔'' رینا نے مسکرا کر کہا۔

یہ لوگ ایک بار پھر آگے بڑھنے لگے۔ برف باری مسلسل جاری تھی۔ چاروں تیز تیز مگر محتاط قدم اٹھاتے ہوئے بالآخر کاٹیج کے قریب آ پہنچے۔

ان لوگوں کا خیال تھا کہ یاسمین اور عزیز بے چینی سے ان کی واپسی کے منتظر ہوں گے مگر انہیں وہ دونوں اندر کہیں بھی نظر نہ آئے۔ پورا کاٹیج بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے آوازیں بھی دیں مگر جواب ندارد۔

''کمال ہے یہ دونوں کدھر چلے گئے؟'' شہلا نے پریشانی سے بڑبڑاتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔

''لگتا ہے باہر کہیں گھومنے نکل گئے ہوں گے۔'' رینا نے بظاہر بے نیازی سے کہا تو شعیب کا جی چاہا وہ اپنا سر پیٹ لے پھر وہ جھلا کر بولا۔ ''اس وقت.....؟ یہ کہیں باہر جانے کا وقت ہے؟''

''ہوسکتا ہے وہ ہمارے نکلتے ہی باہر چلے گئے ہوں۔ سیر سپاٹا کرنے اور اب ہماری طرح طوفان میں کہیں پھنس گئے ہوں۔'' اس بار نائلہ نے کہا مگر اس کے لہجے سے تفکر سے کہیں زیادہ انجانا خوف مترشح تھا۔ وہ سب لوگ اب یاسمین اور عزیز کی گمشدگی پر تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ شہلا اور نائلہ تو پریشانی کی وجہ سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ شعیب کسی گہری سوچ میں پڑا خاموش کھڑا رہا۔ رینا نے بھی اپنے چہرے پر فکرمندی طاری کر لی تھی۔

''رینا..... سچی بات بتاؤ مجھے نارنگ پر شبہ ہے کہ اس سارے چکر کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے۔''

شہلا نے لمحہ بھر کی تشویش خاموشی کے بعد کہا۔

''شہلا بھابی کی بات کی میں بھی تائید کروں گا رینا!'' شعیب نے فوراً کہا۔

''نارنگ کا اکثر یوں اچانک غائب ہو جانا ہمیشہ کوئی نہ کوئی گل کھلانے کا باعث بنتا ہے۔'' شعیب کی بات سن کر رینا کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بات بنانا چاہ رہی ہو مگر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی مگر پھر دوسرے ہی لمحے اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''دل تو نہیں مانتا لیکن خیر..... تم لوگوں کو اس پر شک ہے تو پھر اسے ذرا آ لینے دو میں خود اس سے نمٹوں گی۔''

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کاٹیج کا دروازہ کھلا اور نارنگ برف سے اٹا ہوا اندر داخل ہوا۔ سب لوگ اسے دیکھ کر چونکے تھے۔ رینا نے اس سے سختی کے ساتھ اس بارے میں باز پرس کی کہ وہ راستے میں ان کے ساتھ چلتے چلتے اچانک کہاں غائب ہو گیا تھا۔

شہلا' نائلہ اور شعیب خاموشی سے چبھتی ہوئی نظریں اس کے سپاٹ چہرے پر

گاڑے ہوئے تھے۔

''میں ایک گڑھے میں گر گیا تھا بڑی مشکل سے نکلا ہوں۔'' نارنگ نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''اچھا آئندہ محتاط رہا کرو۔'' رینا نے جلدی سے اس کی گلوخلاصی کرنی چاہی پھر اسے تحکمانہ انداز میں ہدایات دیتے ہوئے بولی۔ ''تم اسی وقت باہر جاؤ اور یاسمین اور عزیز کو تلاش کر کے لاؤ' وہ دونوں شاید کہیں سیر کرنے گئے ہیں۔''

نارنگ نے رینا کی بات سن کر ہولے سے سر ہلایا اور خاموشی سے جیسے آیا تھا' ویسے نکل گیا۔

رات بھر نارنگ آیا اور نہ ہی یاسمین اور عزیز کا ہی کچھ پتہ چلا۔ اب تو ان لوگوں کی تشویش اور بھی گہری ہونے لگی۔ رینا البتہ کچھ عجلت میں دکھائی دے رہی تھی تاہم اس نے سب کو تسلی دی اور ساتھ ہی آرام کرنے کو کہا۔

نائلہ اور شعیب بھی اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔ نیند انہیں کیا آنی تھی اب تو انہیں خود اپنی فکر لگ گئی تھی۔ نائلہ کا اصرار تھا کہ صبح ہوتے ہی اس منحوس ویران وادی سے نکل جانا چاہئے۔ شعیب کا خیال تھا کہ یہ پراسرار معمہ حل ہونا چاہئے۔

شہلا کو رینا کے ساتھ کمرے میں سونا بھی اب انجانے خوف و ہراس میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ اس کے دماغ میں بار بار رینا کا ایک بند کمرے کے اندر جا کر سسکیاں لے کر رونا نہیں بھولا تھا۔ اس کے اندر تجسس بیدار ہونے لگا تھا۔ آخر رینا نے وہاں کیا دیکھا تھا.....؟ درحقیقت شوہر کے قتل کے بعد شہلا اب سود و زیاں کی فکر سے آزاد ہو چکی تھی۔ تو قیر کی جدائی کے غم نے اسے پتھر دل بنا دیا تھا۔ وہ اب تو قیر کے قتل کا کھوج لگانا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں اپنا دل مضبوط کر لیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اس نے دیکھا رینا گہری نیند میں ڈوب گئی ہے وہ آہستگی سے اٹھی اور کمرے سے باہر آ گئی۔ پھر دبے پاؤں نشست گاہ سے ہوتی ہوئی راہداری میں آ گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ راہداری کے آخری سرے پر واقع ایک بند کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ شہلا نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی کھولی جس میں دروازے کی چابی دبی ہوئی تھی جو شہلا نے رینا کے ساتھ سوتے ہی اس کے تکیے کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر نکال لی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ دھڑکتے دل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ قفل میں چابی گھما رہی تھی۔ پھر بہ آہستگی اس نے دروازے کو اندر دھکیلا اور قدم آگے بڑھا دیئے۔

اندر زیرو پاور کا سرخ بلب روشن تھا جس کی مدہم اور پراسرار سی روشنی میں اسے کمرے کے وسط میں ایک بڑی سی میز پر ایک آبنوسی رنگت کا تابوت پڑا نظر آیا جس پر نگاہ پڑتے ہی شہلا بری طرح دہل کر رہ گئی تاہم وہ چند ثانئے ٹھہرنے کے بعد تابوت کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے قدم لرزش کا شکار تھے۔ کمرے میں اسرار بھرا سناٹا طاری تھا۔ شہلا تابوت کے قریب آ کر رکی' اس کی پھٹی پھٹی نگاہیں تابوت پر جمی ہوئی تھیں پھر اس نے ذرا ہمت کر کے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ آگے بڑھایا اور تابوت کا ڈھکنا اٹھانے لگی۔

ڈھکن اوپر اٹھاتے ہی شہلا نے جھک کر اندر دیکھا تو خوف کے مارے ایک اضطراری چیخ اس کے حلق سے نکل گئی۔ اس کے ہاتھ سے تابوت کا ڈھکن بھی چھوٹ کر دھڑام سے بند ہو گیا تھا۔

تابوت کے اندر رینا کے شوہر پرکاش کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ ابھی شہلا اسی خوف کے زیر اثر تھی کہ اچانک وہ بری طرح ٹھٹکی' اسے دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

☆.....☆.....☆

نائلہ اور شعیب اپنے کمرے میں آ تو گئے تھے مگر ان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی' وہ دونوں آپس میں موجودہ صورتحال کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ شعیب کا خیال تھا کہ اس سارے پراسرار اور خونی ڈرامے میں نارنگ اور رینا کا ہاتھ شامل تھا جبکہ نائلہ کا خیال تھا کہ صرف نارنگ ہی وہ شخص تھا جو آہستہ آہستہ پراسرار ماسک پوش کے بھیس میں ان سب کا خاتمہ کر رہا تھا مگر کیوں.....؟ اس کا آخر مقصد کیا تھا کہ وہ سب کی جان لینے کے درپے ہو رہا تھا۔ دفعتاً ان کے کانوں سے ایک آہٹ ٹکرائی' شعیب نے نائلہ کو حوصلے کی تلقین کی اور کمرے کے دروازے کی جھری بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا' اچانک اسے مدھم روشنی میں نارنگ دکھائی دیا' شعیب اس کی نقل وحرکت پر نظر رکھتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا' اس نے دیکھا

نارنگ چکر دار زینے طے کرتا ہوا بالائی منزل کی طرف جا رہا تھا' وہ بھی دبے پاؤں اس کے تعاقب میں چلا اور زینے طے کرتا ہوا وہ نارنگ کے پیچھے خاموش چلتا بالائی منزل کے کمرے میں آ گیا۔ نارنگ نے اپنے عقب میں کمرے کا دروازہ بند کرنا مناسب نہ سمجھا تھا' شعیب اسی مہلت سے فائدہ اٹھاتا ہوا بغیر آہٹ کئے کمرے کے اندر صوفوں کے پیچھے چھپ کر اکڑوں بیٹھ گیا اور صوفے کی پشت گاہ کی آڑ سے نارنگ کو دیکھنے لگا۔ کیا دیکھتا ہے نارنگ ایک قد آدم الماری کھول رہا تھا پھر اس نے اندر سے نارنگ کو ایک عجیب سا ماسک نکالتے دیکھا جسے اس نے فوراً اپنے چہرے پر چڑھا لیا اس کے بعد اس نے ایک چغہ نما لباس نکال کر پہن لیا۔ شعیب نارنگ کو اس قاتل ماسک پوش کے روپ میں دیکھ کر بری طرح ٹھٹک گیا۔ اس کے دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی پھر اس نے دیکھا نارنگ نے الماری کے ایک خفیہ خانے سے چمکتے ہوئے پھل والا بغدا بھی نکال لیا۔ اب تو شعیب کے اوسان خطا ہونے لگے مگر چونکہ وہ نارنگ کو اپنی آنکھوں سے ایک خونی ماسک پوش کے روپ میں دیکھ چکا تھا اسی لئے اسے یہ سمجھنے میں چنداں دیر نہ لگی کہ شہلا کے شوہر توقیر کو اسی نے قتل کیا تھا اور کوئی بعید نہ تھا کہ اس بدبخت نے یاسمین اور عزیز کو بھی خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو اور اب ان کی باری تھی۔ یہ سوچ کر شعیب کے رگ وپے میں جوش انتقام کی سرسراہٹ دوڑ گئی۔ وہ یکدم صوفے کی آڑ سے نکلا اور وہیں کھڑے کھڑے ماسک پوش کو للکارتے ہوئے بولا۔ ''نارنگ.....! تو یہ تم تھے.....؟'' اس کی آواز پر نارنگ بری طرح ٹھٹک کر اس کی طرف گھوم گیا اور شعیب کو اپنے ماسک کی گول چھوٹی چھوٹی موریوں سے گھورنے لگا۔

''تم نے ہی توقیر کو قتل کیا اور بعد میں یاسمین اور عزیز کو بھی قتل کر کے ان کی لاشیں غائب کر دیں؟'' شعیب دانت بھینچ کر بولا اور اس نے دیکھا جیسے اس کی بات پر نارنگ ہولے ہولے اپنے سر کو اثباتی جنبش دینے لگا اور پھر اچانک اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور شعیب کی طرف بغدے والا ہاتھ بلند کر کے آگے بڑھا۔ شعیب فطرتاً ایک دلیر تھا' وہ ذرا بھی خائف نہ ہوا تھا کیونکہ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے نارنگ جیسے معمولی آدمی کو ماسک پہنتے ہوئے دیکھا تھا مگر شعیب کی یہ غلطی تھی' اسے بہرحال دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہئے تھا چنانچہ جیسے ہی نارنگ سفاک پھل والا بغدا سنبھالے اس کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قریب آیا شعیب نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ اس کے پیٹ پر لات رسید کر دی مگر دوسرے ہی لمحے اسے یوں لگا جیسے اس نے کسی گوشت پوست کے آدمی کے بجائے لوہے کے بنے آدمی کو لات ماردی ہو۔ اب اس کا ماتھا ٹھنکا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ ماسک پوش نے بغدے کا وار شعیب کے سر پر کیا۔ شعیب نے اپنا سر بچانا چاہا تو اس کا کاندھا بغدے کے فولادی پھل کی زد میں آ گیا۔ نتیجتاً شعیب کا کاندھا بری طرح چیخ گیا۔ اسے غالباً نارنگ سے اس طرح کی پھرتی کی توقع نہ تھی۔ شعیب تیورا کر گرا تو نارنگ نے بغدے کا ایک آخری وار اس کے پیٹ پر کر ڈالا۔ شعیب کا پیٹ چاک ہو گیا اور اس کے حلق سے خرخراتی ہوئی اذیت انگیز کراہیں خارج ہونے لگیں' پھر ذرا دیر بعد اس کا سر ایک طرف کو لڑھک گیا۔ نارنگ خون آلود بغدا سنبھالے کمرے سے نکلا اور زینے طے کرنے لگا۔ اب اس کا شکار یاسمین تھی۔

ادھر یاسمین جو شعیب کے کمرے سے نکلتے ہی خود بھی زینے کی طرف ہی متوجہ تھی' اس نے نارنگ کو خون آلود بغدا سنبھالے زینے سے اترتے دیکھا' وہ ایک زور دار چیخ مار کر رینا کے کمرے کی طرف دوڑی۔ رینا کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہ تھا۔ وہ دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر آ گئی اور جلدی سے دروازے کو کنڈی چڑھا دی' اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ رینا جاگ اٹھی۔

''کیا ہوا یاسمین.....؟'' رینا نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کسی قدر چونک کر اس سے پوچھا۔

''وہ..... وہ..... باہر..... مخ..... خونی..... ما..... ماسک پوش۔'' یاسمین پر بری طرح لرزہ طاری تھا اور یہی حال اس کے لہجے کا ہوا۔

''کون ماسک پوش.....؟'' رینا اس کی بات پر چونک گئی تھی مگر اس کے چہرے سے ذرا بھی خوف یا پریشانی مترشح نہ تھی' وہ بالکل سپاٹ نظروں سے لرزہ براندام یاسمین کو دیکھے جا رہی تھی۔

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی تو یاسمین نے چلا کر خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''نہیں..... نہیں..... دروازہ مت کھولو وہ..... وہ..... خونی باہر کھڑا ہو گا۔''

مگر رینا نے اس کی ایک نہ سنی اور جھٹ دروازہ کھول دیا۔ سامنے نارنگ

ماسک پہنے اور خون آلودہ بغدا پکڑے کھڑا تھا۔ یاسمین کے حلق سے ایک ہذیانی چیخ نکل گئی مگر دوسرے ہی لمحے اسے حیرت آمیز خوف کا ایک بری طرح جھٹکا لگا جب اس نے یہ دیکھا کہ رینا بجائے خوف زدہ ہونے کے اسرار بھری مسکراہٹ کے ساتھ نارنگ کو دیکھنے لگی پھر اس نے بدستور اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا اور ساتھ ہی اس کو اندر داخل ہونے کا راستہ بھی دے دیا۔ اب تو یاسمین کی روح ہی فنا ہو گئی۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی' اسے غش آنے لگے..... اسی لمحے نارنگ نے آگے بڑھ کر اس بغدے کی مدد سے اس کا بھی کام تمام کر ڈالا۔

''شاباش نارنگ..... تم نے اپنا کام بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا مگر ابھی ایک شکار باقی ہے شہلا..... اسے ڈھونڈو..... پتہ نہیں وہ کم بخت کہاں چلی گئی ہے۔'' رینا نے توصیفی لہجے میں نارنگ سے کہا۔ ''اب شہلا کا بھی کام تمام ہو جائے تو پھر میرا کام ہو جائے گا ناں نارنگ.....''

ماسک پوش نارنگ نے دھیرے دھیرے اثبات میں سر ہلایا۔ معاً کہیں کھٹکے کی آواز ابھری پھر وہ بری طرح چونک گئی۔ ''چابی کہاں ہے؟'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکلی اور راہداری کی طرف دوڑی۔ ماسک پوش نارنگ بھی پیچھے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا' دونوں کا رخ تابوت والے کمرے کی طرف تھا۔

☆.....☆.....☆

دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سن کر شہلا بری طرح چونکی اور پھر چھپنے کیلئے ادھر ادھر کوئی گوشہ تلاش کرنے لگی پھر اچانک ہی شہلا کو ایک قد آدم الماری کی آڑ نظر آ گئی۔ وہ لپک کر اس کے عقب میں چھپ گئی۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا' شہلا نے دم سادھے جھانک کر دیکھا اور سرتاپا لرز اٹھی۔ اس نے رینا اور اس خونی ماسک پوش نارنگ کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ رینا کے ہونٹوں پر بڑی پراسرار مسکراہٹ رقصاں تھی' وہ خوش نظر آ رہی تھی' اس نے تابوت کے قریب قدم بڑھائے اور اس کا ڈھکنا اٹھا دیا پھر وہ قریب کھڑے نارنگ کو مخاطب کرتے ہوئے خوشی سے بولی۔ ''نارنگ..... کیا اب..... اب میرا محبوب شوہر پرکاش زندہ ہو جائے گا۔ اب تو میں نے تمہاری شرط کے مطابق تین نئے جوڑوں کو تمہارا شکار بنا دیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے؟"

"تم کیوں بھول رہی ہو کہ ابھی ایک شکار باقی ہے' جب تک میں اسے بھی قتل کر کے اپنی پیاس نہ بجھالوں' میں تمہارے شوہر کو زندہ کرنے کا عمل نہ کر سکوں گا۔" ماسک پوش نارنگ نے سپاٹ آواز میں کہا۔ الماری کے عقب میں چھپی شہلا نے جوان کی گفتگو سنی تو لرز اٹھی۔ اب اسے اس سارے خونی ڈرامے کی حقیقت کا پتہ چل گیا تھا جس کے مطابق رینا اپنے شوہر پرکاش کو زندہ کرنے کیلئے نارنگ جیسے کسی پراسرار عامل کی آلہ کار بنی ہوئی تھی اور جس نے اس کے شوہر کو زندہ کرنے کی یہ شرط رکھی تھی کہ پہلے تین ایسے شادی شدہ جوڑوں کے خون سے وہ اپنی پیاس بجھائے گا جو ابھی نئے نئے شادی کے بندھن میں بندھے ہوں اور رینا نے اپنے مقصد کی خاطر اس کی مکروہ خواہش تقریباً پوری کر دی تھی۔

"میں اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھی نارنگ..... مگر وہ ایک بدمست جوڑے کی کار کی ٹکر سے سنگلاخ کھائی میں گر کر ہلاک ہو گیا۔" رینا بے خودی کے عالم میں نارنگ کو بتا رہی تھی۔ "وہ بھی ہماری طرح ایک نیا شادی شدہ جوڑا تھا جو ہنی مون منانے یہاں آیا تھا مگر افسوس میں آج تک انہیں کیفر کردار تک نہ پہنچا سکی مگر میں سمجھتی ہوں کہ میں نے آج وہ انتقام لے لیا ہے۔"

"ہاں رینا..... تم میرا احسان کبھی نہیں بھلا پاؤ گی' میری ہی مدد سے بعد میں تم نے کھنڈے سے پرکاش کی لاش نکال کر یہاں محفوظ کی تھی۔"

"میں نے ان پانچوں کی لاشیں ایک جگہ محفوظ کر دی ہیں' اب چھٹی اور آخری شکار بھی مل جائے تو ان کے خون سے تیرے شوہر کو زندہ کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔"

رینا نے خوشی کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ اسی لمحے بجلی چلی گئی۔ رینا کی آواز ابھری۔

"میں ماچس جلاتی ہوں۔"

"نہیں....." اچانک نارنگ گرجا۔ "بے وقوف..... کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ماچس جلاؤ گی تو اس سے شعلہ ابھرے گا' کیا تو مجھے جلا کر بھسم کرنا چاہتی ہو؟"

الماری کے پیچھے دبکی بیٹھی شہلا نے جو یہ سنا تو وہ چونکی۔ وہ اتنا تو ان کی گفتگو سے جان ہی گئی تھی کہ نارنگ کوئی شیطانی مخلوق ہے اور اب آگ ہی اس کا خاتمہ کر سکتی تھی چنانچہ اس نے دل ہی دل میں ساتھیوں کی موت کا بدلہ ان دونوں مردود شیطانوں سے لینے کی ٹھانی' چنانچہ اس نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اپنی کامیابی کی دعا مانگی اور اندھیرے کا فائدہ اٹھاتی ہوئی دروازے تک پہنچی' پھر اس کے بعد وہ دروازے کو ٹٹول کر بڑی پھرتی کے ساتھ باہر نکلی اور دروازے کو بند کر کے اسے لاک کر دیا۔

پھر وہ اندھا دھند بھاگتی' گرتی پڑتی کاٹیج سے باہر آئی اور جلدی جلدی باہر کھڑی گاڑیوں سے پٹرول کے فاضل کین اٹھا کر کاٹیج کے اندر آئی پھر اس نے دو تین پٹرول سے بھرے کین اندر الٹ دیئے۔ ایک کین اس نے راہداری میں الٹا تھا جدھر سرے پر بنے کمرے میں وہ دونوں شیطان قید تھے اور بری طرح دروازہ پیٹ رہے تھے۔

شہلا نے سارے کام پھرتی سے انجام دیئے' کچن میں جا کر اس نے ماچس تلاش کی اور وہ ماچس سنبھالے کاٹیج کے بیرونی دروازے تک آئی اور دیا سلائی جلا کر اس نے کاٹیج کے فرش پر پھیلے ہوئے پٹرول پر پھینک دی۔ ایک بھبکے سے چاروں طرف آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ آگ نے اندر باہر سے کاٹیج کو دھڑا دھڑ جلانا شروع کر دیا تھا' اب اندر سے شہلا کو نارنگ اور رینا کے چیخنے چلانے کی بھی آوازیں آنے لگی تھیں' اس کے دل کو تسکین ہو رہی تھی' وہ اپنے شوہر اور اپنے معصوم ساتھیوں کی موت کا بدلہ لے چکی تھی۔

ساری رات کاٹیج دھڑا دھڑ جلتا رہا' شہلا وہاں سے ذرا دور تاریک جنگل میں بیٹھی یہ منظر دیکھتے دیکھتے سو گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی' موسم خوشگوار تھا' وہ اٹھی اور اس نے جب جلے ہوئے کاٹیج کی طرف دیکھا تو دنگ رہ گئی' کاٹیج تو ایک طرف اس کی راکھ کا بھی نام و نشان نہ تھا تب اسے اس مقامی پہاڑی شخص کی بات یاد آنے لگی جس نے کہا تھا کہ اس نے آج تک دور نزدیک کوئی کاٹیج نہیں دیکھا۔

شہلا نے ایک گہری سانس حلق سے خارج کی اور پہاڑی پگڈنڈی پر چل پڑی۔ اسے امید تھی کہ کوئی بھلا مانس اسے شہر تک ضرور پہنچا دے گا۔

(ختم شد)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کالی دنیا

میرا نام وقار احمد ہے۔

میں پنجاب کے ایک چھوٹے سے سرحدی گاؤں ''ٹباں والی'' کا باشندہ ہوں' یہ گاؤں اٹاری اور واہگہ کے درمیان واقع تھا۔

ہمارا گاؤں چند نفوس پر مشتمل تھا مگر تھا بہت خوبصورت اور اسے خوبصورت بنانے میں وہاں کے باشندوں کا بڑا دخل تھا' جنہوں نے اپنی شبانہ روز محنت سے گاؤں کے آس پاس کی بنجر زمینوں کو آباد کر لیا تھا' یہاں کپاس اور چنا زیادہ اگتا تھا' البتہ گندم کی بھی فصل کم نہ تھی' گاؤں کے جنوب میں کیکر' دھریک اور ٹاہلی کا گھنا جنگل بھی تھا۔

یوں تو ٹباں والی اپنے نام کی مناسبت سے ٹیلوں' ٹبوں پر ہی مشتمل تھا لیکن ہمارے گاؤں میں بیشتر لوگوں کی اپنی زمینیں تھیں اور وہ چھوٹے چھوٹے زمینوں کے ٹکڑوں کے خود ہی مالک اور خود ہی اس کے مزارعے تھے۔ ہماری بھی زمین تھی جس پر چاروں موسموں کی فصلیں اترتی تھیں مگر بالخصوص ہماری زمین کپاس اور چنے کیلئے ہی موزوں تھی۔

ہمارے گاؤں میں پرائمری تک سکول تھا جو بعد میں میٹرک تک ترقی کر گیا۔ مجھے پڑھائی سے زیادہ شغف تھا البتہ میں اپنے ابا کے ساتھ زمین پر بھی ان کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ مجھ سے چھوٹا ایک بھائی عمیر احمد تھا اور سب سے چھوٹی بہن بشریٰ تھی جسے ہم پیار سے گڈو کہتے تھے۔ میرا چھوٹا بھائی مڈل میں آیا تو میں اس وقت تک میٹرک پاس کر چکا تھا۔ میں چونکہ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا' اسی لئے میرا اب شہر جا کر تعلیم حاصل

کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ میرے ماں' باپ میرا شوق دیکھ کر خاموش تھے مگر میرے شہر جانے پر ماں اداس رہنے لگی تھی۔

میں شہر آ کر ہاسٹل میں رہنے لگا۔ میں فرسٹ ایئر میں تھا۔ پندرہ دن کے بعد یا امتحانات کے دنوں میں ہی گاؤں آتا تھا۔

میرے چھوٹے بھائی عمیر احمد کو پڑھائی سے کچھ زیادہ لگاؤ نہ تھا اس لئے اس نے مڈل کے بعد ہی سے پڑھائی کو خیر باد کہہ کر ابا کے ساتھ زمین پر ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز میں چھٹی کے وقت دو بجے اپنے ہاسٹل پہنچا تو وارڈن مشتاق نے مجھے اطلاع دی کہ میرے گاؤں سے ایک شخص آیا ہے اور مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس اطلاع پر میرا پریشان ہو جانا ایک فطری امر تھا۔

''یا اللہ خیر..... جانے وہ گاؤں سے کیا خبر لایا ہو گا؟'' میں نے گھبرا کر سوچا۔ اس کے بعد دل ہی دل میں خدا سے اپنے گھر والوں کیلئے خیر کی دعائیں مانگتا ہوا گاؤں سے آنے والے اس شخص سے ملا۔

میں اسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا' وہ جمال الدین عرف جمالا تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ پیر بٹالی شاہ کی درگاہ کے سجادہ نشین پیر الٰہی بخش کا خادم خاص تھا۔ اسے گاؤں کے سب لوگ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور پیر الٰہی بخش کے تو سارے ہی گاؤں والے مرید تھے۔

میں نے بڑے احترام سے جمالے کا استقبال کیا اور اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔ کمرے میں میرا روم میٹ ایک ہندو لڑکا سترام داس بھی موجود تھا' وہ آج ناسازی طبع کی وجہ سے کالج نہیں گیا تھا مگر اب اس کی طبیعت کچھ بہتر تھی۔ میں نے جمالے کو ایک کرسی پر بٹھایا اور بے تابانہ انداز میں پوچھا۔ ''خیریت تو ہے چاچا.....! کیسے آنا ہوا' میرے گھر والے تو ٹھیک تھے ناں سب.....؟''

اس نے چند لمحے توقف کیا اور ایک سنجیدہ سی نظر میرے چہرے پر ڈالی اور پھر بولا۔ ''ہاں ویسے تو سب ٹھیک ہے' مجھے درحقیقت پیر صاحب نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کس لئے..... خیریت تو ہے ناں.....؟" میں نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

"یہ تو پیر صاحب بتائیں گے' انہوں نے مجھے اتنا ہی پیغام دیا ہے کہ تم جتنی جلد ہو سکے' گاؤں آ کر ان سے ملاقات کر لو' بس اب میں چلتا ہوں۔" وہ اتنا بتا کر جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی مگر اسے آج ہی شام کی آخری لاری سے گاؤں لوٹ جانا تھا چنانچہ وہ جیسے آیا تھا' ویسے ہی جلدی لوٹ بھی گیا۔

اس کے جانے کے بعد میری حالت دگرگوں ہو گئی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ پیر صاحب نے خاص طور پر اپنا ایک خادم بھیج کر مجھے طلب کیا تھا' یقیناً کوئی خاص معاملہ تھا جس کا ذکر وہ صرف مجھ ہی سے کرنا بہتر سمجھتے تھے' تاہم میرے دل و دماغ میں طرح طرح کے خیالات جنم لینے لگے' جانے کیا بات تھی.....؟ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی یا میرے گھر والوں نے ان کا دل دکھایا تھا..... غرض میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ شکر تھا کہ یہ امتحانات کا زمانہ نہ تھا' اس لئے میں نے کل پہلی لاری سے گاؤں جانے کا پروگرام بنا لیا۔ کپڑوں کا ایک جوڑا سنبھالے میں بعد دوپہر لاری اڈے کی طرف نکل گیا۔ شہر سے میرے گاؤں تک کا فاصلہ تقریباً پچاس کلومیٹر تھا۔

جب لاری' اڈے سے نکلی تو اس وقت شام کے چار بج چکے تھے' جاڑوں کا موسم تھا اس لئے سرِ شام ہی رات کا گمان ہونے لگا تھا۔

گاؤں "ٹبّاں والی" تک لاری تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگاتی تھی اس لئے ساڑھے پانچ بجے تک میرا گاؤں پہنچنا متوقع تھا' جبکہ میں نے دل میں تہیہ کر رکھا تھا کہ گاؤں پہنچتے ہی گھر والوں کو سلام کر کے آج ہی پیر صاحب سے ملاقات کروں گا تاکہ میرے اندر کی پراسرار بے چینی ختم ہو۔

ادھر لاری نے بمشکل نصف فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اس کا نیم غنودہ سا انجن کھڑکھڑا کر خاموش ہو گیا۔ دو افراد پر مشتمل لاری کا عملہ خرابی دور کرنے میں جت گیا اور پورے دو گھنٹوں بعد لاری چلنے کے قابل ہو سکی تھی۔

میں جس وقت لاری سے اترا' اس وقت تک رات سر پر آ چکی تھی' اب تو میرا گھر پہنچ جانا ہی بہتر تھا اس لئے میں نے اگلے دن علی الصباح پیر صاحب سے ملاقات

کا پروگرام بنایا۔

لاری مجھے میرے گاؤں ٹبّاں والی جانے والے ایک پگڈنڈی نما کچے راستے پر سڑک کے کنارے اتار کر کھڑکھڑاتی ہوئی سست روی سے آگے بڑھ گئی۔ اب میں ویران اور تاریک سڑک پر تنہا کھڑا تھا۔ میرے اردگرد ہیبت ناک سناٹا طاری تھا' آسمان پر مدھم چاند' ٹمٹماتے تاروں کی فوج سمیت مقدور بھر ماحول کو روشن کئے ہوئے تھا۔ ہوا البتہ تیز چل رہی تھی اور اس کی اسرار بھری شائیں شائیں میرے کانوں کو گراں گزر رہی تھی۔

یہ مناظر میرے لئے نئے نہ تھے' اس لئے میں خوف زدہ ہوئے بغیر اللہ کا نام لے کر گاؤں جانے والی تاریک پگڈنڈی پر ہو لیا۔ میں تیز تیز قدم اٹھائے آگے بڑھ رہا تھا' میرے دائیں بائیں جھاڑیوں والا میدان تھا' چہار سو سناٹے کا راج تھا' دور کہیں آوارہ کتوں اور گیدڑوں کی کریہہ آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے احتیاطاً ایک درخت کی موٹی شاخ توڑ لی تھی تاکہ راہ میں آنے والے آوارہ کتوں یا گیدڑوں کے غول کو بھگا سکوں۔ کچھ دیر مسلسل چلتے رہنے کے بعد کیکر کا جنگل شروع ہو گیا' پگڈنڈی آگے ذرا فاصلے سے دائیں جانب تاریک جنگل میں داخل ہو رہی تھی۔

اچانک آسمان میں زوردار کڑکا ہوا اور میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا' تیز چلنے والی سرد ہواؤں نے بالآخر آوارہ بادلوں کی ٹولیوں کو یکجا کر کے بارش کی صورت میں برسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شکر تھا کہ میں نے سرد موسم کی مناسبت سے گرم کپڑے زیب تن کر رکھے تھے مگر بارش سے بچنے کیلئے میرے پاس کوئی سامان نہ تھا حتیٰ کہ میں نے رین کوٹ بھی لانے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی' یہ بن موسم کی اچانک بارش تھی۔ خیر میں نے اب اپنے چلنے کی رفتار پہلے سے بڑھا لی۔ میں اب پرہیبت تاریک جنگل میں داخل ہو چکا تھا' ہر طرف ہو کا عالم تھا یا پھر شرائے اور بارش کا اعصاب شکن شور..... مجھے اب پہلی بار انجانا سا خوف بھی محسوس ہونے لگا تھا' کئی بار چلتے چلتے مجھے اپنے عقب میں کسی کے آنے کا بھی احساس ہوا تھا' میں نے رک کر یکدم مڑ کر دیکھا بھی مگر عقب میں سائیں سائیں کرتے جنگل کے چیختے ہوئے سناٹوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ میں خود کو تسلی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دینے کیلئے خود ہی مسکرا دیتا۔ ''ایسے ماحول میں یوں محسوس ہونا عام بات ہے۔'' یہ سو
کر میں پھر آگے بڑھنے لگتا۔

موسلا دھار بارش جاری تھی' پگڈنڈی میں پانی اور کیچڑ جمع ہونا شروع ہو گیا
جس کی وجہ سے اب مجھ سے تیز تیز بھی نہیں چلا جا رہا تھا' کئی بار تو میں پھسلتے پھسلتے
تھا۔ بہرطور اب میں اپنے چلنے کی رفتار کم کر کے سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا تھا پھر
رفتہ بارش کا زور ٹوٹنے لگا تو یکدم ماحول میں پراسرار سناٹا طاری ہو گیا' میں دل ہی دل
میں بارش کے تھمنے پر خوش بھی تھا' سرد اور کاٹ دار ہوا بدستور چل رہی تھی' ٹھٹھرتی ہوا
تاریک سرد رات نے میری رگوں میں دوڑنے والے خون کو جیسے برفاب بنا ڈالا تھا
مارے سردی کے میرے دانت بھی بجنا شروع ہو گئے تھے۔ اگرچہ بارش کا زور ٹوٹ چ
تھا مگر بجلی پھر بھی رہ رہ کر چمک رہی تھی' ایسی ہی ایک لمحاتی چمک میں مجھے سامنے ایک
شخص کا ہیولا دکھائی دیا جو ایک گڑھے کے اندر موجود تھا اور اس کا صرف سر باہر نظر آ
تھا' باقی دھڑ گڑھے کے اندر تھا۔ دوسری بار چمکنے والی بجلی میں' میں نے دیکھا وہ بیلچے
مدد سے گڑھے کے اندر سے مٹی نکال نکال کر باہر پھینک رہا تھا' جانے وہ اکیلا کب سے
یہ گڑھا کھودنے میں مصروف تھا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی تھی۔ میں آگے بڑھتا رہا بجلی پھر
چمکی..... گڑھا کھودنے والے کا پھر سر نظر آیا' میں نے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ میں
اور اس کے درمیان کا فاصلہ چند قدموں پر رہ گیا تو ایک بار پھر بجلی چمکی' میں یہ دیکھ کر ذرا
چونکا اب گڑھا کھودنے والے کا سر نظر نہیں آ رہا تھا' میں نے سوچا شاید وہ ذرا سستانے
کیلئے گڑھے کے اندر ہی بیٹھ گیا ہوگا۔ میں ذرا قریب آیا' گڑھے کے اردگرد کھدی ہوئی
مٹی کا ڈھیر سا پھیلا ہوا تھا۔ میں مٹی کے ڈھیر کے بالکل قریب پہنچا تو اسی لمحے بجلی چمکی
اور میری سامنے نظر پڑی۔ جہاں میں سمجھ رہا تھا کہ وہاں گڑھا ہونا چاہئے تھا مگر وہاں
زمین بالکل سپاٹ تھی باقی کھدی ہوئی مٹی کا ڈھیر آس پاس بکھرا ہوا تھا۔ مجھے حیرت
ہوئی' میں بے یقینی کے سے انداز میں آگے بڑھا' زمین بالکل سپاٹ اور سخت تھی' میں
حیران ہو کر اس گڑھا کھودنے والے شخص کے بارے میں سوچنے لگا۔ ''یہاں گڑھا نہیں
تھا تو پھر وہ مجھے سر کس آدمی کا نظر آ رہا تھا.....؟'' تب پھر اچانک سنسناتا ہوا خیال
میرے دماغ میں ابھرا۔ ''کیا وہ صرف ایک انسانی ''سر'' تھا.....؟'' یہ خیال آتے ہی

میرے پورے وجود میں خوف کی ایک سنسناتی ہوئی لہر سرایت کرتی چلی گئی اور میرا دل
خوف سے بری طرح دھڑکنے لگا' میں نے دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کیا اور پھر
سر جھٹک کر اسے اپنے وہم پر محمول کیا لیکن گڑھے کی کھدی ہوئی تازہ اور بارش میں بھیگی
ہوئی مٹی کے ڈھیر کو میں کیسے جھٹلا سکتا تھا۔ بہرطور میں نے آگے قدم بڑھا دیئے لیکن
اب میرے دل میں بے نام سا خوف بیٹھ چکا تھا۔ اس کی وجہ سے اب تیز تیز چلتے
ہوئے میرے قدم بھی لڑکھڑانے لگے تھے۔ میں اب بغیر رکے تیز تیز چلا جا رہا تھا۔

بارش اب بالکل رک چکی تھی' برسنے کے بعد آسمان بھی صاف ہو چکا تھا اور
جیسے دھل کر روشن سا ہو گیا تھا' تاروں کی ٹمٹماتی روشنی میں' میں نے مزید تیز تیز چلنا
شروع کر دیا تھا۔

اچانک سامنے ایک شخص نظر آیا۔ اس نے ایک دنبے کے کان کو پکڑ رکھا تھا
اور اسے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا مگر دنبہ کس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ میں قریب پہنچا' وہ
آدمی لمبا تڑنگا تھا۔ اس نے کھلے گھیر والی شلوار اور کرتا پہن رکھا تھا۔ سر پر پگڑ سا باندھے
ہوئے تھا جس کا سائز اس کے سر سے تین گنا بڑا تھا۔ ایسے میں وہ عجیب مضحکہ خیز نظر آ
رہا تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ اتنا قوی ہیکل ہونے کے باوجود ایک ذرا سے دنبے کو
نہیں لے جا پا رہا تھا۔

میں اس کے قریب پہنچا' وہ آہٹ پا کر میری طرف متوجہ ہوا' اس کی رنگت
الٹے توے کی طرح سیاہ تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور بھنویں اس قدر گھنی تھیں
کہ آنکھیں تک ڈھک گئی تھیں۔

جب وہ بولا تو اس کی آواز میں عجیب سی گونج تھی۔

''یہ دنبہ بڑا ڈھیٹ ہے' میری مدد کرو اسے جب تک کوئی دوسرے کان سے
پکڑ کر نہیں کھینچے گا' یہ آگے نہیں بڑھے گا۔'' میں ازراہ ہمدردی اس کی مدد کیلئے آگے بڑھا
اور دنبے کا کان پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ دنبہ آرام سے چل پڑا۔ میرے
ساتھ ساتھ دنبے کا دوسرا کان پکڑے چلتے ہوئے اس پگڑ والے شخص نے کہا۔ ''دیکھا تم
نے کیسے چل پڑا یہ کم بخت.....''

میں نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ وہ بھی گاؤں کی طرف ہی جا رہا تھا تاہم مجھے اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی موجودگی عجیب لگی تھی پھر میں نے سوچا یہ بھی میری طرح کوئی بھٹکا ہوا مسافر ہوگا' میں بھی خوش تھا کہ چلو کوئی ساتھی تو ملا راستہ آسانی سے کٹے گا۔

میں دنبے کا کان پکڑے خاموشی سے آگے بڑھا چلا جا رہا تھا' معاً مجھے احساس ہوا کہ دنبے کا کان پکڑے میں اکیلا ہی بڑھا جا رہا ہوں' میں نے دائیں جانب سر گھما کر دیکھا تو بری طرح ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ پگڑ والا شخص غائب تھا' میں رک گیا اور جب عقب میں گردن موڑ کر دیکھا تو دہشت سے میری آنکھیں پھٹ گئیں اور بے اختیار میرے حلق سے دہشت زدہ سی چیخ نکل گئی۔ دنبے کے جسم کی لمبائی اس قدر طویل تھی کہ ہم جہاں سے چلے تھے' وہاں اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں ہنوز جمی ہوئی تھیں جبکہ اس کی کمر اور پیٹ کا سائز کسی ربر کی طرح کھنچا ہوا محسوس ہوا اور وہیں میں نے اس بڑے سے پگڑ والے شخص کو کھڑے ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا۔ میری تو جیسے روح فنا ہو گئی۔ میں نے دنبے کا کان چھوڑا اور اندھا دھند بھاگ اٹھا۔ مجھے اپنے عقب سے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں مگر میرا اس وقت دہشت اور خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ میں بے تحاشا دوڑے چلا جا رہا تھا پھر ایک جگہ تھک کر گر پڑا اور زور زور سے ہانپنے لگا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا تھا' اس سے پہلے تو ہمارے گاؤں یا آس پاس کہیں بھی ایسے محیر العقول واقعات پیش نہیں آئے تھے تو پھر یہ پراسرار چکر کیا تھا.....؟ میں نے ذرا سانس بحال کرتے ہوئے اپنے سر کو دو تین بار جھٹکے دیئے' میرے جسم کی جیسے ساری طاقت سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ اچانک مجھے پیاس کی شدت محسوس ہوئی۔ میرے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔

اچانک مجھے اپنے آس پاس کسی وجود کا احساس ہوا۔ جیسے کوئی وجود میرے کہیں قریب ہی ہو' پتہ نہیں یہ میرا وہم تھا یا ماحول کا اثر پھر دفعتاً مجھے چھن چھن کی آوازیں سنائی دیں' میں دھڑک سا گیا تب پھر اچانک جیسے ایک سرد ترین لہر میرے چہرے سے ٹکرائی اور میرے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔

''چھم..... چھم..... چھن.....'' کرتا ہوا جیسے کوئی میرے قریب سے گزرا۔ میں خوف سے مزید سمٹ کر بیٹھ گیا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے چند قدم کے

فاصلے پر ایک انسانی ہیولا نمودار ہوا۔ وہ میرے قریب آ رہا تھا۔ خوف کی سنسناہٹ میرے دماغ میں گونجنے لگی اور میری کنپٹیاں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ میری یک ٹک نظریں اس ہیولے پر جم سی گئی تھیں۔ پھر جب یہ ہیولا ذرا قریب آیا تو میں بری طرح چونک گیا وہ ایک حسین و جمیل عورت تھی جس نے رزق برق لباس پہنا ہوا تھا' چہرہ چاند کی طرح دمک رہا تھا اور اس کے بھرے بھرے گداز ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ اس کا چمکدار ریشمی لہنگا زمین کو چھو رہا تھا۔ میں سحر زدہ سی کیفیت سے اسے دیکھنے میں محو تھا۔ اتنا مکمل حسن میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا' اس کی بڑی بڑی جھیل ایسی آنکھیں جیسے مجھے اپنے وجود میں اترتی محسوس ہو رہی تھیں اور مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ پھر وہ میرے ذرا قریب آ کر مترنم سی آواز میں بولی۔ ''تمہیں شاید پیاس لگی ہے' مسافر لگتے ہو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں پانی پلاؤں۔'' یہ کہہ کر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس پلٹی۔ اسے یقین تھا کہ میں اس کے پیچھے چلا آؤں گا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ میں جیسے کچے دھاگے سے بندھا' اٹھا اور اس کے عقب میں چل پڑا۔

وہ مجھے ایک درختوں کے تاریک جھنڈ میں بنے ایک بوسیدہ سے جھونپڑے میں لے آئی' یہاں ایک تیل کا دیا روشن تھا اور قریب ہی مٹکا بھی ایک کونے میں رکھا تھا۔ میں سراسیمگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بدستور یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ مٹکے کے اوپر ہی ایک نقشین سا سلور کا گلاس رکھا تھا۔ اس نے جھک کر گلاس میں پانی ڈالا اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے گلاس اس کے مرمریں ہاتھوں سے لیا تو میرا ہاتھ اسے چھو گیا۔ مجھے ایک جھٹکا لگا' اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد تھا' پتہ نہیں وہ خوف کی لہر تھی یا سردی کی کہ میں سرتاپا ٹھٹھر سا گیا۔

پھر میں گھونٹ گھونٹ کر کے پانی پینے لگا۔ وہ سامنے کچی مٹی کے ایک چبوترے پر بیٹھ گئی اور اسرار بھری مسکراہٹ سے مجھے پانی پیتا دیکھنے لگی پھر اس دوران اس کے پیروں سے لہنگا ذرا اوپر کو سرکا تو میں نے دیکھا اس کے پاؤں الٹے تھے' وہ پگھل پائی تھی۔ یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر جیسے میرے وجود کی ساری حسیات یکدم

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بیدار ہو گئیں اور گلاس میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ میں نے دہشت سے ایک زور دار چیخ ماری اور باہر کو بھاگا۔

مجھے اپنے عقب میں اس پچھل پائی کے قہقہے کی گونجدار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میرے بدن میں لرزہ طاری تھا مگر میں اس قدر خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اندھا دھند دوڑا چلا جا رہا تھا۔ کئی بار میں گرتے گرتے بچا تھا مگر میرے پاؤں جیسے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر جیسے تیسے گرتا پڑتا میں بالآخر اپنے گھر پہنچا اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

ذرا دیر بعد میرے ابا نے دروازہ کھولا' مجھے ہانپتا کانپتا اور اس وقت اپنے سامنے پا کر وہ پریشان ہو گئے۔ میں غڑاپ سے اندر داخل ہوا اور جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور دروازے سے لگا چند ثانئے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''وقار بیٹے..... تم اس وقت..... خیریت تو ہے؟ کیا تم نے بھی.....'' وہ پرتشویش انداز میں کچھ کہتے کہتے دانستہ رک گئے۔ میں ان کے آخر میں ''کیا تم نے بھی.....'' کے ادھورے جملے پر چونک سا گیا تھا۔

''چل آ..... اندر آ جا۔'' پھر انہوں نے جیسے میری کیفیت بھانپ لی اور مجھے سہارا دینے کے انداز میں اندر کمرے میں لے آئے۔ اس عرصے میں میری ماں' بھائی عمیر احمد اور چھوٹی بہن بشریٰ بھی جاگ کر میرے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ لوگ یکدم کیسے جاگ پڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سوئے ہی نہیں تھے۔ ان سب کے چہروں پر بھی بے نام سی سراسیمگی چھائی ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے میری حالت کے پیش نظر ان کی یہ کیفیت رہی ہو' میں نے ذرا دیر بعد اپنے گھر والوں کو ان پراسرار واقعات کے بارے میں بتا دیا جو میرے ساتھ بیتے تھے مگر اپنے آنے کا مقصد اور پیر بٹالی شاہ کے درگاہ کے سجادہ نشین پیر الٰہی بخش کے پیغام کے بارے میں بتانا گول کر گیا۔

میری باتیں سننے کے بعد ان سب کے چہروں پر چھائی ہوئی سراسیمگی کے تاثرات میں اضافہ ہو گیا۔ ماں میری بلائیں لیتے ہوئے دعائیہ لہجے میں بولی۔ ''ہے ربا تیرا شکر ہے تو نے میرے بچے پر رحم کیا۔'' یہ کہہ کر وہ ابا سے مخاطب ہو کر بولیں۔

''گڈو کے ابا..... اب تو تمہیں یقین آ گیا نا کہ ہمارے گاؤں میں آسیب نے ڈیرا ڈال لیا ہے اب بھی وقت ہے ہمیں یہ گاؤں چھوڑ دینا چاہئے۔''

میں اماں کی بات پر ذرا چونک پڑا اور ان سے پوچھا۔

''کیا مطلب اماں..... کیا پہلے بھی یہاں یہ واقعہ کسی کے ساتھ پیش آ چکا ہے؟''

''ارے بیٹا..... کسی ایک کے ساتھ..... پورے گاؤں کے لوگوں کو پچھل پائی ڈائن' وہ اونچا لمبا تڑنگا اور بڑے سے پگڑ والا عجیب آدمی نظر آتا رہا ہے بلکہ دودھ والے بلو پہلوان نے تو باقاعدہ سر کٹا بھی گاؤں میں گشت کرتے دیکھا ہے جس نے اپنا سر خود اپنے ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔''

''کیا.....؟'' میں نے خوف سے جھرجھری لی۔

''اری نیک بخت..... تو چپ تو کر مجھے بات کرنے دے۔'' ابا نے اماں سے کہا پھر الجھن آمیز پریشانی سے مجھے مخاطب کر کے بولے۔ ''وقار بیٹے..... کیا تم نے اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھا تھا؟''

''ہاں ابا..... میں بھلا کیوں جھوٹ بولوں گا۔''

''میرا مطلب ہے بیٹا ہوسکتا ہے یہ سب تمہارا وہم ہو؟''

''نہیں ابا..... یہ میرا وہم ہرگز نہیں تھا۔'' میں نے یقین بھرے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ اس سے پہلے آج تک میرے ساتھ ایسے خوفناک حالات نہیں پیش آئے تھے۔''

''حیرت ہے گڈو کے ابا..... اپنے وقار بیٹے کے ساتھ بھی بالکل ویسے ہی واقعات پیش آئے ہیں جو گاؤں کے دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی پیش آتے رہے ہیں اور تم ہو کہ یقین ہی نہیں کر رہے۔'' اماں کے لہجے میں اس بار حیرت کے ساتھ تھوڑی سی جھلاہٹ بھی در آئی تھی۔

ابا کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نمودار ہو گئے تھے' پھر وہ پرسوچ انداز میں بولے۔ ''سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ سب کیا ہے..... میرا تو ان باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں کر رہا۔''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''ابا..... ان پراسرار واقعات کے بارے میں گاؤں والوں نے پیر الٰہی بخش سے کوئی بات کی تھی؟'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''ہاں..... کی تو تھی۔'' ابا گومگو سے لہجے میں سر ہلا کر بولے۔

''پھر انہوں نے کیا کہا؟''

''انہوں نے سارے گاؤں والوں کو کچھ پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔''

''انہوں نے اور کچھ نہیں بتایا؟ میرا مطلب ہے کہ یہ پراسرار واقعات آخر ہمارے ہی گاؤں میں کیوں پیش آ رہے ہیں؟''

''نہیں..... وہ خود پریشان نظر آنے لگے تھے۔'' ابا نے جواباً کہا۔

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اب میرے لئے یہ بات مزید تجسس کا باعث بن چکی تھی کہ آخر پیر صاحب نے مجھے شہر سے کیوں خاص طور پر بلوایا تھا' وہ مجھ سے ایسی کونسی اہم بات کرنا چاہتے تھے اور اس اہم بات کیلئے مجھے ہی کیوں منتخب کیا تھا.....؟ بہرحال اب یہ تو ان سے ملاقات کرنے کے بعد ہی پتہ چل سکتا تھا چنانچہ میں نے صبح سویرے ان سے ملنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اگلے دن میں بیدار ہوا اور گھر سے بٹالی شاہ کی درگاہ کی طرف چلا۔ گاؤں میں ان پراسرار واقعات کے بارے میں ہر ایک کو میں نے چہ میگوئیاں کرتے دیکھا۔ کوئی سرکٹے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا تو کوئی چھل پائی کے بارے میں..... جو پراسرار واقعات میرے ساتھ بیتے تھے وہ گاؤں کے کچھ اور لوگوں کے ساتھ بھی پیش آ چکے تھے البتہ میری بات ابھی مشہور نہیں ہوئی تھی۔ میرا دل و دماغ ان شیطانی واقعات و حالات کو تسلیم نہیں کر رہا تھا لیکن میں انہیں جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ خوفناک واقعات خود میرے ساتھ بھی پیش آ چکے تھے۔ بہرطور میں حسبِ روایت مختلف لوگوں سے سلام دعا کرتا ہوا سیدھا پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

پیر صاحب کی عمر بہت طویل تھی۔ وہ ایک باریش اور پرہیزگار متقی انسان تھے' رنگت سرخ' چہرہ نورانی تھا۔

انہوں نے شاید میری آمد کے بارے میں اپنے خدام سے کہہ رکھا تھا۔ یکدم جیسے ہی میں وہاں پہنچا ایک خادم نے ان کے حجرے میں جا کر میرے آنے کی

اطلاع پہنچائی تو انہوں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر مجھے اندر بلا لیا۔

وہ اپنے آس پاس لوگوں کا زیادہ ہجوم اکٹھا کرنے کے قائل نہ تھے' نہ ہی وہ تعویذ گنڈے والے پیر تھے بس سیدھے سادے ایک عبادت گزار اور تنہا عبادت الٰہی میں مصروف رہنے والے شخص تھے حتیٰ کہ ان کے خدام کی تعداد بھی گنتی ہی کی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو حجرے کے پاکیزہ ماحول کی سحر انگیز خوشبو نے میرے دل و دماغ کو ایک عجیب سی عقیدت بھری سحر انگیزی سے معمور کر دیا۔ وہ ایک کھجی کی چٹائی پر آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح سفید براق شلوار کرتا زیب تن کر رکھا تھا۔ بھنویں اور داڑھی دودھ کی طرح سفید..... سر پر البتہ تہہ دار صافہ باندھ رکھا تھا' حجرہ مختصر سا تھا اور انتہائی سادہ جیسا کہ ایک عبادت گزار شخص کا ہونا چاہئے۔ وہاں صرف ایک خادم ان کے قریب موجود تھا۔

میں نے ہولے سے سلام کیا اور ان کے سامنے صاف ستھرے فرش پر بیٹھ گیا۔

''وقار میاں..... آ گئے تم؟'' معاً پیر صاحب کی پرجلال آواز ابھری۔

''آپ کا حکم میں بھلا کیسے ٹال سکتا تھا پیر صاحب.....'' میں نے دھیرے سے ازراہ عقیدت' احترام سے کہا۔

''حکم دینے والی صرف اللہ کی ذات ہے' ہم سب تو خود اس کے حکم کے بندے ہیں۔'' پیر صاحب نے گویا عالم جذب کی کیفیت میں کہا۔ پھر بولے۔ ''اچھا ٹھہرو ذرا میں تم سے کچھ ضروری بات کروں گا۔'' پھر آنکھیں موند لیں۔ میں وہیں خاموش بیٹھا رہا البتہ میرے اندر کی تجسس آمیز بے چینی فزوں تر ہونے لگی تھی۔ میں چاہ رہا تھا پیر صاحب جلد سے جلد مجھ سے ہم کلام ہوں اور مجھے یہاں بلانے کا اپنا مقصد بیان کریں۔

خدا خدا کر کے یہ انتظار ختم ہوا۔ مجھے ایک مٹی کے آب خورے میں خوش ذائقہ شربت پینے کو دیا گیا۔ اس کے بعد پیر صاحب نے مجھے اشارے سے اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔ میں ان کے قریب سرک آیا۔ میرے دل و دماغ کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ میں نے نظر اٹھا کر پیر صاحب کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھے ان کی آنکھوں میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک جلال کی کیفیت محسوس ہوئی۔ میں نے ان کی جلالی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنی نظریں جھکا لیں' تب ان کی پرجلال آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''وقار میاں..... عمیر احمد تمہارا چھوٹا بھائی ہے نا.....؟''

میں ان کے استفسار پر چونکا۔ ان کے لبوں سے اپنے چھوٹے بھائی کا ذکر سن کر میں یکدم پریشان سا ہو گیا اور گھبرا کر بولا۔ ''جی ہاں پیر صاحب..... کیا اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہوں.....'' انہوں نے ایک گمبھیر ہنکاری بھری پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھ سے گویا ہوئے۔ ''وقار میاں..... معاملہ انتہائی سنجیدہ نوعیت کا ہے اس لئے میں نے تمہیں شہر سے خاص طور پر گاؤں بلوایا ہے' ورنہ میں تمہارے والد سے بھی یہ بات کر سکتا تھا۔ مگر میں نے سوچا تم ذرا پڑھے لکھے نوجوان ہو اس لئے پہلے تم سے بات کر لی جائے۔'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تو میں نے اپنی بے چینی پر قابو پاتے ہوئے جلدی سے کہا۔ ''میں اس عزت افزائی کا مشکور ہوں پیر صاحب!..... آپ حکم کریں یہ بندہ ناچیز حاضر ہے۔''

''اب میری بات غور سے سنو۔'' وہ بولے اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ ہمہ تن گوش برآواز ہو گیا۔

''تم نے شاید یہاں گاؤں آتے ہی لوگوں کی زبانی سنا ہو گا کہ کچھ عرصے سے یہاں پراسرار واقعات جنم لے رہے ہیں۔'' وہ ذرا سانس لینے کو رکے تو میں نے اثبات میں دھیرے سے اپنا سر ہلا دیا۔

''تم جانتے ہو یہ سب کس وجہ سے ہو رہا ہے.....؟'' انہوں نے بغور میری طرف دیکھ کر اسرار بھرے لہجے میں کہا اور میں ان کے اس عجیب سوال پر چونک کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نن..... نہیں پیر صاحب!''

''میاں..... یہ سب تمہارے چھوٹے بھائی عمیر احمد کی وجہ سے ہو رہا ہے۔'' پیر صاحب نے انکشاف کیا اور میں بری طرح چونک گیا۔

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں پیر صاحب!.....'' بے اختیار میرے لبوں سے پھسلا۔

''ہم بالکل درست کہہ رہے ہیں اور یہ حقیقت ابھی تک ہم نے اپنے تک محدود کر رکھی ہے۔''

''مگر یہ سب میرا چھوٹا بھائی کیسے کر سکتا ہے پیر صاحب..... معاف کیجئے گا میں کچھ سمجھا نہیں۔'' میں نے ازحد پریشانی سے کہا اور پیر صاحب کا پرجلال چہرہ تکنے لگا۔ میں نے پہلی بار ان کی آنکھوں میں برہمی کے آثار نمودار ہوتے دیکھے تھے۔ وہ بولے۔ ''وقار میاں!..... یہ حقیقت ہے کہ کچھ عرصے سے گاؤں میں ایک خطرناک آسیب نے ڈیرا ڈال رکھا ہے' وہ آسیب درحقیقت ایک بدروح ہے' آج سے سو سال پہلے جب یہاں مسلمانوں کے ساتھ خاصی تعداد میں ہندو بھی آباد تھے' یہاں ایک ''راماسی'' نام کا پرانا مندر تھا' وہاں ایک پجاری ''کالی'' کا پیروکار تھا اور اس نے اپنے شیطانی شعبدوں سے پورے گاؤں والوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا' اس زمانے میں ہمارے بڑے پیر صاحب بٹالی شاہ بھی بقید حیات تھے۔ وہ اللہ کے نیک اور بہت برگزیدہ بزرگ تھے۔ انہوں نے بڑی مشکلوں سے گاؤں والوں کو اس کالی کے شیطان پجاری جس کا نام ''کالی گاپ'' تھا نجات دلائی تھی۔ پیر صاحب کے وصال کے بعد مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی پیر بٹالی شاہ کے معتقد بن گئے۔ میں چونکہ ان دنوں پیر صاحب کا مقرب خاص تھا اس لئے مجھے یہ ساری حقیقت اچھی طرح معلوم تھی پھر وقت گزرا' تقسیم ہند کے بعد ہندو یہاں سے ہجرت کرنے لگے اور کالی دیوی کا مندر بھی مسمار ہو گیا بلکہ کالی گاپ کے شیطانی کرتوتوں سے تنگ آ کر مسلمان بھی یہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ پورا گاؤں ویران ہو چکا تھا صرف میں یہاں تنہا بڑے پیر صاحب کی عقیدت میں ان کے مقبرے کے ساتھ جھونپڑی ڈال کر رہنے لگا۔ کالی گاپ کی لاش کالی کے پرانے مندر کے تہہ خانے میں گل سڑ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ کالی کے اس پرانے مندر سمیت پورا گاؤں کھنڈر بن کر رہ گیا۔ کئی سو سال پہلے یہ پورا علاقہ ہی ''راماسی کھنڈر'' کے نام سے موسوم تھا۔ بعد میں یہاں آبادی ہوئی اس کے بعد پھر یہ کھنڈر میں تبدیل ہو گیا۔ اب یوں لگتا ہے جیسے یہ گاؤں ایک بار پھر راماسی کے منحوس کھنڈر میں تبدیل ہونے والا ہے۔''

پیر صاحب اتنا بتا کر خاموش ہوئے تو میں جیسے سحر زدہ کی سی کیفیت سے ابھر کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ ”پیر صاحب..... وہ مردود شیطان کالی گاپ تو مر چکا پھر اس کا دوبارہ جنم کیسے ہوا؟“

”اب میں تمہیں وہی بتانے والا ہوں۔“ پیر صاحب گمبھیر آواز میں بولے۔

”مردود کالی گاپ کے مرنے کے بعد اس کی گندی روح راماسی کے ویران اور آسیب زدہ کھنڈروں میں چکراتی پھرتی تھی۔ اس نے اپنی شیطانی طاقتیں دوبارہ حاصل کرنے کیلئے کوششیں شروع کر دیں کیونکہ وہ اب پیر بٹالی شاہ کا انتقام مجھ سے لینا چاہتا تھا۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ تھا اس لئے کالی گاپ سے بالکل خوف زدہ نہ ہوا تب پھر اس کی روح ایک طویل عرصے کیلئے راماسی کھنڈر سے غائب رہی۔ اس عرصے میں رفتہ رفتہ دوبارہ لوگ یہاں آ کر آباد ہونے لگے اور میں اس گاؤں کو آباد ہوتے دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گیا۔ راماسی کھنڈر کے آثار بالکل معدوم ہو گئے اور لوگوں نے یہاں اپنے کچے گارے مٹی کے گھر بنانا شروع کر دیئے۔“ پیر صاحب نے لمحہ بھر توقف کیا پھر میری طرف دیکھ کر اسرار بھرے لہجے میں بولے۔ ”وقار میاں..... اس وقت کالی کے پرانے مندر کے کھنڈر پر جو گھر بنا ہوا ہے وہ تمہارے باپ کا ہے۔“

میں اس انکشاف پر سرتاپا لرز اٹھا مگر میرے منہ سے کچھ بھی برآمد نہ ہو سکا تھا۔ وہ پھر بتانے لگے۔

”کالی گاپ اچانک دوبارہ نمودار ہوا۔ یوں تو وہ ایک بدروح تھا' وہ کسی کو نظر نہیں آتا تھا لیکن ہماری نظروں سے وہ کہاں چھپا رہ سکتا تھا۔ اس بار اسے پرامید اور پرجوش دیکھ کر ہمیں بھی فکر لاحق ہوئی اور پہلی بار ہمیں خدشہ ہوا کہ کہیں یہ مردود پھر دوبارہ تو شیطانی طاقتیں حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو گیا۔ ہم نے اس کا کھوج لگانا شروع کر دیا تو یہ عقدہ کھلا کہ وہ مردود کالی گاپ اب اپنا مردہ وجود حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کی راکھ کو یہاں سے کئی سو میل دور گھنے جنگلات میں واقع شنبھالا دیوی کے ایک بڑے مندر میں لے جا کر وہاں کے مہاپجاری گاتریا کے حوالے کر سکے۔ مہاپجاری گاتریا ایک زبردست تانترک ہے اور عمل تناسخ کے باعث شیطانی پاٹ کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ وہ ”کالی گاپ“ کو دوبارہ زندہ کرنے اور اسے ناقابل تسخیر بنانے کیلئے اس کے مردہ وجود کی راکھ کو کالے منتر کے ذریعے اس قابل بنانا چاہتا ہے تاکہ کالی گاپ کی روح اس کے اندر حلول کر سکے۔ یوں کالی گاپ دوبارہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ آتا اور بنی نوع

انسان کیلئے ایک بار پھر دردسر بنتا۔“

پیر صاحب اتنا کہہ کر خاموش ہوئے تو میں ان کی ساری اسرار بھری گفتگو سننے کے بعد ان سے حیرت کے ساتھ مستفسر ہوا۔ ”پیر صاحب..... یہ تو واقعی ایک تشویش ناک اور ناقابل یقین سی داستان ہے مگر چونکہ یہ آپ کی زبانی سن رہا ہوں اور آپ کا مقصد صرف انسانیت کی بھلائی ہے لہٰذا مجھے ان سارے واقعات پر یقین ہے لیکن پیر صاحب میری اب تک یہ ذہنی پریشانی دور نہیں ہوئی ہے کہ آخر اس سارے شیطانی کھیل میں میرے چھوٹے بھائی عمیر احمد کا کیا عمل دخل ہے؟“

”ہوں..... اب ہم اسی طرف ہی آ رہے ہیں۔“ معاً پیر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ہنکاری بھر کر کہا۔

”کالی گاپ ایک شیطانی عامل تھا' بڑے پیر بٹالی شاہ صاحب سے مقابلے میں مرنے کے بعد اس کا جسم اب تک مردہ حالت میں محفوظ ہے۔ وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے اور شیطانی شعبدے دکھا کر گاؤں والوں کو خوفزدہ کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ لوگ گاؤں چھوڑ کر یہاں سے کوچ کر جائیں پھر اسے اپنے شیطانی مقصد کے حصول کی خاطر ایک زندہ شخص کی مدد کی ضرورت ہے جو اس کے مردہ جسم کی راکھ سرحد پار کئی سو میل دور جنگلات میں واقع شنبھالا دیوی کے مندر کے مہاپجاری گاتریا کے حوالے کر سکے اور اس مکروہ مقصد کیلئے کالی گاپ کی بدروح نے تمہارے چھوٹے بھائی عمیر احمد کا انتخاب کیا ہے۔“ پیر صاحب اتنا بتا کر چپ ہوئے تو میں دھک سے رہ گیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ بے اختیار میرے لرزیدہ ہونٹوں سے نکلا۔

”یہ عنقریب ہونے والا ہے برخوردار.....“ پیر صاحب کے نرم لہجے میں دوبارہ جلال آمیز جوش عود کر آیا۔ وہ بولے۔ ”تمہارے چھوٹے بھائی عمیر احمد کو اس مردود نے ایک ساحر بنانے کے خواب دکھائے ہیں۔ وہ راستے سے بھٹک رہا ہے اور اس نے کالی گھاپ کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ پیر صاحب کے دوبارہ انکشاف پر میں دہل گیا۔ میں اپنے چھوٹے بھائی عمیر سے بہت محبت کرتا تھا' اگر یہ بات کوئی اور مجھ سے کہتا تو میں بالکل اس کی بات کا یقین نہ کرتا مگر پیر صاحب کی بات کو میں جھٹلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟" لمحہ بھر توقف کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا۔ "تم جاؤ اور اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ وہ اپنی زندگی اور آخرت کو جہنم نہ بنائے۔"

"پیر صاحب..... آپ بے فکر رہیں اگر یہ بات ہے تو میں ابھی جا کر اپنے بھائی کو اس باطل راستے پر چلنے سے روکوں گا' چاہے مجھے اس کیلئے اپنے بھائی پر سختی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔" میں نے جوش آمیز لہجے میں کہا مگر پھر دوسرے ہی لمحے کچھ سوچ کر بولا۔ "پیر صاحب..... مردود کالی گاپ کی بدروح نے اگر میرے بھائی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو....."

"کالی گاپ کے پاس بس اتنی ہی طاقت ہے کہ وہ لوگوں کو صرف دہشت زدہ کر سکتا ہے' انہیں وہ جانی نقصان تو کیا بال برابر بھی نقصان پہنچانے کی سکت نہیں رکھتا۔ یہی بات میں نے تمام گاؤں والوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اس کے شعبدوں سے خوف زدہ نہ ہوں جو تمہارا بال برابر بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ ایسا کوئی خوفناک منظر دیکھیں تو فوراً با آواز بلند قرآنی آیات کا ورد کرنا شروع کر دیں مگر لوگ کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ تاہم میں نے کالی گاپ کی بدروح کو یہاں سے ہمیشہ کیلئے بھگانے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ اب تم جاؤ اور جو میں نے کہا ہے اس پر فوری عمل کرو پھر مجھے آ کر بتاؤ۔" پیر صاحب نے اتنا کہہ کر اپنی آنکھیں موند لیں اور زیر لب بدبدانے لگے۔ انہیں عالم مراقبہ میں دیکھ کر قریب موجود ان کے خادم نے مجھے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ میں حیران پریشان وہاں سے چلا آیا۔ میں اپنے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا مگر میرا ذہن پیر صاحب کی روح فرسا باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس پراسرار راز کا ذکر انہوں نے صرف مجھ سے ہی کیا تھا اور ساتھ ہی انہوں نے مجھ سے بھی اسے راز میں رکھنے کی تاکید کی تھی ورنہ میرے بھائی عمیر سے پورا گاؤں نفرت کرنے لگتا حتیٰ کہ میں نے یہ بات ماں باپ سے بھی مخفی رکھنے کا تہیہ کیا تھا۔

میں گھر پہنچا تو عمیر گھر پر نہ تھا۔ ابا بھی گھر پر نہیں تھے۔ امی باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ میں نے بشریٰ سے عمیر کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔ "عمیر کسی دوست سے ملنے گیا ہے۔" پھر پوچھا۔ "بھائی جان..... کیا عمیر بھیا سے کوئی خاص

بات کرنی ہے؟"

"نہیں..... بس ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"بھائی جان..... عمیر بھیا مجھے بہت ستاتے ہیں' میں نے کہا تھا وکی بھائی جان کو آنے دو میں ان سے تمہاری شکایت کروں گی۔" بشریٰ نے شکایت کی۔

میں نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا۔ "اچھا گڈو میں اس کے کان کھینچوں گا تو بتا تیری پڑھائی کیسی چل رہی ہے' خوب دل لگا کر پڑھنا۔"

"بھائی جان..... جب میں میٹرک پاس کر لوں گی تو آپ مجھے شہر لے جائیں گے نا' پتہ ہے بھائی جان مجھے آگے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔" وہ معصومانہ خوشی سے بولی۔

میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "ہاں ہاں..... ابھی تو تم چھٹی جماعت میں ہو خوب دل لگا کر پڑھو..... اچھا میں آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں گھر سے باہر آ گیا اور گلی میں سست روی سے چلتے ہوئے سوچنے لگا کہ عمیر کہاں ہو گا؟ اسے میں کہاں تلاش کروں؟ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ اس کے دوستوں سے پوچھوں کیونکہ میں اس کے چند دوستوں سے واقف تھا۔ ایک تو مجھے پرچون کی دکان میں اپنے باپ کے ساتھ بیٹھا نظر آ گیا۔ اس کا نام قاسم تھا۔ گاؤں کے لوگ چونکہ میری عزت کرتے تھے اس لئے قاسم کا باپ مجھے دیکھ کر خوشی سے بولا۔ "آ پتر..... آ..... بیٹھ..... تجھے خالص دودھ کی چائے پلاؤں۔"

"نہیں چاچا..... میں اپنے چھوٹے بھائی عمیر کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ آپ خوش ہو نا اور قاسو تو کیسا ہے؟ پڑھتا پڑھاتا بھی ہے یا سارا دن میرے بھائی کے ساتھ چڑیاں اڑاتا رہتا ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

چاچا رحمٰن شفقت آمیز ہنسی ہنس کر بولا۔ "شاوا پتر شاوا..... تو نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا' یہ دونوں بدمعاش چڑی مار ہو گئے ہیں۔ سارا دن غلیلیں لے کر پیر صاحب کے قبرستان میں چڑیاں مارتے پھرتے ہیں۔"

"اچھا قاسم یہ بتا عمیر کو تو نے دیکھا ہے؟" میں نے رحمٰن چاچا کے بیٹے قاسم سے پوچھا۔ جواباً وہ بولا۔ "اسے میں نے دودھ والے پہلوان چاچا کے بیٹے فرید و کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ساتھ دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے وہ دونوں قادر بڑھئی کے پاس اپنی غلیلیں بنوانے گئے ہیں۔"

میں رحمٰن چاچا کو سلام کر کے چلا آیا۔ میں سیدھا پہلوان دودھ والے کی ہٹی پر پہنچا وہاں اس کے بیٹے فریدوں کو موجود نہ پا کر خاموشی سے قادر بڑھئی کی دکان پہنچا۔ اسے سلام کر کے میں نے دونوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں یہاں سے گئے ہیں۔ تھوڑا اور آگے گیا تو کمہار دینو مجھے راستے میں ملا' سلام دعا کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ فرید اور عمیر کو گاؤں کے جنگل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے جنگل جانے والے راستے کی طرف ہولیا۔

جنگل زیادہ دور نہ تھا۔ کھیتوں کے پار کیکر کے گنجان درختوں والا طویل سلسلہ گھنے جنگل کی صورت پھیلا ہوا تھا۔ میں جب کھیتوں کے درمیان والی بل کھاتی پگڈنڈی پر چلتا ہوا وسط میں پہنچا تو دور ہی سے میری نظر سامنے دو نوعمر لڑکوں پر پڑی میں ان دونوں کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ یہ فرید و اور میرا بھائی عمیر تھے۔ میرے دل میں آئی کہ انہیں آواز دے کر روکوں مگر پھر کچھ سوچ کر میں نے ان کا تعاقب کرنے کی ٹھانی اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ وہ دونوں جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔ میں بھی خاموشی سے ان کے ذرا قریب پہنچ گیا مگر اس طرح کہ ان کی نظروں میں نہ آ سکوں۔ جانے کیوں میرا دل ان دونوں کی طرف سے عجیب سی بے چینی کا شکار ہونے لگا تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہوئے تو میں بھی چند گز کے فاصلے پر محتاط روی کے ساتھ موٹے تنوں والے درختوں کی آڑ لیتا ہوا بدستور ان کے تعاقب میں آگے بڑھتا رہا۔

خاصی دور تک جانے کے بعد میں نے ان دونوں کو ایک گھنے جھنڈ میں داخل ہوتے دیکھا چونکہ وہ دونوں میری نظروں سے غائب ہو چکے تھے اس لئے میں ٹھہر کر چند ثانئے بغور دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔ یہاں گھنے درختوں کے تنے بہت قریب قریب ایستادہ تھے نیز خار دار جھاڑیوں کی بھی بہتات تھی' میں بہ آہستگی قریب آیا اور جھاڑیاں پرے ہٹاتا ہوا آگے بڑھا تو اچانک ٹھٹک کر رک گیا۔

میری آنکھوں کے سامنے ذرا ہی فاصلے پر ایک قدرے بلند ٹیلا تھا' بغور دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک کھوہ نما غار تھا۔ میں نے ان دونوں کو اس کے تاریک

دہانے کے سرے پر کھڑے پایا پھر اچانک فرید کی سہمی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"یار عمیر..... مروانہ دینا کہیں' وہ بدروح میرا خانہ خراب نہ کر دے۔"

"ارے دل مضبوط کر یار..... میں نے تجھے بتایا نہیں ہے کہ وہ بدروح میری دوست بن چکی ہے۔ جب تو خود اپنی آنکھوں سے مجھے اس سے باتیں کرتا دیکھے گا تو تیرا سارا خوف دور ہو جائے گا' چل آگے بڑھ شاباش....." میرے بھائی عمیر نے اس کی ہمت بندھائی۔

اپنے بھائی کی بات سن کر میں سکتے میں آ گیا۔ پیر صاحب کی باتیں درست ثابت ہو رہی تھیں پھر میں نے ان دونوں کو غار کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو میں بھی چھپتا چھپاتا غار کے دہانے کے قریب پہنچا اور آڑ میں ہو کر اندر جھانکا۔

جنگل میں عجیب سی ویرانی مسلط تھی حالانکہ دن کا وقت تھا پھر بھی چہار سو سناٹے کا راج تھا۔ حتیٰ کہ کسی پرندے کے بولنے تک کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ خود مجھے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنیں بھی سائیں سائیں کرتی کنپٹیوں پر محسوس ہونے لگیں۔

اندر روشنی ہو گئی تھی۔ یہ چھوٹے سے گھی کے چراغ کی روشنی تھی جو میرے بھائی نے جلا کر نیچے زمین پر رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے تھے۔ میں مبہوت سا ان دونوں کو تکے جا رہا تھا۔ ان دونوں کی پشت میری طرف تھی۔ چہرے دوسری طرف..... پھر اچانک میں نے ہولے سے بڑبڑانے کی آواز سی۔

یہ میرے بھائی عمیر کی آواز تھی۔ وہ ناقابل فہم خرافات میں پڑ گیا تھا' وہ شاید زیر لب کوئی منتر پڑھ رہا تھا تب پھر اچانک مجھے ایک سرد ہوا کا جھونکا سا اپنے چہرے پر محسوس ہوا میرے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی۔

غار میں دھواں سا بھرنے لگا تھا پھر ان دونوں کے بالکل سامنے ذرا ہی فاصلے پر میں نے دھویں کے مرغولوں کو یکجا ہو کر ایک عجیب سے بدہیئت ہیولے میں بدلتے ہوئے دیکھا۔

☆.....☆.....☆

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میرے دیکھتے ہی دیکھتے دھویں کے وہ ہیولے انسانی شبیہ میں تبدیل ہونے لگے۔ میں بہ خود سا کھڑا اس غیر واضح شبیہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ میرے چھوٹے بھائی عمیر نے اب بڑبڑانا بند کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ دودھ والے کا بیٹا فرید بھی کھڑا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ انسانی شبیہ کا وہ پراسرار ہیولا کثیف دودھیا رنگ کا تھا۔ تب مجھے غار میں ایک گونجیلی آواز سنائی دی' بڑی مکروہ اور منحوس۔

''عمیر! مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے..... میں تمہارا دوست ہوں.....'' اور کالی گاپ کے جواب میں میرے چھوٹے بھائی عمیر نے اپنے ساتھ کھڑے لرزیدہ فرید و کے کاندھے پر ہاتھ مار کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اے فرید و! تو نے نہیں سنا..... یہ روح ہماری دوست ہے..... تو کیوں گھبرا رہا ہے۔ دل مضبوط کر یار اپنا۔''

عمیر کے حوصلہ دلانے پر فرید و کا خوف ذرا کم ہوا تو کالی گاپ کی بدروح نے دوبارہ عمیر سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''عمیر..... تو نے میرا کام کہاں تک پہنچایا ہے؟'' اس کے انداز تخاطب میں ایک خاص قسم کا تحکم تھا۔

عمیر جواباً مؤدب ہو کر بولا۔ ''میں کوشش کر رہا ہوں کہ اپنے گھر والوں کو اس گھر سے بدظن کر کے انہیں گھر چھوڑنے پر مجبور کر دوں..... دراصل میرے بھائی جان اچانک شہر سے آ گئے ہیں۔'' وہ چند ثانئے توقف کے بعد دوبارہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''کچھ میری مدد کرنا پڑے گی۔''

''میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں..... بول۔'' بدروح نے پوچھا۔

''تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ..... میرے گھر والوں کو خوف زدہ کرنا شروع کر

دے۔ پھر وہ جیسے ہی خوفزدہ ہو کر گھر چھوڑ دیں گے تو میں اپنے گھر کا صحن کھود کر تیرے مردہ وجود کی راکھ کو حاصل کر لوں گا۔'' عمیر نے کہا۔

اپنے بھائی کی بات سن کر میرا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔

''ہاں..... بالکے یہ تو نے صحیح کہا مگر مجھے ایک پرش کی وجہ سے شدید خطرہ ہے۔''

''کونسا خطرہ.....؟ کس سے خطرہ؟'' عمیر نے قدرے چونک کر پوچھا۔

''اس کا نام پیر الٰہی بخش ہے۔'' اس نے بتایا۔

اور عمیر ثانئے بھر کیلئے سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے پوچھا۔ ''تجھے ان سے کیا خطرہ ہے؟''

''تو نہیں جانتا..... وہ کیا شے ہے..... اس کے پاس بہت بڑی طاقت ہے..... اور وہ طاقت اس کے ایمان کی ہے۔ دیکھ بالکے..... تو راکھ کو اپنے مکان سے نکال کر شنبھالا دیوی کے راماس مندر میں اس مہا پجاری گا کریا کے حوالے کر دے بس پھر تیرا کام ختم' پھر مجھے اپنا نیا جیون مل جائے گا..... پھر دیکھنا سارا سنسار میرے قدموں میں ہو گا اور..... تو دولت میں کھیلے گا۔''

عمیر نے جوش بھری خوشی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے..... میں اب اپنی کوششیں تیز کر دوں گا..... تو فکر نہ کر.....''

''اچھا ٹھیک ہے..... اب تو جا اور ترنت میرا کام نمٹانے کی کوشش کر.....''

اس کے بعد وہ گاڑھا دودھیا دھواں فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گیا۔ عمیر اور فرید و چلے۔ میں جلدی سے پرے ہٹ گیا اور قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ وہ دونوں خوشی خوشی باتیں کرتے ہوئے گاؤں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب وہ خاصی دور جا چکے تو میں نے بھی گاؤں کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

مجھے اپنے چھوٹے بھائی عمیر پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ ایک شیطان کے بہکائے میں آ گیا تھا۔ جس نے اپنی شعبدہ گری اور اونچے خواب دکھا کر میرے بھائی کو اپنا دست راست بنا لیا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ بدی کی طاقتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ انسان کو کس قدر ذلیل و خوار کرتا ہے..... پھر وہ کہیں کا نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہتا..... میرے جی میں آئی کہ عمیر کی خوب خبر لوں..... مگر پھر میں نے اپنے طیش پر قابو پایا اور دل میں تہیہ کیا کہ پہلے عمیر کو میں پیار سے سمجھانے کی کوشش کروں گا اگر نہ مانا تو تب اس سے سختی کے ساتھ نمٹوں گا۔

پیر صاحب نے مجھے کالی گاپ اور عمیر کے خفیہ گٹھ جوڑ کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سو فیصد سچ ثابت ہوا تھا۔ میں انہی پریشان کن خیالات میں چکراتا ہوا گھر پہنچا تو عمیر بھی وہاں موجود تھا۔ اس وقت تو میں نے اسے کچھ نہیں کہا مگر..... جب رات کو وہ سونے کیلئے میرے کمرے میں میرے برابر کی چارپائی پر لیٹنے لگا تو میں نے اس سے کہا۔ ”عمیر..... تمہیں نیند تو نہیں آ رہی.....“

”نہیں بھائی جان..... کیا کوئی خاص بات ہے؟“ اس نے قدرے چونک کر پوچھا۔

”ہاں..... خاص ہی سمجھ.....“ وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

”تم نماز پڑھتے ہو..... پانچوں وقت کی.....“

”کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں۔“

”کبھی کبھی سے کیا مطلب.....؟ تمہیں باقاعدگی سے نماز پڑھنی چاہئے۔ اسی لئے تمہارا ایمان کمزور پڑتا جا رہا ہے..... اور تم ایک خبیث شیطان کے بہکائے میں آ گئے ہو۔“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھائی جان؟“

”میں جو کہہ رہا ہوں..... وہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ چکا ہوں سمجھے..... تم اور فرید و اس غار میں جس خبیث روح سے مل کر آ رہے ہو وہ سب میں دیکھ چکا ہوں..... اور اس نے تمہیں اپنے جس ناپاک مقصد کیلئے بہکایا میں اس سے بھی واقف ہوں۔ میری بات غور سے سنو..... تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس خبیث روح کی شعبدہ گریوں سے پورا گاؤں عاجز آیا ہوا ہے..... اگر گاؤں والوں کو ذرا بھی اس بات کی بھنک پڑ گئی کہ تم ایک خبیث روح کے آلۂ کار ہو تو وہ تمہاری تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔“ میں نے بالآخر اسے بھیانک نتائج سے آگاہ کیا اور اپنی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

اس کے چہرے پر پہلے تو الجھن آمیز سی پریشانی چھا گئی پھر اس کا چہرہ پرسکون سا نظر آنے لگا اور وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”بھائی جان! آپ کو اگر ساری حقیقت کا علم ہو ہی گیا ہے تو..... پھر یہ بھی سن لیں..... میں اس سے اپنا تعلق نہیں توڑ سکتا کیونکہ آپ اور گاؤں والوں کو اس کی طرف سے سخت قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آج تک اس نے کسی کو جانی نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ.....“ وہ اچانک کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

میرا دماغ چھوٹے بھائی کی بے وقوفی پر بھنا کر رہ گیا۔ جی چاہا کہ اس کے ایک تھپڑ جڑ دوں..... مگر میں ابھی سختی سے کام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو عمیر..... جس بدروح کو تم نیک روح سمجھ رہے ہو..... وہ ایک خبیث شیطان ہے۔ اس کی مدد کر کے تم خود پر ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت پر ظلم کرو گے..... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو میرے بھائی..... تم اس کی مدد کا خیال دل سے نکال دو۔ میں تمہیں اس خبیث روح کی اصل حقیقت بتاتا ہوں کیونکہ مجھے پورا یقین ہے کہ جب تم اس خبیث روح کی اصلیت سے واقف ہو جاؤ گے تو..... پھر تمہیں اپنی نادانی پر پشیمانی ہو گی۔ سنو.....“ یہ کہہ کر میں نے پیر صاحب کی بتائی ہوئی ”کالی گاپ“ کی اصل حقیقت بتانے کے بعد دیکھا۔ عمیر کے چہرے پر اثر پذیری کے تاثرات نمایاں ہونے لگے اور وہ خاصی دیر تک گم صم سا ہو گیا۔

”بھائی جان..... اچھا ہوا آپ نے ساری حقیقت بیان کر ڈالی..... میں واقعی ایک بہت بڑا گناہ کرنے چلا تھا۔ مجھے معاف کر دیں بھائی جان..... مجھے معاف کر دیں۔“ یہ کہہ کر وہ رو دیا اور میں نے خوش ہو کر اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ میرا بھائی ایک شیطان روح کے چکر میں آنے سے بچ گیا تھا۔ جس کی مجھے بے انتہا خوشی تھی۔ میرے سر سے جیسے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ مجھے اب کالی گاپ کی بدروح سے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ بقول پیر صاحب..... کالی گاپ کسی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک کہ اسے کوئی دوسرا جسم نہ مل جائے۔ میں اگلے دن پیر صاحب کے پاس حاضر ہوا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ میں اپنے چھوٹے بھائی عمیر کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں..... پیر صاحب بھی میری بات سن کر خوش ہوئے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"پیر صاحب..... ! بے شک کالی گاپ کی حیثیت ایک معمولی ہوا سے زیا
نہیں ہے..... مگر کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس خبیث سے ہمیشہ کیلئے چھٹکارا پا لیا جا
کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اب اپنے ناپاک مقصد کیلئے کسی دوسرے معصوم انسان کو ورغلا
کی کوشش کرے۔

پیر صاحب میری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بولے۔ "ہاں برخوردار.....
نے بالکل ٹھیک کہا..... ہمارے ذہن میں بھی یہ بات تھی اس خبیث روح کو اس دنیا سے
ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بھگانے کا ایک طریقہ ہے۔"

"وہ کیا..... پیر صاحب.....؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"اگر کسی طرح اس مردود کالی گاپ کے مردہ جسم کی راکھ کو نکال کر دریا برد کر
دیا جائے تو پھر اس کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوسکتا ہے۔"

"میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں پیر صاحب....." میں نے بلا تامل پرجوش لہجے
میں کہا۔

"ہاں..... بیٹا..... یہ نیک کام تم ہی کر سکتے ہو۔" پیر صاحب پرخیال انداز
میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"آپ بتائیں میں کس طرح کروں..... یہ نیک کام....." میں نے بے چینی
سے پوچھا۔

"تمہیں سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو اعتماد میں لینا ہوگا..... اس کے بعد
وہ گھر خالی کر کے اس کے صحن کی کھدائی شروع کر دو۔ بمشکل ڈیڑھ دو فٹ کی کھدائی کے
بعد ایک چوکور آہنی ڈھکن نما دروازہ نظر آئے گا۔ تم اسے کھینچ کر اوپر اٹھا لینا۔ پھر اندر
زینہ نظر آئے گا جو زیادہ طویل نہیں..... نیچے اترو گے تو تمہیں طاقچے میں ایک دیا جلتا ہوا
دکھائی دے گا۔ یاد رکھنا اسے تم نے اس وقت تک نہیں بجھانا ہے..... جب تک تابوت
میں رکھی کالی گاپ کی لاش کی راکھ نہ سمیٹ لو..... پھر اسے بجھا کر بآسانی باہر آ جاؤ
گے..... اور فوراً اس راکھ کو جا کر دریا میں پھینک دینا..... بس پھر کالی گاپ کا ہمیشہ کیلئے
خاتمہ ہو جائے گا۔"

"بس اس بات کا خیال رہے اس پراسرار تہہ خانے کے طاقچے میں رکھا وہ

چراغ جو صدیوں سے روشن ہے وہ اس وقت تک بجھنے نہ پائے جب تک تم تہہ خانے
سے باہر نہیں آ جاتے۔"

"ٹھیک ہے پیر صاحب!..... میں سمجھ گیا۔" میں نے کہا اور جانے کی اجازت
مانگی۔ پیر صاحب نے مجھے یہ نیک کام جمعرات کے روز کرنے کی تاکید کی تھی۔ میں گھر
لوٹ آیا۔

آج منگل تھا اور مجھے یہ کام پرسوں یعنی جمعرات کے دن غروب آفتاب کے
بعد کرنا تھا۔ شہر سے لوٹے مجھے تین روز ہو چکے تھے۔ میں نے کالج سے چار پانچ دنوں
کی چھٹیاں لے رکھی تھیں۔ ویسے بھی کورس مکمل ہو چکا تھا اور بیشتر طلبا ہوسٹل میں ہی
امتحانات کی تیاریاں کر رہے تھے مگر میرے لئے یہ امتحان زیادہ اہم اور ضروری تھا کیونکہ
اس میں پوری انسانیت کی بھلائی تھی۔ میں نے سب سے پہلے عمیر کو اپنے مقصد کے
بارے میں آگاہ کیا تو وہ قدرے خوف زدہ لہجے میں بولا۔ "بھائی جان! کیا اس میں
آپ کی جان کو خطرہ تو نہ ہوگا۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اس کی پروا نہیں..... یہ ایک نیک کام ہے..... مگر
مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ میری مدد کرے گا اور میں بہ حسن و خوبی یہ نیک کام کر ڈالوں
گا..... کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"آہ..... ہا..... ہاں بھیا کیوں نہیں..... مگر....." وہ اچانک چونک کر بولا۔

"مگر کیا؟" میں نے پوچھا۔

"بھیا! کیا یہ خطرے کا کام کرنا ضروری ہے؟" میرا مطلب ہے اسے ایسے
ہی رہنے دیا جائے..... کیونکہ کالی گاپ تو اپنے جسم کے بغیر ادھورا ہے۔" عمیر نے کہا۔

"نہیں عمیر! مجھے یہ کام کرنا ہوگا۔ یہ بہت ضروری ہے کیونکہ جس طرح اس
نے تجھے اپنے ناپاک مقصد میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی اسی طرح کسی اور کو بھی
اپنے بہکائے میں لا سکتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا
تھا۔

اگلے دن یعنی بدھ کو میں نے اپنے امی ابو اور چھوٹی بہن بشریٰ کو ساری بات
بتائی۔ میری ماں اور چھوٹی بہن بشریٰ تو بے چاری خوف زدہ ہو گئیں جبکہ ابا کچھ پریشان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے نظر آنے لگے مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ پیار سے بولے۔ ”وقار پتر! مجھے خوشی ہے کہ تو ایک نیک کام کر رہا ہے..... پر اپنا خیال رکھنا۔“

”ہاں..... ابا..... اللہ میرے ساتھ ہے اور پیر صاحب کی دعاؤں سے انشاء اللہ یہ نیک کام کر کے رہوں گا۔“ میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”وقار کے ابا! مجھے تو ڈر لگ رہا ہے..... کہیں وہ شیطان روح میرے بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔“ اماں نے روایتی تفکر سے کہا مگر میں نے انہیں تسلی دی کہ وہ سب لوگ ڈرنے کے بجائے میرے اس نیک کام میں میری کامیابی کی اللہ سے دعا کریں۔

بہرطور میں نے اپنے گھر والوں کو راضی کر ہی لیا۔

پڑوس میں غلام علی باردانے والا رہتا تھا۔ اس کا گھر خاصا بڑا تھا۔ دو میاں بیوی ہی تھے اولاد نہیں تھی۔ غلام علی سے مکان میں مرمت وغیرہ کا بہانہ کر کے میں نے سب گھر والوں کو ان کے ہاں منتقل کر دیا تھا۔ جمعرات کی صبح تک گھر خالی ہو گیا۔

میں نے پیر صاحب کی تاکید کے مطابق اس راز کو آشکار نہیں کیا تھا۔ بلاوجہ گاؤں میں ہڑبونگ سی مچ جاتی۔ اس لئے میں نے ابا اور بالخصوص اماں اور بہن بشریٰ کو بھی یہ بات راز میں رکھنے کو کہا تھا۔

میں نے ایک کدال کا بندوبست کر لیا تھا۔ لالٹین کی ضرورت نہ تھی۔ عمیر کو میں اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا تھا مگر وہ مجھے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میرے ساتھ رہنے پر بضد رہا۔ پھر ابا اور اماں کی بھی حمایت پر میں نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ میں نے اس کے چہرے سے صاف طور پر محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ پریشان اور الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں یہی سمجھا شاید وہ خوف زدہ تھا۔ میں نے پھر بھی اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر وہ میرے ساتھ اس کام میں شریک نہ ہونا چاہے تو چاچا غلام علی کے ہاں چلا جائے مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ مجھے اس کے انکار پر حیرت بھی ہوئی بہرطور اب ہم دونوں بھائی سورج کے ڈوبنے کا انتظار کرنے لگے۔ میں نے غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے پیر صاحب کی نشاندہی کے مطابق صحن کے فرش پر تقریباً چھ فٹ مربع پر لکیر کھینچ دی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ منڈیر سے دھوپ سرکنے لگی۔ شام کے سائے جھکنے لگے۔ پھر نجانے کیوں میرے اندر بھی ایک عجیب سی مضطربانہ کیفیت ابھرنے لگی۔

بالآخر جب ذرا دیر بعد ہی سورج غروب ہو گیا تو میں نے کمر کس لی اور اللہ کا نام لے کر کدال سنبھال لی۔ صحن کا فرش ویسے ہی کچا تھا۔ میں نے کدال سے زمین کھودنا شروع کر دی۔

عمیر نے میرے کہنے پر صحن کے ایک چھپر سائبان کے بدہیئت بانس سے لالٹین روشن کر کے لٹکا دی تھی۔ میں کدال چلائے جا رہا تھا۔ جب میں ذرا ہانپنے لگا تو عمیر نے مجھ سے کدال لے لی اور خود شروع ہو گیا۔

اوائل دسمبر کی ٹھٹھرتی شام کے باوجود جانے کیوں میری پیشانی پر ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔ کدال چلانے کی وجہ سے پیشانی میری عرق آلود ہو چکی تھی لیکن اس کے ساتھ میں اپنے وجود کے اندر ہلکی سی کپکپی بھی محسوس کر رہا تھا۔ جو کسی طور بھی سردی کا بہرحال پیش خیمہ نہ تھی۔ یہ کپکپی کچھ اور ہی قسم کی تھی۔ ایک انجانے خوف کی.....

میں نے ذرا ستانے کے بعد فوراً چھوٹے بھائی سے کدال لے لی۔ وہ بھی بے چارہ چند کدالیں مارنے کے بعد ہانپنے لگا تھا۔ دو فٹ کے قریب گڑھا کھد چکا تھا مگر ہنوز ہماری کدال کسی آہنی اور ٹھوس شے سے نہیں ٹکرائی تھی۔

رات اب کافی گہری ہو گئی تھی۔ لالٹین کی روشنی میں ہم دونوں بھائیوں کے سائے کچی دیواروں پر لرز رہے تھے۔

میں نے عمیر سے کدال لی تو اچانک میری نظر دیوار پر لرزاں اپنے اور عمیر کے سایوں پر پڑی۔ میں نے دیکھا..... عمیر کے سائے نے میرے ہاتھ سے کدال چھین لی اور مجھ پر وار کرنے کیلئے فضا میں بلند کی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نے دیوار سے نظر اٹھا کر عمیر کی طرف دیکھا جو ویسے ہی خالی ہاتھ کھڑا تھا جبکہ کدال بدستور میرے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی۔

”کیا ہوا بھائی جان؟“ اچانک عمیر نے مجھے گم صم پا کر پوچھا۔

”آں..... ہاں..... کک..... کچھ نہیں.....“ میں چونک کر بولا۔ میری نظریں پھر دیوار پر مرکوز ہو گئیں۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ عمیر کا سایہ دھیرے دھیرے دیوار سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اتر کر سائبان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جدھر بدنما بانس سے لالٹین جھول رہی تھی۔ میں نے سراسیمہ انداز میں اپنے ساتھ کھڑے عمیر کی طرف دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر کھڑا تھا البتہ اب وہ بھی خوف زدہ نظروں سے دیوار پر اپنے سائے کو حرکت کرتے ہوئے تکے جا رہا تھا۔

"بب..... بھائی جان..... یہ..... یہ..... یہ کک..... کیا ہو رہا ہے۔" دوسرے ہی لمحے لرزتی آواز میں مجھ سے بولا۔

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نے دیکھا عمیر کے اس پراسرار حرکت پذیر سائے نے لالٹین کے بالکل قریب آ کر ذرا جھکتے ہوئے شاید پھونک ماری تھی کیونکہ لالٹین کی لو..... بری طرح لرزنے لگی۔ میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اچانک ٹھٹھرتی ہوئی فضا میں ایک سرد ہوا کا جھونکا محسوس ہوا اور اگلے ہی لمحے لالٹین کی لو آخری بار زور سے بھڑک کر بجھ گئی۔ میری رگ و پے میں خوف کی سرسراہٹ دوڑ گئی۔ چہار اطراف تاریکی چھا گئی تھی۔

"بھائی جان..... آ..... آپ کدھر ہیں؟" عمیر کی لرزیدہ آواز ابھری۔

میں نے فوراً اسے تھام لیا اور بولا۔ "میں ادھر ہی ہوں..... عمیر..... ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں بھائی جان..... لگتا ہے کالی گاپ کی بدروح ناراض ہو گئی۔ بھاگ چلو بھائی جان..... ورنہ..... وہ ہمیں مار ڈالے گی۔" عمیر نے خوف سے لرزیدہ آواز میں کہا۔

"بے وقوف مت بنو..... وہ بدروح ہمیں خوف زدہ تو کر سکتی ہے لیکن ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔" میں نے اسے ذرا سخت لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا مگر وہ میرا بازو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے وہاں سے لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اسے دوبارہ جھڑکا پھر جیب سے ماچس نکال کر میں نے لالٹین دوبارہ روشن کر دی۔ اب میرے دل سے کالی گاپ کا خوف دور ہو چکا تھا۔ لالٹین روشن ہوتے ہی میں نے پھر دوبارہ کوئی پراسرار سایہ نہیں دیکھا۔ میں نے کدال پکڑی اور دوبارہ شروع ہو گیا۔ دو چار کدالیں مزید مارنے کے بعد معاً کدال کا آہنی پھل کسی ٹھوس فولادی شے سے "ٹن" کر

کے ٹکرایا۔ تہہ خانے کا دروازہ ابھر آیا تھا۔

پھر میں نے اور عمیر نے جلدی جلدی دونوں ہاتھوں سے مٹی پرے ہٹائی تو ہمیں اس پراسرار تہہ خانے کا بند دروازہ نظر آ گیا۔ وہ خاصا سالخوردہ اور زنگ آلودہ ہو رہا تھا۔ میں نے کدال کے نوکیلے پھل سے اوپر اٹھایا۔ ہم دونوں نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے ڈھکن نما دروازہ پورے کا پورا اوپر اٹھا دیا۔ ڈھکن نما دروازہ کھلتے ہی ایک حد درجہ ناگوار بدبو کا بھبکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا اور میرا جی الٹنے لگا۔ میں بے اختیار اپنی ناک پر ہاتھ رکھے چند قدم پیچھے ہٹ گیا مگر میں نے دیکھا عمیر پر اس ناگوار بدبو کا مطلق اثر نہ ہوا وہ جوں کا توں کھڑا نیچے تہہ خانے میں جھانک رہا تھا۔ پھر میں بھی جی کڑا کر کے آگے بڑھا اور جھک کر نیچے دیکھنے لگا۔ اندر روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا یہ اس پراسرار دیئے کی روشنی تھی جو جانے کتنے برسوں سے اندر کہیں طاقچے میں رکھا روشن تھا۔ پھر اس روشنی میں مجھے ایک آہنی زینہ نیچے جاتا دکھائی دیا۔ میں نے دیکھا عمیر کے چہرے پر اب خوف عنقا ہو چکا تھا بلکہ ایک جوش سا اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔ میں یہی سمجھا شاید..... یہ اس خبیث شیطان کالی گاپ کی بدروح کو نابود کرنے کا جوش تھا۔

"عمیر..... تم ادھر ہی رکو میں نیچے اتر کر اس مردود کے جسم کی راکھ نکال کر لاتا ہوں۔"

"نہیں بھیا میں تمہیں اکیلے اس خوفناک تہہ خانے میں نہیں اترنے دوں گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولا تو میں چپ ہو رہا۔

پھر سب سے پہلے میں نے اپنے کاندھوں پر ایک بڑا سا مگر پرانا رومال دھرا تاکہ راکھ کو اس میں باندھ کر اوپر لا سکوں۔ پھر سب سے پہلے میں اللہ کا نام لے کر نیچے اترا۔ ناگوار بدبو سے ابھی تک میرا جی مالش کر رہا تھا لیکن نیک مقصد کو پورا کرنے کے جذبے نے مجھے آگے بڑھنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ تہہ خانہ زیادہ گہرا نہ تھا۔ ذرا ہی دیر بعد میرے قدم تہہ خانے کے فرش سے جا لگے۔ پھر میں نے عمیر کو بھی نیچے اترنے کا اشارہ کیا تو وہ پہلے ہی سے نیچے اترنے میں مصروف تھا۔

میں نے پراسرار دیئے کی روشنی میں تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ وہ زیادہ بڑا نہ تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فرش پر جھاڑ جھنکار پھیلا ہوا تھا۔ ایک طاقچے میں مجھے وہ پراسرار دیا نظر آیا۔ اس کی لو بہت دھیمی تھی مگر تاریکی میں اچھی خاصی روشنی بکھیر رہا تھا۔ میں نے اس روشنی میں تہہ خانے کے وسط میں ایک دیمک زدہ بوسیدہ سا تابوت پڑے دیکھا۔ اس کی آبنوسی رنگت جگہ جگہ سے مٹیالی ہو چکی تھی۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ اس قدر کہ اس کے اندر مردے جسم کی جلی کٹی ہڈیاں تک صاف نظر آ رہی تھیں۔ جو راکھ کی طرح بھربھری محسوس ہو رہی تھیں۔ میرا دل پھر دھک دھک کرنے لگا۔

یہ کوئی کم دہشت ناک ماحول نہ تھا۔ ایک ایسے پرانے تہہ خانے کے اندر جہاں ایک خبیث شیطان کے برسوں پرانے خاکستر مردے کا بوسیدہ تابوت پڑا تھا اور یہی نہیں ایک طلسمی دیا بھی یہاں برسوں سے روشن تھا۔ اس بات کو عقل تسلیم نہیں کر رہی تھی مگر چونکہ یہ ایک خبیث شیطان ''کالی گاپ'' کا شیطانی طلسم تھا اور مجھے بہرحال اس کا طاغوتی سحر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے توڑنا تھا۔

میں نے سب سے پہلے عمیر کو سرگوشیانہ لہجے میں تاکید کی کہ وہ اس دیئے کی طرف نہ جائے..... کہیں اس کی بے ترتیب سانسوں یا اس کے وجود کے جھٹکے سے وہ بجھ نہ جائے۔ اس کے بعد میں نے تابوت کی طرف قدم بڑھائے۔ میرے وجود میں ہلکی ہلکی کپکپی طاری تھی۔ بہرطور میں ہمت کر کے تابوت کے قریب پہنچ ہی گیا۔ تابوت کا ڈھکن ادھڑ کر بالکل غائب ہو چکا تھا۔ چوبی دیواریں بھی اس کی کھوکھلی ہو کر ادھڑ چکی تھی۔ اس کے اندر کالی گاپ کا خاکستر اور کٹا پھٹا ڈھانچہ نظر آ رہا تھا۔ جو راکھ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ میں نے لرزتے ہاتھوں سے اس کی خاکستری کھوپڑی کو چھوا تو ٹھیک اسی وقت تہہ خانے کی اسرار زدہ خاموشی میں ایک غیر انسانی کریہہ چیخ بلند ہوئی' میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے پھر اچانک کسی کے زور زور سے سانس لینے کی آواز ابھری جیسے کوئی ہانپ رہا ہو۔ ایک سرد ہوا کا ٹھنڈا دینے والا جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا تو مجھے بے اختیار جھرجھری سی آ گئی۔ ٹھیک اسی وقت سامنے طاقچے میں دھرے ہوئے چراغ کی مدھم لو پھڑ پھڑانے لگی۔ میں پریشان ہو گیا اگر یہ دیا بجھ جاتا تو بڑی مشکل ہو جاتی مگر خیریت رہی کہ اس کی لو ذرا دیر تک لہرانے کے بعد بجھی نہیں..... میں نے جلدی سے اپنے ہاتھ سے بڑا سا رومال اتار کر تہہ خانے کے بوسیدہ فرش پر بچھا دیا۔ پھر عمیر

سے کہے بغیر میں نے تابوت کے اندر سے کالی گاپ کے مردہ وجود کی راکھ سمیٹنا شروع کر دی۔

میری دیکھا دیکھی عمیر بھی راکھ سمیٹنے میں مصروف ہو گیا۔ ہمارے ہاتھ لگاتے ہی مردے کی بچی کھچی جلی ہڈیاں بھی بھربھری ہو کر راکھ میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔ ہم نے بہت کم وقت میں اور تیزی کے ساتھ یہ کام نمٹایا..... اور ساری راکھ رومال میں ڈھیر لگانے کے بعد میں نے رومال کے چاروں سروں کو گرہ لگا کر چھوٹی سی پوٹلی بنا لی اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

تہہ خانے میں اب کسی کے زور زور سے سانس لینے کی آوازیں معدوم ہو گئی تھیں..... اپنا کام نمٹانے کے بعد عمیر نے اچانک وہ پوٹلی اپنے قبضے میں لے لی۔

''بھیا..... اب جلدی سے اوپر آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر وہ زینے کی طرف بڑھا۔

مجھے اس کی اچانک حرکت پر حیرت تو ہوئی مگر میں خاموش رہا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ میں بھی اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھتا رہا۔ ادھر عمیر غیر معمولی پھرتی کے ساتھ اوپر پہنچ چکا تھا۔ پھر میں نے جیسے ہی سر ابھارا عمیر نے زور سے میرے چہرے پر لات رسید کی۔ میں اس اچانک حملے کیلئے تیار نہ تھا۔ نتیجتاً میں سیڑھیوں پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے آ رہا۔ شکر تھا کہ مجھے کوئی خاص چوٹ نہ آئی تھی مگر اپنے چھوٹے بھائی کی اس سنگدلانہ حرکت پر مجھے پہلے حیرت اور بعد میں بہت غصہ آیا۔ چنانچہ میں گرتے ہی دوبارہ اٹھا اور سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ پھر جب تک میں اوپر تک پہنچتا عمیر نے اوپر سے تہہ خانے کا ڈھکن گرا دیا۔ میں چیختا چلاتا رہ گیا لیکن اس سنگدل نے ڈھکن نہ کھولا۔ میرا دل بیٹھنے لگا۔ مجھے اپنے بھائی کی اس حرکت پر بے حد افسوس اور دکھ ہونے لگا۔ میں نے پاگلوں کی طرح ڈھکن پر زور لگایا لیکن وہ نہ کھلا ایسا لگتا تھا جیسے اوپر کوئی وزنی شے رکھ دی گئی تھی۔ بے بسی اور دکھ کے شدید احساس تلے میرا دل بھر آیا میں پاگلوں کی طرح عمیر کو پکارنے لگا۔ ''عمیر..... میرے بھائی..... خدا کیلئے یہ ظلم نہ کرو..... دروازہ کھول دو۔ دیکھو تو جو کچھ کرنے چلا ہے وہ تیرے لئے نقصان دہ ہے۔'' مگر میری آواز تہہ خانے کے پراسرار ماحول میں گونج کر رہ گئی۔

میں سیڑھیوں پر کھڑا کھڑا تھک گیا تو نیچے اتر آیا۔ ہر سو سناٹے کا راج تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سامنے تہہ خانے کی دیوار پر دیا بدستور روشن تھا۔ عمیر ''کالی گاپ'' کے مردہ وجود کی راکھ مجھ سے چھین کر لے جا چکا تھا جس سے میں پہلے ہی اس بھیانک حقیقت کا اندازہ لگا چکا تھا کہ عمیر مجھ سے راکھ والی گٹھڑی چھین کر کیوں بھاگا تھا۔ اس کا واضح مطلب تھا کہ وہ مردود کالی گاپ کی بدروح کے اشارے پر چل رہا تھا۔ اس نے مجھے دھوکا دیا تھا کہ وہ راہ راست پر آ گیا ہے اور سفلی علوم سے تائب ہو چکا ہے..... مگر مجھے دکھ کے ساتھ ساتھ حیرت بھی ہو رہی تھی کہ کیا عمیر کا خون اس قدر سفید ہو چکا ہے کہ وہ ایک شیطان کا آلہ کار بن کر اپنے سگے بھائی کا بھی دشمن بن چکا ہے۔ مجھے اپنے بھائی کی اس حرکت پر غصہ تو تھا ہی مگر اب مجھے اس کی طرف سے تشویش ہو رہی تھی کہ اس نے جس راستے کا انتخاب کیا تھا وہ سر بہ سر تباہی و بربادی کی طرف جاتا تھا۔ میں تو اب یہ سوچ سوچ کر پریشان بھی ہو رہا تھا کہ اگر عمیر نے کالی گاپ کی بدروح کے کہنے پر عمل کر ڈالا تو کالی گاپ ایک طاقتور شیطانی ساحر کے روپ میں دوبارہ زندہ ہو جائے گا اور پھر اس کے بعد کا لرزہ خیز تصور کر کے میں کانپ اٹھا۔ پھر ناکامی کے احساس تلے مجھ پر جھنجھلاہٹ طاری ہونے لگی اور تب میرے اندر جوش کی ایک تند لہر سی اٹھی اور میں ایک بار پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھا پھر دروازے کے قریب پہنچ کر اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ تہہ خانے کے سپاٹ ڈھکن نما دروازے پر جما کر اسے اوپر اٹھانے کیلئے پوری طاقت سے زور لگانے لگا۔ جلد ہی دروازہ تھوڑا سا اوپر کو اٹھا تو مجھے احساس ہوا کہ اوپر کوئی زیادہ وزنی شے نہیں رکھی گئی تھی لہٰذا میں نے پہلے سے بھی زیادہ اپنے وجود کی ساری طاقت صرف کر دی اور بالآخر پھنسا کر میں اس منحوس تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔

کیا دیکھتا ہوں پورا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ ڈھکن کے اوپر چارپائی گھسیٹ کر رکھی گئی تھی اور عمیر کا کوئی اتا پتا نہ تھا۔ میں نے گھر کے بیرونی دروازے کی طرف دیکھا جو کھلا ہوا تھا۔ میں وحشت کے عالم میں دروازے کی طرف دوڑا اور باہر گلی میں آ گیا۔ پوری گلی ٹھٹھرتی ہوئی تاریکی میں غرق تھی۔ آسمان پر تارے بھی مدھم تھے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس گھور تاریکی میں اسے کہاں تلاش کروں؟ تب اچانک مجھے اس غار کا خیال آیا جہاں میں پہلی بار عمیر اور اس کے ''ہم خیال'' دوست

زید کا تعاقب کرتے ہوئے پہنچا تھا اور وہاں میں نے عمیر کو کالی گاپ کی بدروح سے ہم کلام ہوتے دیکھا تھا۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی میں نے تاریکی اور ٹھٹھرتی ہوئی سردی کی پروا کئے بغیر اس غار کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆.....☆.....☆

میں اس کڑاکے کی سرد اور تاریک رات میں دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ میرے دوڑنے میں دیوانگی تھی' ایک وحشت تھی۔ میں عمیر کو یہ خطرناک قدم اٹھانے سے ہر قیمت پر روکنا چاہتا تھا۔ وہ نادانی میں ایک خبیث شیطان کی باتوں میں آ کر اس کی مدد کر کے نہ صرف خود کو بلکہ پوری انسانیت کو مصیبت میں مبتلا کر سکتا تھا جس کا سارا گناہ عمیر کے سر جاتا..... لیکن اس خبیث شیطان' کالی گاپ نے جانے اسے کیسی پٹی پڑھا رکھی تھی کہ عمیر اس کے حکم کا غلام بن کر رہ گیا تھا اور مجھے..... یعنی اپنے بھائی کو بھی خاطر میں نہیں لایا تھا۔

میں گرتا پڑتا اور ہانپتا کانپتا اس غار کے پاس پہنچا۔ آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ یہاں آسمان کھلا اور صاف تھا۔ جوش نے میرے اندر ایک عجیب سی دلیری کو ہوا دی۔ چنانچہ میں بے خطر غار کے اندر گھس گیا۔ ماچس میری جیب میں موجود تھی۔ یہ میری عادت تھی میں نے فوراً دیا سلائی جلائی غار روشن ہو گیا۔ چھت سے مکڑی کے جالے لٹک رہے تھے اور کوئی ذی نفس نہ تھا۔ میں نے دیا سلائی پھینکی اور باہر آ گیا۔ میرے اندر طوفانی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں عمیر کو کہاں ڈھونڈوں؟ دفعتاً مجھے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی اور میں چونک کر پلٹا تو میری نظروں کے عین سامنے ایک جھریوں بھرا ضعیف چہرہ تھا۔ جانے کیوں میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ایک بوڑھا شخص تھا اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور کمر میں کب سا ابھرا ہوا تھا۔ اس نے لاٹھی پکڑ رکھی تھی۔ مجھے اس کی یرقان زدہ نظریں اپنے وجود میں سرایت کرتی محسوس ہوئیں۔ اس کبڑے کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ کیونکہ گاؤں کے تقریباً سبھی لوگ میرے دیکھے بھالے تھے۔

''کس کو ڈھونڈ رہے ہو بیٹا.....؟'' معاً اس نے کھرکھراتی آواز میں پوچھا۔ اس کی توانا آواز اس کے نحیف و نزار وجود سے لگا نہیں کھاتی تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بہرطور میں نے برملا کہا۔ ”بابا جی..... میں ایک لڑکے کو ڈھونڈ رہا ہوں۔“

”لڑکا.....“ اس نے سوچتی ہوئی آواز میں دہرایا۔ جیسے کچھ یاد کر کوشش کر رہا ہو۔

میں نے امید بھرے لہجے میں کہا۔ ”ہاں..... چاچا..... وہ میرا بھائی ہے سے ایک دو سال چھوٹا ہے؟ کیا تم نے اسے دیکھا ہے کہیں؟“

”ہاں..... یاد آیا۔“ وہ ایک دم اپنی کنپٹی پر انگلی رکھ کر یاد کرنے والے میں بولا۔

”ایک لڑکے کو میں نے چھوٹی سی گٹھڑی پکڑے ادھر جنگل میں داخل ہ دیکھا تو تھا۔“

”کک..... کب.....“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”ابھی تھوڑی ہی دیر تو ہوئی تھی۔“ وہ بولا۔

”وہ کس طرف گیا ہے چاچا..... مجھے بتاؤ جلدی.....“ میں نے بے چینی پوچھا تو اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس طرف لگا دی۔ دوڑتے دوڑتے میں نے یونہی عقب میں دیکھا تو وہ کبڑا شخص غائب ہو تھا۔ میں سمجھ گیا تھا اس نے گٹھڑی والے جس لڑکے کو دیکھا تھا وہ یقیناً میرا بھائی عمیر جس نے راکھ کی لال رومال نما گٹھڑی تھام رکھی تھی۔ میں اندھا دھند کیکر اور دھر کے گھنے جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل بہت تاریک تھا۔ عام حالات میں اس کے اندر داخل ہونے کا تصور ہی میرے لئے محال تھا لیکن اس وقت میرے سر پر ایک لگن ایک مقصد سوار تھا۔ میں نے عمیر کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اچانک سامنے روشنی سی ٹمٹماتی ہوئی نظر آئی۔ میں ٹھٹکا لیکن رکا نہیں اور بالآخر دوڑتے دوڑتے کے قریب پہنچا وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ ٹمٹماتی ہوئی روشنی اس کے اندر سے آ تھی۔ اس بیابان اور تاریک گھنے جنگل میں اس جھونپڑی کو دیکھ کر حیرت تو ہوئی..... پھر میں نے آگے قدم بڑھائے تو اچانک جیسے اندر سے کسی نے دیکھ لیا تھا کیونکہ میں نے ایک قدم بڑھایا ہی تھا کہ معاً جھونپڑی سے آواز ابھری۔

”کون ہے..... اندر آؤ..... شاید میں تمہاری مدد کروں۔“ مجھے حیرت ہوا

جانے کیوں یہ آواز مجھے شناسا سی محسوس ہو رہی تھی۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ جھونپڑی کی طرف بڑھا پھر مرتعش ہاتھ سے دروازے پر جھولتا بوسیدہ ٹاٹ پرے ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے فرش پر ایک بوڑھے شخص کو دیکھ کر مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ یہ وہی پیلی آنکھوں والا کبڑا ضعیف تھا جسے میں نے غار کے باہر دیکھا تھا اور اسی کے ایماء پر میں عمیر کو ڈھونڈنے کیلئے یہاں تک پہنچا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اتنی جلدی یہاں کیسے آ دھمکا۔ ”بابا تم یہاں..... اتنی جلدی کیسے پہنچے؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

وہ اپنی یرقان زدہ پراسرار آنکھوں سے بغور میرے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”ہم تو صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔“ اس کے اسرار بھرے لہجے پر مجھے بے اختیار جھرجھری سی آ گئی۔

”ڈرو نہیں..... یہاں بیٹھ جاؤ۔“ وہ ہاتھ کے اشارے سے بولا۔ وہ خود بھی جھونپڑی کے کچے فرش پر بیٹھا تھا۔ میں نے جلدی سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں..... بابا..... میں یہاں نہیں بیٹھ سکتا' مجھے اپنے بھائی کو ڈھونڈنا ہے ہر قیمت پر۔“

میری بات سن کر وہ اسرار بھرے لہجے میں بولا۔ ”اوئے..... اب تو اپنے بھائی کو کبھی تلاش نہیں کر سکے گا۔“

میں ہونقوں کی طرح اس کا چہرہ تکنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”اس نے جو کام کرنا ہے وہ اسے کرنے دے..... کیوں اس کا راستہ کھوٹا کرتا ہے؟“ اس کبڑے نے مجھ سے ذرا سخت لہجے میں کہا تو میری آنکھیں پھیل گئیں۔ گویا وہ میرے عزائم سے بھی واقف تھا۔

میں نے بہ غور اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑتے ہوئے پرتشکیک لہجے میں کہا۔ ”بابا..... تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرا بھائی کونسا کام کرنے جا رہا ہے؟“

میرے استفسار پر کبڑے کے جھریوں بھرے چہرے پر پراسرار سی مسکراہٹ پھیلی تو جانے کیوں مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ایک عجیب سی سرسراہٹ ہوتی محسوس ہوئی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہمیں کیا معلوم نہیں..... ہم سب جانتے ہیں..... تم اس کو کیوں ڈھو
پھر رہے ہو..... لیکن میری بات غور سے سن..... اس کے آڑے آنے کی کوشش م
اسے وہ کام کرنے دے جو اس نے کرنا ہے۔"

میں اس کی بات سن کر دھک سے رہ گیا۔ پہلے تو مجھے یہ کوئی پہنچا ہوا بزر
تھا لیکن جب اس کا عقدہ کھلا تو مجھے اس سے سخت نفرت محسوس ہوئی بلکہ مجھے یہ بھ
مردہ کالی گاپ کا ہی ساتھی لگا۔ بہرطور میں نے بلاخوف لہجے میں اس سے کہا۔
بھائی ایک غلط کام کرنے جا رہا ہے میں اسے ضرور روکوں گا..... تو نے مجھے راستے
بھٹکا کر اچھا نہیں کیا میں چلا۔" یہ کہہ کر میں واپس پلٹا۔

میرے عقب میں اس پیلی آنکھوں والے کبڑے کے مکروہ قہقہے تھا
کرتے محسوس ہوئے۔ میں جیسے ہی جھونپڑی سے باہر نکلا اچانک جھونپڑی کے اندر
مجھے شیر کی دھاڑ سنائی دی۔ میں ایک لمحے کو کانپ اٹھا۔ میرے قدم جیسے زمین نے
لئے۔ میری دم بخود نظریں جھونپڑی کے دروازے پر جھولتے ٹاٹ پر جم سی گئیں تب
دوسرے ہی لمحے ایک شیر کو میں نے جھونپڑی کی دیوار چیرتے ہوئے اپنے سا
جست بھرتے دیکھا۔ وہ اب میرے بالکل قریب آ کر اپنی سرخ سرخ آنکھوں
گھورتے ہوئے یوں غرا رہا تھا جیسے پلک جھپکتے میں وہ مجھ پر چھلانگ لگا دے گا۔

میں ایک لمحے کو اس کے خطرناک تیور بھانپ کر دہشت زدہ ہو گیا مگر
دوسرے ہی لمحے مجھے پیر صاحب کی نصیحت یاد آ گئی کہ کالی گاپ کی روح شعبدہ دکھا
خوف زدہ تو کر سکتی ہے مگر نقصان پہنچانے کی سکت نہیں رکھتی۔ یقیناً یہ بھی اسی
کارستانی ہو گی۔ یہ خیال آتے ہی میرا خوف ذرا کم ہوا اور میں الٹے پیروں پیچھے
لگا۔ شیر نے بھی دھیرے دھیرے جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھنا شروع کر د
میں نے دوڑ لگا دی۔ شیر بھی غراتا دھاڑتا ہوا میرے پیچھے دوڑنے لگا۔ مگر میں رکا نہ
اور پوری طاقت سے دوڑتا رہا۔ شیر بھی بدستور میرے تعاقب میں دوڑا چلا آ رہا تھا۔
وہ چاہتا تو آن کی آن میں مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیتا مگر جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ
مجھے محض خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے مجھے اب اس کی طرف سے حملہ نہ کرنے
تسلی ہوتے ہی میں بھی بے خوفی سے دوڑتا چلا گیا۔

اچانک شیر کے دھاڑنے کی آواز معدوم ہو گئی میں نے رک کر عقب میں
دیکھا شیر غائب ہو چکا تھا۔ میں نے دوبارہ دوڑ لگا دی۔ دفعتاً سامنے مجھے کسی انسان کا
ہیولا دکھائی دیا۔ میں جیسے ہی اس کے قریب پہنچا تو بے اختیار میرے حلق سے دہشت
زدہ سی چیخ نکل گئی۔ وہ ایک سر کٹا انسان تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے
ہاتھ میں ترشول تھا۔ وہ ایک چھ فٹ کا چوڑے کاندھوں والا سربریدہ انسان تھا جس کے
کاندھوں سے سر غائب تھا۔ پھر جیسے ایک غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "اوئے مورکھ.....
کیوں ہمارا راستہ کھوٹا کرتا ہے..... باز آ جا..... ورنہ تیرا جیون نشٹ کر دیا جائے گا۔"

میں نے دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ وہ سر کٹا
انسان پیچھے سرکنے لگا۔ میں نے دوسری طرف دوڑ لگا دی۔ دفعتاً میرا پاؤں رپٹا اور میں
دھڑام سے منہ کے بل گرا۔ میرا سر کسی ٹھوس کٹے ہوئے درخت کے تنے سے ٹکرایا تھا
کہ میرے حلق سے اذیت ناک چیخ خارج ہو گئی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

جب ہوش آیا تو پورا جنگل پرندوں کی چہچہاہٹ سے گونج رہا تھا۔ میں جلدی
سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے چکر سا آ گیا۔ مجھے اپنی پیشانی پر ٹیس سی اٹھتی محسوس ہوئی۔ میں
نے ہاتھ لگا کر زخمی پیشانی کو چھوا۔ خون جم کر پپڑی کی صورت میں جم چکا تھا۔ میں نے
اس معمولی زخم کی پروا نہ کی اور گھر کی طرف چل پڑا۔

صبح کاذب کی روشنی پھیلنے لگی تھی میں سیدھا گھر پہنچا تو مجھے حیرت کا ایک
شدید جھٹکا لگا۔

☆.....☆.....☆

گھر میں میرے اماں' ابا اور چھوٹی بہن بشریٰ موجود تھی اور میرا چھوٹا بھائی
عمیر بیلچہ تھامے زمین کی مٹی برابر کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر غصے سے میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔
میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ وہ بھونچکا سا ہو گیا جیسے کچھ
ہوا ہی نہ ہو۔ میرے اماں ابا بھی حیرت سے مجھے تکنے لگے۔

"بول..... کمینے..... تو نے ایسا کیوں کیا..... بتا..... وہ راکھ کہاں ہے؟
بول..... ورنہ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے غصے سے چراغ پا ہو کر اسے جھٹکے
دیئے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ..... وہ اپنی آنکھوں میں حیرت سمیٹے مجھے تکتے ہوئے پریشانی سے بولا۔

''بھیا..... کیا ہو گیا ہے..... آپ کو..... میں نے کیا کیا ہے..... کیسی راکھ؟''

اس کے سفید جھوٹ پر میں مزید بھنا کر رہ گیا اور اس سے پہلے کہ میں اس سے سختی کے ساتھ نمٹتا..... ابا فوراً ہمارے بیچ میں آ گئے۔

وہ مجھے اس سے الگ کر کے بولے۔ ''وقار پتر! یہ تیرے کو کیا ہو گیا ہے؟ کیوں اپنے بھائی کی جان کا بیری ہو گیا ہے تو؟''

''ابا..... یہ..... یہ..... اس شیطان کا آلہ کار بن چکا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے ابا کو وہیں کھڑے کھڑے رات کی ساری کتھا سنا دی اور غصیلی نظروں سے قریب کھڑے حیران و پریشان عمیر کے چہرے کو گھورنے لگا مگر وہ یوں انجان بنا کھڑا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ابا میری بات سننے کے بعد مجھ سے بولے۔ ''پتر! تو نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہو گا۔ ہم تو غلام علی کے گھر میں تھے کہ پتر عمیر ہمیں لینے آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ تم دونوں جب تہہ خانے سے اپنا کام نمٹا کر باہر نکلے تو وہیں صحن پر پڑ کر سو رہے تھے۔ پھر صبح جب پتر عمیر کی آنکھ کھلی تو تو غائب تھا۔ یہ بے چارہ پریشان دوڑا دوڑا ہمیں بلانے آ گیا۔''

میں سمجھ گیا تھا کہ یہ پٹی بھی عمیر کی پڑھائی ہوئی تھی۔ میں نے ایک بار پھر زہر خند نظروں سے عمیر کی طرف گھورتے ہوئے ابا سے کہا۔ ''ابا یہ جھوٹ بول رہا ہے..... میری بات کا یقین کرو..... میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے۔ آپ ایک طرف ہٹ جائیں ذرا..... میں اس سے پوچھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں چند قدم عمیر کی طرف بڑھا پھر اس کے چہرے پر نظر گاڑھتے ہوئے بولا۔

''عمیر! تم ابا' اماں کو تو بے وقوف بنا سکتے ہو لیکن مجھے نہیں..... کیونکہ میں تمہاری حقیقت سے واقف ہوں۔ دیکھ میرے اچھے بھائی! تو جو کرنے چلا ہے..... وہ نہ کر..... اب بھی تیرے پاس وقت ہے۔ بدی کی طرف جانے والے سارے راستے تباہ اور ذلیل و خوار کر کے رکھ دیتے ہیں..... تو ان راستوں کا خود کو مسافر نہ بنا..... ورنہ..... ورنہ تیرا انجام بہت بھیانک ہو گا۔ میری بات مان لے..... اس خبیث شیطان کے مردہ وجود کی راکھ میرے حوالے کر دے۔'' میں نے اسے آخری بار پیار اور نرمی

سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ابا' اماں اور بہن بشریٰ حیران و پریشان کھڑے ہم دونوں کے منہ تکے جا رہے تھے۔ میں نے دیکھا عمیر کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

پھر وہ متانت سے اٹل لہجے میں بولا۔ ''بھائی! آپ تو میرے خواہ مخواہ ہی دشمن بن گئے ہیں..... مجھے تو آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں تو کسی شیطان کا آلہ کار نہیں بنا ہوں۔ اگر ایسا کوئی خبیث شیطان آپ نے خواب میں دیکھا ہے تو اسے یہاں لے آئیں..... میں خود سب سے پہلے اس کا گلا دبوچ کر اسے مار ڈالوں گا۔''

عمیر کے مکارانہ جھوٹ پر ایک بار پھر میں ہتھے سے اکھڑ گیا اور پھر اس سے پہلے کہ میں اسے دوبارہ رگیدنے کی کوشش کرتا..... اچانک ابا نے آگے بڑھ کر میرا راستہ روک لیا اور پہلی بار وہ ذرا سخت لہجے میں مجھ سے بولے۔ ''وقار..... اپنے غصے پر قابو رکھو..... یہ مت بھولو کہ گھر میں اس وقت تمہارا باپ بھی موجود ہے۔ اس طرح تم دونوں آپس میں لڑو گے تو لوگ کیا کہیں گے۔ بھائی قدیر نے اپنے بیٹوں کی یہ تربیت کی ہے اور پھر لوگ بھی ہمارے دشمن بن جائیں گے۔''

''ابا..... میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں..... میں نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے..... اور یہ کہ عمیر جھوٹ بول رہا ہے۔'' میں نے دکھ زدہ سے لہجے میں ابا سے کہا۔ ''آپ کو اگر میری بات کا یقین نہیں آتا تو چلیں ابھی..... پیر صاحب کے پاس..... انہوں نے ہی تو سب سے پہلے شہر سے اپنا ایک خادم بھیج کر مجھے بلایا تھا اور عمیر کے کالے کرتوتوں کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ ایک شیطان کی بدروح کا آلہ کار بن چکا ہے۔''

میری بات سن کر اب ابا بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ میں نے دیکھا پیر صاحب کے نام پر عمیر کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

''ابا..... آپ خود سوچیں..... عمیر میرا بھائی ہے۔ میں اس کا دشمن کیسے بن سکتا ہوں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ برے کام سے باز آ جائے۔''

اس بار اماں نے عمیر کے قریب آ کر روہانسے لہجے میں اس سے کہا۔ ''میرے لعل..... سچ کیا ہے بتا دے..... پتر وقار تیرا بڑا بھائی ہے..... وہ ضرور تیرا بھلا چاہے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

"اماں..... ایسی کوئی بات ہو تو میں بتاؤں ناں..... بھائی جان کو میری طرف سے غلط فہمی ہوئی ہے۔"

عمیر پر کسی کی نصیحت کا ذرہ برابر اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ابھی تک اپنی ہٹ پر قائم تھا۔ تب پھر ابا نے بھی عمیر کو گھورتے ہوئے ذرا سختی سے کہا۔

"عمیر..... اگر تو جھوٹا نکلا تو..... یاد رکھنا میں بہت بری طرح تم سے نمٹوں گا۔"

"ابا..... آپ بھی مجھے ایسا سمجھ رہے ہیں۔" عمیر نے روہانسے لہجے میں کہا پھر وہ باقاعدہ رونے لگا۔ اماں اور بشریٰ بہن اسے دلاسا دینے لگے۔ ابا بے چارے پریشانی کے عالم میں اپنے ماتھے پر ہتھیلی رگڑنے لگے۔ بالآخر یہی فیصلہ ہوا کہ میں اور ابا عمیر کو ساتھ لے کر پیر صاحب کے سامنے حاضر ہوں گے..... وہی اب اس مسئلے کا صحیح طور پر فیصلہ کر سکتے تھے۔

چنانچہ..... ہم سب خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

جب اچھی طرح دن نکل آیا تو میں اور ابا عمیر کے ساتھ پیر صاحب کے ہاں جانے کیلئے تیار ہوئے۔ میں کن انکھیوں سے عمیر کے چہرے کا بھی گاہے بہ گاہے جائزہ لے رہا تھا۔ وہ خاصا پریشان اور متفکر نظر آ رہا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ پیر صاحب کے سامنے جانے سے کترا رہا تھا۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے نظر پڑتے ہی میں بری طرح ٹھٹک گیا۔

☆.....☆.....☆

سامنے پیر صاحب کھڑے تھے۔ میں ہکا بکا سا رہ گیا۔ "آپ..... پپ..... پیر صاحب..... آ..... آپ..... آیئے..... آیئے اندر تشریف لائیں۔"

میں نے فوراً عقیدت و احترام کے ساتھ کہا اور راستہ دیا۔ وہ اندر آ گئے۔

مجھے ان کی یوں اچانک اور تنہا آمد پر حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی۔ سوچا اچھا ہوا کہ پیر صاحب خود ہی آ گئے' اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

سب نے بڑے احترام کے ساتھ انہیں سلام کیا پھر جلدی سے چارپائی پر نئی چادر اور تکیہ رکھ دیا گیا۔ پیر صاحب چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بڑے غور سے قریب کھڑے عمیر کا چہرہ دیکھے جا رہے تھے اور عمیر بھی ان کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہ اچھا ہوا کہ آپ خود ہی یہاں تشریف لے آئے..... اب آپ سے کیا کہیں' آپ تو اللہ والے ہیں' ہم بڑی پریشانی سے دو چار ہیں' آپ ہی اس کا حل ڈھونڈیں۔" ابا نے نہایت احترام سے اپنی پریشانی بتائی۔

پیر الٰہی بخش پروقار لہجے میں بولے۔ "ہاں..... یہ مسئلہ ہی ایسا تھا کہ مجھے خود آنا پڑا۔ مجھے رات خواب میں پیر بٹالی شاہ نے بتا دیا تھا کہ یہاں کیا معاملہ ہے۔"

"اب آپ ہی کچھ کریں۔" میں نے کہا اور انہیں ساری تفصیل سنا ڈالی۔

انہوں نے ساری بات سننے کے بعد عمیر پر ایک نظر ڈالی پھر بولے۔ "یہ سچ ہے کہ عمیر ایک بدروح کے کہنے پر عمل کرنے لگا تھا مگر ہماری اور پتر وقار کی بروقت مداخلت کی وجہ سے عمیر راہ راست پر آ گیا لیکن رات والا واقعہ کالی گاپ کی بدروح کی وجہ سے ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ میری طرف دیکھ کر بولے۔ "پتر وقار..... تجھے غلط فہمی ہوئی ہے' تیرا بھائی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عمیر بے قصور ہے۔"

میں حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگا۔

"ہاں پتر..... یہ سچ ہے کہ تو نے اس شیطان کے مردہ وجود کی راکھ حاصل کر لی تھی مگر عین وقت پر اس کی بدروح تمہارے چھوٹے بھائی عمیر کا بہروپ بھر کر راکھ لے اڑی۔"

"مگر آپ نے ہی تو کہا تھا کہ کالی گاپ کی بدروح میں اب اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ اپنے ہی مردہ وجود کی راکھ کو لے اڑے؟" میں نے الجھ کر پوچھا۔

وہ دھیرے سے مسکرا کر بولے۔ "ہاں..... وہ مختلف بہروپ تو بھر سکتا ہے مگر کسی ٹھوس شے کو چھونے یا ہاتھ لگانے کی اس بدروح میں طاقت نہیں ہے' تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ عمیر تمہارے سمجھانے بجھانے پر راہ راست پر آ گیا تھا چنانچہ اس کی خبر کالی گاپ کی بدروح کو ہو گئی۔ اس نے نیا چلتر چلا' عمیر سے مایوس ہونے کے بعد اس نے شاہد پرچون والے کے بیٹے قاسم کو ورغلایا اور پھر اسے عمیر کا بہروپ دے کر تمہارے ساتھ کر دیا اور تم قاسم پر اپنے بھائی عمیر کا دھوکا کھا گئے۔" پیر الٰہی بخش نے کہا۔

میں نادم ہو گیا۔ پھر بے اختیار آگے بڑھ کر میں نے عمیر کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ "میرے بھائی مجھے معاف کر دینا۔"

"نہیں بھائی جان..... اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں' مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

اماں' ابا بھی خوش ہو گئے مگر میں عمیر سے جلدی سے الگ ہوتے ہوئے تفکر آمیز لہجے میں مخاطب ہو کر بولا۔ "پیر صاحب اس کا مطلب ہے کہ اب کالی گاپ کے مردہ وجود کی راکھ قاسم کے پاس ہو گی؟"

"ہو گی نہیں پتر..... یقیناً اسی کے پاس ہے۔" پیر الٰہی بخش نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "قاسم ناہنجار کالی گاپ کی بدروح کے ورغلانے میں آ گیا ہے' اس سے پہلے کہ قاسم راماسی کے مندر کی طرف روانہ ہو جائے تم اس سے وہ راکھ چھین کر جلد از جلد اسے دریا برد کر دو۔"

"ٹھیک ہے پیر صاحب..... میں اسی وقت قاسم کو جا کر پکڑتا ہوں۔" میں

نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"اس طرح نہیں..... اس سے چالاکی کے ساتھ نمٹنا ہو گا۔ یوں جوش میں خواہ مخواہ کا جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔" پیر الٰہی بخش بولے۔ "اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کس طرح چالاکی سے اس سے اگلواتے ہو' میں اب چلوں۔" یہ کہہ کر پیر الٰہی بخش واپس چلے گئے۔ میں نے دیکھا عمیر بھی ان کے پیچھے گھر سے خاموشی کے ساتھ نکل گیا' میں اب عجیب مخمصے کا شکار ہو گیا تھا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور قاسم سے کس طرح چالاکی کے ساتھ اگلواؤں' عمیر تو میرا چھوٹا بھائی تھا مگر قاسم سے میرا کوئی رشتہ نہ تھا۔ میں اس سے زبردستی کرتا بھی تو کس برتے پر.....؟ بالآخر اچانک میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں گھر سے نکلا اور سیدھا شاہد چاچا کی دکان پر پہنچا وہاں اتفاق سے قاسم موجود تھا۔ میں اپنے جوش کو دبا کر اسے دیکھتے ہی مسکرایا۔ جواباً نے بھی مسکرا کر مجھے سلام کیا اور دوستانہ لہجے میں بولا۔ "آیئے بھائی جان! کیا چاہیے؟"

میں نے جی کڑا کر کے اس سے ہاتھ ملایا۔ پھر اس کے ساتھ ہی گدی پر بیٹھ گیا اور مسکرا کر بولا۔

"قاسم..... مجھے کچھ نہیں چاہیے بس تیرے سے ایک بات کرنا تھی ضروری....."

"ہاں..... ہاں..... بھاجن..... بولیں' میں سن رہا ہوں۔" وہ اخلاقاً مسکراتے ہوئے بولا۔

"پہلے وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔"

وہ میرے معنی خیز لہجے پر چونک کر بولا۔ "خیریت تو ہے بھاجن.....؟ کیا بات ہے' میں کسی سے نہیں کہوں گا۔"

میں نے بغور اس کے چہرے کا بھانپتی نظروں سے جائزہ لیا اور دھیمے لہجے میں بولا۔ "قاسم..... میں نے تجھے ایک روح سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

میں اسے اوپر سے پکڑنا چاہتا تھا' میں اس پر یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں اس کے اور کالی گاپ کی بدروح کے گٹھ جوڑ سے واقف ہو چکا ہوں نیز راکھ کی پوٹلی کی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حقیقت سے بھی واقف ہوں جو بقول پیر الٰہی بخش کے اس کے پاس محفوظ تھی۔ چنانچہ اب میں یہ چاہتا تھا کہ قاسم پر اپنی دھاک بٹھا کر اس سے دوستی کروں اور اس کا ہم خیال بن کر اس کے ساتھ راماسی کے مندر جانے کیلئے اس کا ساتھ دوں پھر موقع پاتے ہی راکھ کی پوٹلی اس سے چھین کر دریا برد کر دوں لیکن میں نے دیکھا۔

میری بات سن کر پہلے تو قاسم کا منہ حیرت سے کھلا' اس کے بعد اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''بھاجن..... آپ نے بھی اچھی کہی' بھلا میں کوئی سفلی علم جانتا ہوں' اچھا مذاق کیا ہے آپ نے۔''

اس کی بات سن کر مجھے خفت سی محسوس ہوئی تاہم میں نے یہی سمجھا کہ وہ بن رہا ہے۔ میں پھر بولا۔ ''یار..... اب تو تخول نہ کر' میں تیرا راز دار بننا چاہتا ہوں اور تیری مدد بھی کروں گا' تو نے راکھ کی پوٹلی سنبھال لی ہے' یہ اچھا کیا' چل میں بھی تیرے ساتھ راماسی کے مندر چلنے کیلئے تیار ہوں' ایک سے دو گیارہ بھلے۔''

''راکھ کی پوٹلی.....؟ راماسی کا مندر.....؟'' وہ الجھ کر بڑبڑایا۔ وہ مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے اسے میری دماغی حالت پر شبہ ہو۔ ''بھاجن..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا' میرے ابا جی نے یہ روحوں والی آسیب زدہ باتیں سن لیں تو مجھے ٹھیک ٹھاک جھاڑ پڑ جائے گی..... چلیں میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔'' وہ اپنے تئیں اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

اگر پیر الٰہی بخش نے قاسم کی نشاندہی نہ کی ہوتی تو میں واقعی قاسم کے جھانسے میں آ جاتا مگر ان کی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا مجھے قاسم کی مکاری پر غصہ تو آیا مگر میں ضبط سے کام لے کر بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اسے پہلے ہی میری باتوں سے میری دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا' اب جو اس نے مجھے اس طرح گھورتے ہوئے پایا تو وہ گھبرا گیا۔

میں نے کہا۔ ''اب زیادہ نہ بن مجھے اپنے ساتھ ملا لے' دیکھ تیری طرح میری بھی یہ خواہش ہے کہ میں کسی بڑے جادوگر کا دوست بن جاؤں پھر اپنی مرضی سے جو چاہوں اس سے کام کرواؤں۔''

اب قاسم کی حالت غیر ہو گئی' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر مسکین صورت بنا کر بولا۔

''بھاجن..... خدا کیلئے آپ چلے جائیں یہاں سے' میرے ابا جی آ گئے تو وہ مجھے الٹا لٹکا دیں گے' پہلے ہی سارے گاؤں والے آسیب سے تنگ آئے ہوئے ہیں' کہیں وہ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ اس میں میرا ہی ہاتھ ہے۔''

مجھے اس کی چالاکی پر بے انتہا غصہ آیا۔ جب اس نے سیدھے طریقے سے منہ نہ کھولا تو میں نے گھی کو ٹیڑھی انگلیوں سے نکالنے کا سوچا۔ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''تو تو ایسے نہیں مانے گا۔'' میرے جارحانہ تیور دیکھ کر اسے جیسے پورا یقین ہو گیا کہ وہ میرے بارے میں جو سمجھ رہا تھا' وہ بالکل درست ہے' اس نے بھی دو قدم پیچھے ہٹ کر اپنی آستینیں چڑھا لیں۔

میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''دیکھ قاسم..... تو جو کرنے جا رہا ہے وہ اچھا نہیں' تو اپنے مفاد کی خاطر پوری انسانیت کو خطرے میں ڈال رہا ہے' تو ایک مردہ شیطان کو زندہ کر کے بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ میں تجھے کسی قیمت پر یہ گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ شرافت سے وہ راکھ میرے حوالے کر دے' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔''

میرے جارحانہ تیور دیکھ کر وہ پہلے ہی اپنی آستینیں چڑھا چکا تھا' اب جو مجھے یہ کہتے سنا تو مجھ سے پہلے ہی اس نے مجھ پر حملہ کر دیا اور مجھے زور کا دھکا دیا' میں دکان کے اونچے تھڑے سے نیچے آ رہا۔ اب تو میرا طیش آسمان کو چھونے لگا۔ میں بھنا کر اٹھا اور پھر ہم دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ آس پاس کے لوگوں نے بیچ میں پڑ کر ہمیں چھڑایا' غصے اور جوش میں مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ یہ بات مجھے خفیہ رکھنا تھی۔ یہ میری ایک بہت خطرناک غلطی ثابت ہوئی۔ ہمارے گاؤں سے تھانہ خاصا دور تھا۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے مسائل پنچایت حل کرتی تھی۔ چودھری بشیر احمد سرپنچ تھے' غلطی میری تھی کیونکہ میں نے ہی قاسم کی دکان پر جا کر اس کے ساتھ مار پیٹ کی تھی اس لئے سزاوار بھی مجھے ہی ٹھہرایا گیا لیکن جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ کالی گاپ کی بدروح مختلف خوفناک شعبدے دکھا کر پورے گاؤں کو خوف زدہ کرنا چاہتی تھی تاکہ گاؤں کے لوگ یہ گاؤں خالی کر دیں' لوگ پہلے ہی ان آسیبی واقعات سے تنگ آئے ہوئے تھے' جب قاسم نے کھلی پنچایت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں مجھ پر الزام لگایا کہ میں اس بدروح سے دوستی کا خواہاں ہوں اور یہ میں اسے بھی اس بدروح سے دوستی پر آمادہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا تو لہٰذا پورے گاؤں میں میرے خلاف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ میں نے بھی ساری بات سنا ڈالی کہ مجھے پیر الٰہی بخش نے کہا تھا کہ قاسم اس مردود شیطان کالی گاپ کے مردہ وجود کی راکھ راماسی کے مندر میں گاتریا کے حوالے کرنا چاہتا ہے تاکہ کالی گاپ دوبارہ زندہ ہو کر بنی نوع انسان کو ستانے لگے۔

پیر الٰہی بخش خود ہی پنچایت میں حاضر ہو گئے اور انہوں نے اس بات سے صاف انکار کر دیا کہ انہوں نے مجھ سے قاسم کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی تھی بلکہ وہ تو آج تک کسی کے گھر پر بھی نہیں گئے' نہ ہی گاؤں کے کسی اور شخص نے آج تک انہیں کسی کے ہاں جاتے دیکھا تھا۔ اس کی شہادت گاؤں کے دیگر لوگوں نے بھی دی بلکہ انہوں نے صاف صاف یہ کہہ دیا کہ میرا چھوٹا بھائی عمیر اس گھناؤنے کھیل میں شامل ہے جس نے بعد میں مجھے بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اب تو پورے گاؤں میں ہم دونوں بھائیوں کے خلاف نفرت کا زہر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ وہ لوگ مشتعل ہو گئے اور بھری چوپال میں ہم دونوں بھائیوں کے خلاف نعرے بلند کرنے لگے۔

"یہ دونوں بھائی شیطان کے شتونگڑے ہیں' انہیں سرعام پھانسی پر لٹکایا جائے تاکہ پھر کسی کو کالا علم سیکھنے کی جرات نہ ہو سکے..... دونوں کو مار دو..... مار دو..... مار دو....."

غرض پورے گاؤں میں شور مچ گیا۔

ادھر میری حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں' احساس ذلت' شرم ساری اور انتہائے دکھ کے مارے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' سب سے زیادہ دکھ مجھے پیر الٰہی بخش کی باتوں سے ہوا تھا' انہیں بھی میری طرف سے شدید غلط فہمی ہو گئی تھی' وہ بھی انسان تھے' غلطی ان سے بھی ہو سکتی تھی مگر میں یہ سوچ رہا تھا کہ پیر الٰہی بخش بہرحال جھوٹ نہیں بول سکتے' پھر اس دن صبح سویرے وہ کون تھا جو ان کے بھیس میں ہمارے گھر آیا تھا اور تب پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ کالی گاپ کی بدروح کی تو کارستانی نہ

تھی جو پیر الٰہی بخش کا روپ بھر کر مجھے غلط راہ پر ڈال گیا تھا کیونکہ کالی گاپ کی روح میں بہرحال جادوئی شعبدے دکھانے کی سکت تھی۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا اور بری طرح پچھتانے لگا کہ کاش میں اس وقت قاسم سے بھڑنے کے بجائے کم از کم پیر صاحب کے حجرے میں جا کر ان سے تصدیق کر لیتا کہ آیا وہی آئے تھے یا ان کے بھیس میں کوئی اور تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا چڑیا کھیت چگ چکی تھی پھر میں نے سوچا کہ اس کا مطلب تھا میرا بھائی عمیر ہی اصل مجرم تھا اور کالی گاپ نے اس روز صبح کو آ کر میرا اس کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

بہرطور یہ پیر الٰہی بخش کی مہربانی تھی کہ انہوں نے پنچایت سے مجھے معاف کرنے کی سفارش کی۔ میرے پاس سردست معافی تلافی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا' اس طرح کم از کم میں اور عمیر سزا سے تو بچ سکتے تھے البتہ مجھے معافی مانگتے ہوئے دکھ بھی ہو رہا تھا کیونکہ میں بے قصور تھا اور میرے معافی مانگنے کا مطلب تھا کہ میں مجرم تھا لیکن میرے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ تھا' اب تو گاؤں کے مشتعل لوگ ہمیں گاؤں سے نکالنے کا مطالبہ کرنے لگے تھے۔

میں گھر پہنچا تو ابا کا سر شرم سے جھکا ہوا تھا۔ میں اندر سے کٹ کر رہ گیا' مجھ میں ان سے نظریں ملانے کی تاب نہ تھی۔ میں ان کی کیسی ناہنجار اولاد تھا' بیٹے تو اپنے باپ کا نام روشن کرنے اور ان کا سر فخر سے بلند کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ میں ان کا کیسا بدنصیب بیٹا تھا کہ ان کی پورے گاؤں میں بنی بنائی عزت میری وجہ سے مٹی میں مل گئی تھی۔

"ابا..... میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں بالکل بے قصور ہوں۔" میں نے اپنی آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں کو بمشکل پیتے ہوئے کہا مگر وہ اسی طرح ہی کھری چارپائی پر پاؤں لٹکائے اور سر جھکائے بیٹھے رہے۔

ان کی خاموشی پر میرا دل مزید بھر آیا' دکھ اور احساس ندامت کی ٹیس سی میرے وجود میں اترتی چلی گئی۔ میں نے کپکپاتے ہاتھوں سے ان کے کاندھوں کو تھاما کہ وہ بے جان سے ہو کر چارپائی پر لڑھک گئے۔ میں دہل گیا۔ "ابا..... ابا جان..... ابا جی....." میں انہیں پکارتا رہ گیا لیکن وہ تو بہت دور جا چکے تھے۔ جہاں سے آج تک کوئی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جا کر واپس نہیں لوٹا۔ وہ شخص جس نے آج تک اپنی عزت پر ذرا سا دھبا بھی برداشت نہ کیا تھا اور عزت کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا' ایسا شخص بھلا کیسے بے عزتی کے اتنے بڑے داغ کو سہنے کا حوصلہ رکھتا' یہ داغ ان کی موت نے دھو دیا' وہ عزت کیلئے جیے عزت کیلئے ہی مر گئے۔

گھر میں صف ماتم بچھ گئی مگر اس صف ماتم پر میرے' عمیر' اماں اور بشریٰ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ گاؤں والوں نے جیسے ہم سے بالکل ہی ناتا توڑ لیا تھا۔ کوئی ہمیں تسلی کے دو بول بھی کہنے نہیں آیا تھا۔ یہ بے حسی کی انتہا تھی' کچھ بھی تھا' خوشی غمی میں تو شریک ہونا اخلاقی فرض ہوتا ہے۔ چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہو مگر کوئی نہ آیا۔ ابا کے انتقال کے بعد ہمیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہمارے گھر کی دیوار کے ساتھ ایستادہ نیم کا سایہ دار گھنا پیڑ کٹ کر گر گیا ہے۔ اب اس کی ٹھنڈی چھایا سے ہم محروم ہو چکے تھے۔

اماں نے رو رو کر برا حال کر رکھا تھا۔ ماں' بیٹی نے ابا کی کمی کو زیادہ محسوس کیا تھا۔

"دیکھ لیا نا بھیا..... آپ کو بڑا ناز تھا گاؤں والوں پر' آپ ان کی مدد کرنا چاہتے تھے نا' دیکھ لو اب ہم خود ان کے رحم و کرم پر ہو گئے ہیں۔" عمیر نے جیسے اپنے دل کا غبار نکالا۔

"یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ نہ تم اس شیطان کے پیچھے لگتے اور نہ آج ہمیں یہ دن دیکھنے پڑتے۔" میں نے اسے گھور کر درشت لہجے میں کہا۔

"یہ میری وجہ سے نہیں آپ کی وجہ سے ہوا ہے بھائی جان....."

ابا کے مرنے کے بعد عمیر کے اندر دلیری اتر آئی۔ اب وہ اپنے بڑے بھائی پر آنکھیں نکالنے لگا تھا۔

"نہ آپ گرمی دکھاتے اور نہ قاسم کو بے گناہ مار پیٹ کرتے تو یہ دن آج ہمیں نہیں دیکھنا پڑتے' بڑا درد تھا نا گاؤں والوں کا آپ کے دل میں....."

"بس کرو چپ ہو جاؤ۔" اچانک ہماری چھوٹی بہن بشریٰ ہم بھائیوں کے بیچ میں آ گئی اور روتے ہوئے بولی۔ "ابا کو فوت ہوئے ایک دن بھی نہیں گزرا اور تم دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن چکے ہو۔ اماں کی خبر لو' وہ بے چاری زندہ لاش بن کر

رہ گئی ہیں۔"

واقعی یہ درست تھا' ابا کے مرنے کے بعد اماں جیسے سکتے کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی۔

وقت بڑے بڑے زخم بھر دیتا ہے۔ بعض زخم ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے مرہم کی تہہ سے بار بار ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ غموں اور دکھوں کی جب ہم راہی مقدر بن جائے تو ایسے بدنصیب انسان کے زخم ہرے ہی رہتے ہیں۔

گاؤں والوں نے ہم سے بات کرنا تو کجا دیکھنا تک چھوڑ دیا تھا۔ وہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے تھے۔ ہمیں لوگوں کی تضحیک کا نشانہ بننا پڑ رہا تھا۔ اکثر اوقات تو شرارتی لڑکوں کا ٹولہ گھر کے قریب سے گزرتا تو زور دار نعرے لگاتا۔ ان شیطان کے شتونگڑوں کو گاؤں سے نکالو اور پھر ہمارے مکان کے اندر پتھروں کی بارش شروع ہو جاتی۔ ایک پتھر میری ماں کی پیشانی پر لگا' ان کی پیشانی پھٹ گئی۔ اس سے پہلے کہ میں باہر نکل کر اس شرارتی ٹولے سے نمٹتا عمیر مجھ سے پہلے غصے میں بھنایا ہوا باہر نکلا تو میں بھی اس کے عقب میں نکل کھڑا ہوا۔ ہماری چھوٹی بہن بشریٰ ہم دونوں بھائیوں کو روکتی رہ گئی۔

شرارتی لڑکوں کا ٹولہ ہمارے گھر کے اندر سنگ باری کرنے کے بعد جا چکا تھا۔ عمیر نے درانتی اٹھا رکھی تھی اور ان کے تعاقب میں جانا چاہ رہا تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔ وہ مجھے نفرت سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سارا کچھ میری جذبات انگیزی سے ہوا ہے۔ عمیر مجھ سے نفرت کرنے لگا تھا' میں نے اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ ابا کے مرنے کے بعد اس میں رہی سہی تمیز بھی ختم ہونے لگی تھی۔ میں اس سے راکھ کی اس پوٹلی کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ میں اس پر سختی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ راکھ کی پوٹلی ابھی تک عمیر کے ہی پاس ہے۔ وہ موقع کا منتظر ہے۔ چنانچہ میں نے اسے نرمی سے ایک دن سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرے بھائی ..... ہماری پیشانی پر جو بے عزتی کا داغ لگا ہے' اسے ہم دونوں بھائیوں نے ہی مل کر دھونا ہے اور ایسا ممکن ہے کہ اگر تم راکھ کی پوٹلی کو پنچایت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے سامنے پیش کر کے لوگوں کو اصل حقیقت بتا دو تو ابا کی بھی روح خوش ہو جائے گی اور ہم بھی سر اٹھا کر جی سکیں گے۔"

میری بات سن کر عمیر نے مجھے تیز نظروں سے گھورا پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بھیا آخر تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟ ہمارے ساتھ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود تمہارے دل میں اب تک گاؤں والوں کیلئے درد بھرا ہوا ہے۔ ایک بات سن لو بھیا..... میں اب اس پورے گاؤں سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کے بے رحمانہ سلوک نے بہت دکھ دیا ہے۔ میں باہر جاتا ہوں تو لوگ مجھ پر تھوکنے سے بھی نہیں چوکتے۔"

"میرے بھائی..... وہ غلط فہمی کا شکار ہیں لیکن بہرحال انہیں نفرت میں اس قدر حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ان کی بھی غلطی ہے۔" میں نے عمیر کو محبت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "مگر دیکھ بھائی..... تو میری بات مان لے۔"

"ہرگز نہیں بھیا....." وہ کھڑے ہو کر اٹل لہجے میں بولا۔ "وہ راکھ کی پوٹلی میرے قبضے میں ہے۔ اس روز پیر الٰہی بخش کے بھیس میں کالی گاپ کی بدروح ہی آئی تھی اور میں کالی گاپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اب دیکھ لیا ہے کہ یہ دنیا کمزور لوگوں کی نہیں بلکہ طاقتور لوگوں کی ہے۔ میں ان لوگوں کو ایک دن اچھی طرح اپنی طاقت دکھا کر رہوں گا۔ تم دیکھنا بھیا..... تم دیکھنا۔" وہ عجیب پراسرار انداز میں یہ کہتا ہوں باہر نکل گیا اور میں اپنی جگہ ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔

مجھے اس کے لہجے سے سرکشی کی بو محسوس ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہی کالی گاپ کا آلہ کار بن چکا تھا اب ان عقب نا اندیش گاؤں والوں نے عمیر کے اندر سرکشی کو مزید ہوا دے ڈالی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں.....؟ ایک طرف مجھے عمیر کی طرف سے فکر لاحق تھی کہ وہ ایک شیطان کا آلہ کار بن چکا تھا' وہ برسوں پرانے ایک خبیث فتنے کو بھی جگانے کا پکا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ دوسری طرف گاؤں والوں نے ہمارا جینا دوبھر کر رکھا تھا' کوئی بھی میری بات ماننے کو تیار نہ تھا' وہ سب لوگ بس ایک ہٹ پر قائم تھے کہ ہم لوگ یہ گاؤں چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ یہ تو پیر الٰہی بخش اور پنچایت کی مہربانی تھی کہ ہم ابھی ادھر ہی تھے۔ پھر ہماری زمین بھی تھی باپ دادا کے زمانے کی..... اسے کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔ ان حالات میں ہمارا جینا بھی دوبھر ہو گیا تھا۔

ایک بار تو جی میں آئی کہ عمیر کو اس کے حال پر چھوڑ دوں اور وہ جس خطرناک کام کے کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے' اس پر لعنت بھیجوں۔ مجھے پیر الٰہی بخش پر بھی افسوس ہو رہا تھا کہ انہیں بھی عمیر کی وجہ سے میری طرف سے غلط فہمی ہو گئی تھی لیکن اچانک مجھے خیال آیا کہ میں ان سے مل کر ان کی یہ غلط فہمی رفع کر سکتا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور میری بات سنیں گے۔ یہ ارادہ کرنے کے بعد میرے اندر ایک نئے عزم نے سر ابھارا' میرے اندر کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"وقار..... ہمت ہار بیٹھے' کیا تم بھول گئے کہ سچائی کی راہ پر چلنے والوں کو بہت سی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اسے بہت سی تکلیفیں سہنا پڑتی ہیں اگر تم اپنے نیک مقصد سے ہٹ گئے تو ایک خبیث شیطان اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے ذمہ دار تم ہو گے کیونکہ تم ہی پیر الٰہی بخش کے بعد وہ واحد شخص ہو جو خبیث کالی گاپ کی بدروح کے ناپاک ارادوں سے واقف ہو۔ اٹھو اور بدی کی طاقتوں کے خلاف ایک نئے عزم کے ساتھ کمربستہ ہو جاؤ۔ یہ تمہاری زندگی کا ایک اہم مقصد ہے۔"

یہ خیالات آتے ہی میں قدرتی طور پر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ میرے اندر اب ایک نئے عزم و ولولہ انگیز جوش نے سر اٹھایا تھا۔ چنانچہ میں نے سب سے پہلے یہی فیصلہ کیا کہ پیر صاحب کی طرف سے اپنی گلوخلاصی کروانے کے بعد عمیر سے نمٹوں گا۔ بے شک وہ میرا بھائی تھا لیکن اگر وہ غلط راستے پر چلنے اور اپنے ناپاک ارادوں سے باز نہ آیا تو میں بھائی کا رشتہ بھلا کر اس سے سختی سے نمٹوں گا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کالی گاپ کی راکھ کی پوٹلی ابھی تک اس کے قبضے میں تھی جسے اس نے کہیں چھپا رکھا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے لے کر اپنی مہم پر روانہ ہو میں اس سے وہ پوٹلی چھین کر دریا برد کر دوں گا۔

میں گھر سے نکلا اور پیر صاحب کے حجرے کی طرف بڑھ گیا اور تھوڑی دیر بعد میں ان کے سامنے موجود تھا۔ میرا سر جھکا ہوا تھا' آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ مجھ میں پیر صاحب سے بات کرنے حتیٰ کہ ان سے نظریں ملانے کی بھی تاب نہیں ہو رہی تھی۔

"یہاں رونے کے بجائے اللہ کے حضور رو نادان..... نماز پڑھ اور سجدہ ریز ہو جا..... وہ رحیم و کریم ہے' تیری غلطی کو معاف کر دے گا۔" معاً پیر صاحب کی پرجلال

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آواز ابھری۔

میں نے آب دیدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور گلوگیر لہجے میں بولا

''پیر صاحب..... کیا آپ بھی مجھے خطاوار سمجھ رہے ہیں؟''

''انسان پہلے ہی خطا کا پتلا ہے۔'' پیر صاحب نے با آواز بلند کہا۔

''پیر صاحب..... میرا اللہ جانتا ہے میں بے گناہ ہوں' میرے دل میں ا بھی اس مردود شیطان کالی گاپ کو نیست و نابود کرنے کی تمنا موجود ہے اور میں نے تہ کر رکھا ہے کہ جب تک اسے نابود نہ کر ڈالوں چین سے نہیں بیٹھوں گا مگر مجھ پر یہ الزا نہ لگائیں کہ میں شیطان کے چیلوں کے ساتھ جا ملا ہوں۔''

''ہم جانتے ہیں' اس معاملے میں تم بے قصور ہو۔'' پیر الٰہی بخش عجیب اسرا بھرے لہجے میں بولے تو میں چونک کر ان کا نورانی چہرہ دیکھنے لگا۔

''ہاں..... تم سے یہ غلطی ہوئی کہ تم ایک شیطان کے بہروپ کو نہ پہچان سکے جس نے تمہیں اپنے چیلے یعنی تمہارے بھائی عمیر سے ہٹا کر ایک شریف لڑکے کے قاسم سے بھڑا دیا اور تم بنا مجھ سے تصدیق کئے اس سے جا لڑے۔''

''ہاں..... پیر جی..... یہ میری غلطی تھی' مجھے آپ کے ہاں حاضری دینا چاہئے تھی۔'' میں نے احساس شرمساری سے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم یہی چاہتے تھے کہ تم اپنے کئے کی سزا بھگتو تا کہ تمہاری غلطی کسی حد تک ازالہ ہو جائے۔ اب ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارے دل میں ا شیطان کی بیخ کنی کا جذبہ شدید تر ہو گیا ہے۔'' پیر صاحب کی حوصلہ افزا گفتگو پر میرا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

''اپنا وقت ضائع مت کر' تجھ پر اب لازم ہو گیا ہے کہ جلد از جلد اپنا فرض ادا کر اور اپنے بھائی عمیر سے جا کر راکھ کی وہ پوٹلی حاصل کر اور خبردار..... اسے اب اپنا بھائی مت سمجھنا' اسے صرف ایک خبیث شیطان کا چیلا سمجھنا' جا چلا جا' اللہ تیرا حامی و ناصر ہو۔''

میں پھر ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رکا اور سیدھا گھر پہنچا۔ عمیر آج صبح ہی سے غائب تھا' دوپہر کے وقت کھانا کھانے بھی نہیں آیا تھا۔ اس نے جو ناپاک کام کرنے کا

بیڑا اٹھایا تھا میں اس سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس لئے اب میں اس سے پیر صاحب کے کہنے کے مطابق ذرا بھی رعایت برتنا نہیں چاہتا تھا مگر اب شام ہونے کو آئی تھی وہ نہیں آیا تھا۔ ایک لمحے کو تو مجھے یہ خدشہ ستانے لگا کہ کہیں وہ اپنی مہم پر تو نہیں روانہ ہو گیا۔ اماں اور بہن بشریٰ بھی پریشان ہو رہی تھیں' میں اس وقت عمیر کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا اور پورا گاؤں چھان مارا لیکن عمیر کا کہیں پتہ نہ چلا پھر میں جنگل کی طرف چل دیا جس کے سرے پر وہ غار تھا جہاں عمیر کالی گاپ کی بدروح سے ہم کلام ہوتا تھا۔ وہاں پہنچا تو غار خالی تھا۔ میں اب لوٹنے ہی لگا تھا کہ اچانک مجھے غراہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میں یہی سمجھا کوئی جنگلی جانور ہو گا مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں نے دائیں جانب کی جھاڑیوں سے ایک بلی نما جانور رینگتا ہوا دیکھا۔ میں نے جلدی سے اپنی حفاظت کے پیش نظر ایک بڑا سا پتھر اٹھا لیا مگر پھر جیسے ہی وہ جانور قریب آیا تو میں اسے دیکھ کر بری طرح دہل گیا وہ قبر میں سوراخ کر کے مردے کھانے والا ایک بجو تھا مگر یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن میرے خوف زدہ ہونے کی اصل وجہ اس کا مکروہ چہرہ تھا۔ انتہائی کالا سیاہ تھا وہ چہرہ..... لال انگارہ آنکھیں اور ناک کی جگہ صرف دو سوراخ تھے۔ سارا چہرہ چیچک کے دانوں سے بھرا پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی یہ چہرہ جلتی سلگتی بھٹی سے نکالا گیا ہو۔ میرے دل میں فوراً کالی گاپ کی بدروح کا خیال آ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔ تب میں نے دیکھا اس مکروہ چہرے کی باچھوں سے دو نوکیلے دانت برآمد ہوئے اور سرخ سرخ دو شاخہ زبان باہر لپلپانے لگی پھر ایک غرائی ہوئی کھردری آواز برآمد ہوئی۔

''اوئے مورکھ..... تو ہمارا پیچھا چھوڑ دے ورنہ میں تجھے تیرے گھر والوں سمیت برباد کر ڈالوں گا۔ تو نے ہمارا کرشمہ دیکھا نہیں کس طرح تجھے ہم نے پورے گاؤں میں ذلیل خوار کر کے رکھ دیا۔ اب بھی وقت ہے اپنا جیون نشٹ نہ کر اور ہمارا راستہ کھوٹا نہ کر۔'' آیت الکرسی کا ورد کرنے کے بعد میرے اندر کافی حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی لئے میں نفرت انگیز لہجے میں اس سے بولا۔ ''اے خبیث شیطان..... تجھے نابود کرنے کی میں قسم کھا چکا ہوں۔ تو نے میرے معصوم چھوٹے بھائی کو بھی اپنے شیطانی جال میں پھانس لیا ہے مگر میں اب اس کا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔ بول کدھر ہے میرا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھائی.....؟"

وہ میری بات سن کر غرایا مگر میں ذرا بھی مرعوب نہ ہوا۔ وہ پھنکار کر بولا

"مورکھ.....تو ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ دیکھ اب اپنا حشر..... تجھے میں کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار کراتا ہوں کہ تیرے گھر والوں کا بھی شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔"

"تیرے منہ میں خاک او ذلیل مردود۔" میں نے دانت بھینچ کر کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر اسے کھینچ مارا۔ پتھر سیدھا اس کی پشت پر لگا اور وہ چیختا چلاتا ہوا جھاڑیوں کی طرف دوڑا اور میں اس کے پیچھے بھاگا اور اسے کھینچ مارا۔ اس بار پتھر اس کے سر پر لگا وہ دوڑتے دوڑتے گرا تو میں نے ایک مضبوطی سی موٹی شاخ اٹھالی اور بری طرح اسے پیٹنے لگا۔ میں جانتا تھا وہ مجھے صرف ڈرا دھمکا سکتا ہے اور بس۔ موٹی ٹہنی کی ضربات نے اسے نڈھال کر دیا۔ وہ بری طرح زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر تڑپنے لگا۔ اس کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ میں نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تو کالی گاپ کا مکروہ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ اب اس کی جگہ ایک جنگلی بجو کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کالی گاپ کی بدروح نے اس جانور کا بہروپ بھرا تھا' میں ٹہنی پھینک کر گھر کی طرف چل دیا۔ میرے ذہن میں بار بار اس مردود کالی گاپ کی دھمکی گونج رہی تھی۔

"مورکھ..... میں تیرا اب بہت برا حشر کروں گا' تیرے گھر کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دوں گا۔"

اچانک مجھے عمیر کے یار غار فرید کا خیال آیا جو اس کا جوڑی دار تھا مگر مجھے قاسم والا تلخ تجربہ ہو چکا تھا' اسی لئے میں نے فرید سے ملنے کا ارادہ ترک کیا۔ ادھر شام کے سائے تاریکی میں ڈھلنا شروع ہو گئے تھے۔ میں تیز تیز قدموں سے گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ معاً میں ٹھٹک کر رکا۔ سامنے سے مجھے دو انسانی ہیولے نظر آئے وہ بھی تیز تیز قدموں سے اسی طرف ہی آ رہے تھے۔ میں جلدی سے گھنی جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ ذرا قریب آئے تو میں انہیں دیکھ کر پہچان گیا وہ دونوں عمیر اور فرید تھے۔ یکبارگی میرا دل زور سے دھڑکا پہلے تو میرے جی میں آئی کہ انہیں ادھر ہی پکڑ لوں مگر پھر اپنا ارادہ بدل لیا۔ وہ دونوں جیسے ہی میرے قریب سے گزرے تو میں بری طرح چونکا کیا دیکھتا ہوں عمیر کے ایک ہاتھ میں کوئی درازسی شے ایک کپڑے میں لپٹی

ہوئی تھی۔ پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ کہیں یہ کالی گاپ کے مردود وجود کی راکھ تو نہیں لیکن ایسا نہ تھا۔ راکھ ایک پوٹلی میں بندھی ہوئی تھی جبکہ یہ شے کچھ اور ہی تھی میں نے ان کا تعاقب کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ جیسے ہی میرے قریب سے گزرے میں بھی جھاڑیوں کی اوٹ سے نکلا اور محتاط روی سے ان کے پیچھے ہو لیا۔ ان دونوں کا رخ اسی غار کی طرف تھا۔

میں چھپتے چھپاتے غار کے سرے پر آ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ وہ دونوں اندر جا چکے تھے۔ وہ دونوں مجھے جانے کیوں کچھ گھبرائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ غار کے اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے ایک چراغ روشن کر دیا تھا جو غار کے ہی ایک کونے میں زمین پر رکھا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اندر جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں عمیر کا چہرہ فق تھا اور وہ خاصا پریشان نظر آ رہا تھا جبکہ فرید و کے چہرے پر عجیب سے جوش کی سرخی تھی۔ اچانک عمیر کے ہاتھ میں تھمی ہوئی کپڑے میں لپٹی شے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ کپڑا کھل گیا' سامنے ایک خون آلود چھرا پڑا تھا۔ میں دہل کر رہ گیا۔ اسی اثنا میں عمیر نے جلدی سے جھک کر اس خون آلود چھرے کو کپڑے میں لپیٹا اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے غار کی بھربھری مٹی کھودنے لگا۔ پھر جلدی سے اس نے کپڑے سمیت وہ خون آلود چھرا گڑھے میں دبا کر اوپر سے مٹی برابر کر دی۔

میں نے تشویش سے سوچا۔ "کہیں یہ دونوں کسی کا خون تو نہیں کر کے آ رہے؟"

ادھر عمیر نے کھڑے ہو کر فرید و سے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"فرید و..... تجھے یہ اتنا بڑا قدم بلا سوچے سمجھے نہیں اٹھانا چاہئے تھا۔"

"ارے واہ..... یہ تو نے خوب کہی۔" فرید و ہاتھ نچا کر طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اس وقت تو کالی گاپ کے سامنے بڑی سعادت مندی سے سر ہلا رہا تھا اور چھرا تھمائے اسے وچن دے رہا تھا کہ میں یہ کام اپنے ہاتھوں سے کروں گا مگر وہاں جا کر تیرے تو ہاتھ ہی کانپنے لگے وہ تو اچھا ہوا میں نے تیرے ہاتھ سے چھرا لے کر جلدی سے بگڑ صاحب کا خاتمہ کر ڈالا۔" فرید و نے اتنا کہا اور میں سناٹے میں آ گیا۔ میرا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ میری کنپٹیاں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ "اس کا مطلب تھا ان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مردودوں نے کالی گاپ کے کہنے پر پیر صاحب کو قتل کر ڈالا تھا۔'' میں نے سینے میں اٹھنے والی ٹیس زدہ تکلیف سے سوچا مگر..... نہیں میرے بھائی عمیر نے یہ قتل نہیں کیا' یہ ذلیل فریدو نے گناہ کیا تھا۔'' میں نے خود کو تسلی دی کیونکہ میں بہرحال اپنے چھوٹے بھائی کو قاتل کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ بھی پیر صاحب جیسے اللہ والے' نیک اور عبادت گزار شخص کا قاتل.....

اتنے میں عمیر کانپتی آواز میں اعتراف کرتے ہوئے بولا۔ ''یار فریدو..... پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا' مجھ سے پیر صاحب پر وار کرنے کو دل نہیں چاہا تھا' میرے ہاتھ سے خود ہی چھرا گر پڑا تھا اور عین وقت پر مجھ پر جانے کیسی کپکپی طاری ہو گئی تھی۔''

''ہاں..... میں تجھے دیکھ رہا تھا' تجھے جیسے سردی لگ رہی تھی۔ پر دیکھ میں نے یہ کام کر ڈالا۔'' وہ بدبخت فریدو یوں فخر سے بولا جیسے کوئی بڑا کام کیا ہو۔

''یار کچھ بھی سہی تجھے کم از کم پیر صاحب جیسے پرہیز گار شخص کا قتل نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میرا دل اب بجھ کر رہ گیا ہے۔ میں خود کو بھی اب تیرے ساتھ برابر کا شریک سمجھ رہا ہوں۔'' عمیر نے غمگین لہجے میں کہا۔

فریدو بولا۔ ''ارے واہ کالی گاپ کے سامنے تو تو بڑا بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا' اب تجھے کیا ہو گیا ہے؟ سنبھال خود کو..... ابھی تو ہم نے اس کی راکھ کو راماسی کے مندر لے جا کر پنڈت گاتریا کے حوالے کرنا ہے۔''

''نہیں یار..... اب مجھ سے یہ کام نہ ہو سکے گا' تو ایسا کر اس سارے شیطانی گورکھ دھندے پر لعنت بھیج اور راکھ کی پوٹلی میرے حوالے کر دے' میں اسے فوراً دریا برد کئے دیتا ہوں۔'' عمیر نے اس کی منت کی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ راکھ کی پوٹلی اس کمینے قاتل فریدو کے پاس تھی۔ میں نے دانت پیس کر سوچا ساتھ ہی مجھے اپنے بھائی عمیر کی باتیں سن کر خوشی بھی ہو رہی تھی کہ وہ راہ راست پر آ گیا تھا۔ ضمیر کی خلش نے بالآخر اسے اس ناپاک کام سے روک دیا تھا۔

فریدو اس کی بات سن کر حیرت سے بولا۔ ''ارے یار..... یہ تو کیا کہہ رہا ہے.....؟ کالی گاپ کی مدد کر ہم بہت دولت مند اور طاقتور ہو جائیں گے' تو بھول گیا اس نے ہم سے کیا وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم اس کا یہ کام کر دیں تو ساری دنیا کی دولت اور

خوشیاں ہمارے قدموں میں ڈھیر کر دے گا اور ہم جو چاہیں گے وہ چٹکی بجا کر کر ڈالے گا۔''

''نہیں یار..... میں نے کہا نا اب میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔'' عمیر نے اٹل لہجے میں کہا۔

''میں اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرنا چاہتا۔ کالی گاپ ہمارے ضمیر اور حتیٰ کہ ہمارا ایمان بھی خریدنے پر تلا ہوا ہے۔ بس فریدو بہت ہو گیا ابھی چل وہ راکھ کی پوٹلی جو میں نے تجھے دی تھی' اسے میرے حوالے کر دے۔''

عمیر نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک غار کے اندر سے ایک سرد ہوا کا جھونکا چلا جو باہر کھڑے مجھے بھی محسوس ہوا تھا۔ وہ دونوں بھی غار کے اندر کھڑے کھڑے ٹھٹک گئے تب پھر میں نے دیکھا' ان کے سامنے ایک جھکی ہوئی کمر اور خاکستری چہرے والا وہی بوڑھا نمودار ہوا جس کی آنکھیں زرد تھیں۔ یہ وہی کبڑا تھا جس نے مجھے پہلے بھی بھٹکانے کی کوشش کی تھی جب میں عمیر کی تلاش میں اس جنگل میں داخل ہوا تھا۔ یقیناً یہی کالی گاپ کا اصل روپ تھا۔ اس نے نمودار ہوتے ہی سب سے پہلے عمیر کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔

''اوئے موکھ..... تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے' یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے' ہم تو تجھے اپنا متر بنانا چاہتے ہیں اور تو..... یہ اول فول بک رہا ہے۔''

میں نے دیکھا عمیر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دلیری سے کہا۔

''ہاں مجھے تو اب عقل آئی ہے اور مجھے پیر صاحب کے قتل پر افسوس ہو رہا ہے' میں تیری باتوں میں آ گیا مگر اب مزید تیری باتوں میں نہیں آؤں گا۔''

''فریدو..... جہاں تو نے ایک قتل کیا' وہاں اس مورکھ کا بھی کر ڈال' نکال گڑھے سے چھرا.....'' بوڑھے خبیث کالی گاپ نے فریدو سے تحکمانہ لہجے میں کہا اور میں نے دیکھا فریدو فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زمین پر بیٹھ کر وہ گڑھا کھودنے لگا جس میں تھوڑی دیر پہلے خون آلود چھرا دبایا تھا' اس نے آن واحد میں چھرا نکال لیا۔

خبیث کالی گاپ شیطانی قہقہے لگائے جا رہا تھا اور فریدو اپنے ہاتھ میں خون

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آلود چھرا پکڑے عمیر کی طرف خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ میرے بھائی کی جان خطرے میں تھی میں بھلا اب کیسے چھپا رہ سکتا تھا۔ چنانچہ میں ایک زوردار للکار بلند کر کے غار میں داخل ہو گیا اور اپنے چھوٹے بھائی عمیر کے آگے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔

کالی گاپ مجھے دیکھ کر یکدم دھوئیں میں تحلیل ہو کر غائب ہو گیا جبکہ فرید وحشی ہاتھ میں تھامے مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہ پر ساکت کھڑا ہو گیا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا مردود انسان تو نے اپنا ضمیر ایک خبیث شیطان کے پاس گروی رکھ دیا ہے اور اس کے اشارے پر تو نے ایک نیک انسان کا بھی بیدردی سے خون کر ڈالا۔" میں گرجدار آواز میں اسے غصیلی نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

وہ ایک لمحے کو پریشان سا ہوا۔ اسے یہ پریشانی مجھے اچانک وہاں دیکھ کر ہوئی تھی۔ اس نے میری بات پر کوئی توجہ نہ دی اور پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ "تو تجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ پیر صاحب کو میں نے ہی قتل کیا ہے؟"

"ہاں..... کیونکہ وہ تم جیسے شیطانوں کے آگے کانٹے کی حیثیت رکھتے تھے مگر یاد رکھنا میرا کانٹا تم نہیں نکال سکتے۔" میں نے جوشیلے لہجے میں کہا اور نفرت سے اسے گھورنے لگا۔

میں نے دیکھا اس بار فرید وحشی کے چہرے پر سرد مہری چھا گئی اور آنکھوں میں خونخوار چمک..... وہ دانت پیس کر یہ کہتے ہوئے میری طرف جھپٹا۔ "تیرا کانٹا بھی میں ہی اپنے راستے سے صاف کر دوں گا۔"

وہ جیسے ہی خون آلود چھری پکڑ کر میری طرف بڑھا میں نے تاک کر اپنی دائیں لات اس کے چھرے والے ہاتھ پر رسید کر ڈالی۔ چھرا اس کے ہاتھ سے نکل گیا وہ پھرتی سے چھرا اٹھانے کیلئے لپکا۔ ہم دونوں بھائی اس پر پل پڑے۔ میں نے چھرا اس سے جھپٹ لیا پھر اسے دبوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک باہر شور بلند ہوا۔ ہم تینوں لمحے بھر کو ٹھٹک گئے۔ اسی وقت فرید وحشی نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور خود کو عمیر کے بازوؤں کے شکنجے سے چھڑا لیا اور باہر نکل گیا۔

ہم دونوں بھائی غار سے باہر نکلے تو ایک دم ٹھٹک کر رک گئے۔ فرید تو جانے کہاں تاریکی میں غائب ہو چکا تھا لیکن سامنے ہمیں لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ یہ گاؤں کے لوگوں کا مشتعل ہجوم تھا جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور لالٹینیں تھام رکھی تھیں۔ میں لرز اٹھا۔ میرے دائیں ہاتھ میں فرید وحشی سے چھینا ہوا خون آلود چھرا دبا ہوا تھا۔ وہ چھرا جس سے پیر صاحب کا قتل ہوا تھا اور دیکھنے والوں کی نظروں کے سامنے وہ خون آلود چھرا مجھے پیر صاحب کا قاتل ثابت کر رہا تھا۔ اس نازک صورتحال پر میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا تھا۔

"بھیا..... بھاگو ورنہ گاؤں والے ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔" اچانک میرے ساتھ کھڑے عمیر نے چلا کر کہا اور ایک طرف بھاگ اٹھا۔ میں نے چھرا پھینکا اور عمیر کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ لوگوں نے ہم دونوں بھائیوں کو پہچان لیا تھا' اس لئے وہ اب ہمارے نام پکارتے ہمیں للکارتے ہوئے پیچھے دوڑ پڑے۔

ہم دونوں بھائی اندھا دھند جنگل میں دوڑے چلے جا رہے تھے۔ دوڑتے دوڑتے ہماری سانسیں پھول گئیں۔ ایک جگہ عمیر ٹھوکر کھا کر گرا' میں نے رک کر اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ اپنے عقب میں دور مجھے روشنی نظر آ رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہم دونوں لوگوں کے مشتعل ہجوم کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔

"عمیر..... تجھے چوٹ تو نہیں آئی؟" میں نے ہانپتے ہوئے اس سے پوچھا۔

وہ بہت دہشت زدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا پھر بمشکل بولا۔

"بھائی جان..... خدا کیلئے یہاں سے بھاگ چلو ورنہ گاؤں والے ہمارا برا حشر کر کے رکھ دیں گے' وہ پہلے ہی ہم پر ادھار کھائے ہوئے ہیں۔"

"عمیر..... دیکھ لیا نا برے کام کا برا انجام ہوتا ہے اور اس کی لپیٹ میں دوسرے بے گناہ بھی آ جاتے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ہم اب کہاں جا سکتے ہیں' تم نے تو ہم سب کو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ اماں اور بہن بشریٰ کس کے سہارے جئیں گی؟" میرے لہجے میں اچانک تشویش آمیز تاسف در آیا تھا۔

مجھے واقعی اماں اور بہن کی پریشانی ستانے لگی تھی مگر ہم دونوں بھائیوں کا گھر جانا بھی تو خطرے سے خالی نہ تھا۔ گاؤں والے شاید فرید وحشی اور عمیر کے پیروں کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نشانات پر چلتے ہوئے غار تک پہنچے تھے اور یہ عمیر اور میری بدقسمتی تھی کہ گاؤں والوں نے ہم دونوں بھائیوں کو پیر الٰہی بخش کے قاتل کے روپ میں دیکھ لیا تھا۔ اب ہمارے گاؤں جانے کی راہیں بند ہو چکی تھیں۔ پورے گاؤں میں یقیناً کہرام مچ گیا ہوگا کیونکہ پیر صاحب کوئی معمولی انسان نہیں تھے۔ وہ ایک اللہ والے اور نیک انسان تھے۔ پورے گاؤں کے لوگوں کو ان سے عقیدت تھی اور وہ دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے۔

"بھیا..... اب کیا ہوگا؟ گاؤں والے تو ہمیں ہی پیر صاحب کا قاتل سمجھیں گے۔" خاصی دیر کی اعصاب شکن خاموشی کے بعد عمیر نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

میں اسے کیا تسلی دیتا خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سنگین ترین حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے تھا۔

مجھے بدستور خاموش اور پریشان پا کر عمیر نے اچانک کہا۔ "بھیا..... ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم پنچایت کے سرپنچ چودھری بشیر احمد سے خود ملاقات کر کے انہیں قاتل فرید کے بارے میں بتائیں؟"

"نہیں ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا عمیر....." میں نے اسے سرزنش کی۔ "یہ معاملہ اتنا نازک ہے کہ اب چودھری بشیر احمد بھی ہماری مدد نہیں کر سکتے بلکہ وہ الٹا ہمیں گاؤں والوں کے سامنے پیش کر دیں گے اور ویسے بھی اب گاؤں میں داخل ہونا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں رہا ہے۔ اب وہ ہمیں دیکھتے ہی ہماری تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔"

"بھیا..... تو کیا پھر ہم اماں اور بہن بشریٰ کو تنہا چھوڑ دیں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" میں نے اچانک کہا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "مجھے کچھ سوچنے دو ہمیں آخر کیا کرنا چاہئے؟"

میں نے فکرمندی سے اپنی پیشانی ملی۔ ابھی ہمیں وہاں کھڑے ذرا ہی دیر گزری تھی کہ ہماری تھکی ہوئی سماعتوں سے ایک ہنسی کی آواز ٹکرائی۔

☆.....☆.....☆

پراسرار ہنسی کی آواز ہمارے عقب سے ابھری تھی۔

ہم دونوں گھومے سامنے نظر پڑی تو حیرت سے ہمارے منہ کھل گئے۔ وہ

ایک سولہ سالہ دلکش مٹیار رشیداں تھی۔ مامے کجلے کی اکلوتی بیٹی رشیداں عرف چھیدو..... میں کیا پورا گاؤں اسے جانتا تھا۔ مگر رات کے اس سمے ایک گھنے اور ویران جنگل میں اسے یوں اچانک اپنے سامنے پا کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے دیکھا وہ عمیر کی طرف بڑی معنی خیز نگاہوں سے دیکھے جا رہی ہے اور عمیر اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاہم وہ دوسرے ہی لمحے پریشان ہو کر بولا۔ "چھیدو..... تو ادھر کیا کر رہی ہے..... اس جنگل میں تنہا؟"

"تیرا انتظار کر رہی تھی..... تو باؤلی پر کیوں نہیں آیا تھا؟" وہ ایک ادا سے بولی۔ اس کی کٹارہ سی آنکھوں میں محبت کی سرکشی کسی جوار بھاٹے کی طرح اٹھ رہی تھی۔ عمیر خفت محسوس کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا دونوں کے بیچ کسی قسم کا تعلق خاطر تھا۔

عمیر فوراً بولا۔ "چھیدو..... تو گھر چلی جا..... جا اور سن میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتانا کہ میں یہاں چھپا ہوا ہوں۔"

"کیوں.....؟ تو نے کسی کا خون کیا ہے۔" وہ ٹھنک کر بولی اور اپنی کمانی دار بھنویں سکیڑ کر اسے گھورنے لگی۔ عمیر کے ساتھ میں بھی اس کی بات سن کر گھبرا گیا تھا۔ نجانے یہ کم بخت منہ پھٹ اور آفت کی پرکالا اچانک کہاں سے ٹپک پڑی تھی۔

"ہاں..... نہیں..... خون میرے دوست فرید و نے کیا ہے..... سو الزام ہم دونوں بھائیوں کے سر پر آ گیا۔" عمیر نے بالآخر اسے سچی بات بتائی۔ لگتا تھا دونوں کے درمیان پرانی رسم و راہ تھی۔ وہ ایک دوسرے پر اعتماد بھی کرتے تھے۔ میں خاموش کھڑا تھا۔

"کس کا خون کر ڈالا..... فرید و نے.....؟" چھیدو نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"پیر الٰہی بخش کا....."

"ہائے میں مرگئی۔" اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"دیکھ چھیدو تو ہماری مدد کر سکتی ہے..... ہم بے گناہ ہیں۔" عمیر منت کر کے بولا۔

"میری قسم کھا کر بتا کہ تو نے یہ قتل نہیں کیا۔"

"مجھے تیری قسم..... تیرے سر کی قسم چھیدو! میں نے یہ قتل نہیں کیا..... خود سوچ چھیدو بھلا میں اتنا بڑا جرم کر سکتا ہوں..... اور وہ بھی پیر صاحب جیسے نیک اور اللہ والے کا..... توبہ توبہ۔" عمیر اپنے گالوں پر طمانچے مار کر بولا۔

"ٹھیک ہے عمیر..... مجھے تسلی ہو گئی۔ میرا دل بھی یہی کہہ رہا تھا کہ تو نے یہ قتل نہیں کیا۔" چھیدو مسکرا کر بولی۔ پھر چند ثانئے کچھ سوچنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔

"تم دونوں کدھر جنگل میں بھٹکتے پھرو گے..... چلو میرے ساتھ..... گھر..... جب تک حالات ٹھیک نہیں ہو جائیں..... تم وہیں رہنا۔"

عمیر نے اس کی بات پر فوراً اپنا سر ہلا دیا مگر میرے حلق سے یہ بات نہیں اتری چنانچہ میں نے پہلی بار دونوں کے بیچ لب کشائی کرتے ہوئے کہا۔ "چھیدو..... یہ تو کیا کہہ رہی ہے..... کیا تیرا ابا ہم پر بھروسہ کرے گا..... اور پھر نجانے ہمارے حالات کب بہتر ہوں..... ہم دونوں بھی تم پر کب تک بوجھ بنے رہیں گے؟"

میری بات سن کر اس نے پہلے عمیر کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ عمیر اس کے سامنے بالکل "دبو" نظر آ رہا تھا جبکہ چھیدو خاصی نڈر اور دلیر محسوس ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے دبی دبی مسکراہٹ سے بولی۔ "بھراوا بوجھ کیسا؟ ابے کی تو فکر نہ کر..... اس نے آج تک صرف دو ہی عورتوں کی غلامی کی ہے..... ایک اپنی بیوی زلیخا اور دوسری اپنی اکلوتی بیٹی رشیداں عرف چھیدو کی۔ کیا مجال کہ میرے خلاف کوئی بولے۔ میں پورا گھر سر پر اٹھا لیتی ہوں۔"

کوئی اور موقع ہوتا تو اس کی چٹ پٹی باتوں پر دل کھول کر قہقہہ لگاتا لیکن اس وقت مجھ پر مصیبت پڑی تھی..... گاؤں ہمارا تھا ہی کتنا بڑا..... ہم سب ایک دوسرے کے حالات اور افراد خانہ سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ چھیدو کے حالات بھی ہمیں معلوم تھے۔ چھیدو کی سگی ماں کا بچپن میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا باپ جو پورے گاؤں میں ماما کجلا کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے ایک ادھیڑ عمر بیوہ سے دوسری شادی کر لی تھی مگر لگتا یہی تھا کہ سرکش اور طرح دار چھیدو نے نہ صرف خود کو اب تک سوتیلی ماں کے عتاب سے بچا رکھا تھا بلکہ اسے بھی نکیل ڈال رکھی تھی۔ چھیدو کا باپ اس سے بہت محبت کرتا تھا..... دوسری شادی اگرچہ اس کی مجبوری تھی۔ وہ دونوں کی سنتا تھا مگر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ترجیح اپنی بیٹی چھیدو کی بات کو دیتا تھا۔

"چل بھراوا..... بہت سوچ لیا تو نے۔"

کافی دیر کی خاموشی کے بعد بالآخر چھیدو نے کہا۔

میں بولا۔ "دیکھ چھیدو! تو ایسا کر میرے بھائی عمیر کو فی الحال لے جا اپنے ساتھ..... میری خیر ہے۔"

"نہیں بھائی جان! ایسا کیسے ہو سکتا ہے..... میں آرام سے رہوں اور آپ..... کو جنگل میں خوار ہونے کیلئے چھوڑ دوں..... ہرگز نہیں بھائی جان..... آپ چلیں گے تو میں بھی چلوں گا ورنہ نہیں....." عمیر نے حتمی لہجے میں کہا۔

میں اسے سمجھاتے ہوئے پیار سے بولا۔ "دیکھو بھائی! ہم دونوں بہت نازک صورتحال سے دوچار ہیں..... ہم اکٹھے رہیں گے تو یہ بھی مناسب نہ ہوگا۔ میں بڑا بھائی ہوں..... تم اپنا ٹھکانہ بناؤ..... تمہاری ذمہ داری سے آزاد ہو کر میں زیادہ بہتر طریقے سے حالات کو سدھارنے کی کوشش کروں گا۔ پھر مجھے اماں اور بشریٰ کی بھی خیر خبر لینی ہے..... انہیں ہماری طرف سے تسلی ہو جائے گی..... اس کے بعد میں بآسانی حالات پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔"

میرے سمجھانے پر عمیر کے چہرے پر الجھن آمیز سوچوں کا جال سا پھیل گیا۔ لوہا گرم دیکھ کر میں نے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔ "عمیر..... میں جیسا کہہ رہا ہوں ویسے کرو..... اس میں ہم سب کی بھلائی ہے۔" یہ کہہ کر میں چھیدو کی طرف بڑھا اور اس سے مخاطب ہوا۔ "چھیدو بہن عمیر کا خیال رکھنا..... اسے باہر بالکل مت نکلنے دینا۔ اسے میں اللہ کے بعد تیرے حوالے کر رہا ہوں۔"

میں نے اپنے اندر اٹھنے والی رقت پر قابو پا رکھا تھا۔ ورنہ عمیر کا گھبرا جانا لازمی تھا۔ "تو فکر ہی نہ کر بھراوا..... کسی کی کیا مجال جو میرے سجن کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔"

"پر چھیدو ایک بات تو بتا' تیرے اور تیرے باپ پر تو چلو بھروسہ کر لیتے ہیں کہ وہ عمیر کے بارے میں کسی کو نہیں بتائیں گے کہ وہ تمہاری پناہ میں ہے..... مگر سوتیلی ماں نے اگر باہر کسی کو مخبری کر دی تو میرے بھائی کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔"

میں نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"او نا جی..... درانتی سے..... اس کی گردن نہ کاٹ دوں گی۔" وہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی کو درانتی کی طرح خم کر کے اپنی گردن پر پھیر کر بولی۔ اس کی بڑی بڑی کٹارا سی آنکھوں میں جوش کی سرخی عود کر آئی تھی۔

مجھے اب پورا یقین ہو گیا تھا کہ اس باغی اور نڈر دوشیزہ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ قابل بھروسہ بات یہ تھی کہ عمیر سے اس کی محبت جارحانہ حد تک جنون خیز تھی اور عشق وہی کامیاب ہوتا ہے جو عورت کی طرف سے ہو۔ چنانچہ میں اب عمیر کی طرف سے بے فکر سا ہو گیا تھا۔ میں نے عمیر کو اس کے ساتھ رخصت کیا۔ ہم سے جدا ہوتے وقت اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ میں نے اسے گلے لگا کر دلاسا دیا کہ میں اس کی خبر گیری کرتا رہوں گا۔

اس کے بعد وہ دونوں تاریکی میں گم ہو گئے۔ رشیداں عرف چھیدو..... بلاشبہ ایک عجیب لڑکی تھی۔ کسی طوفان کی طرح سرکش' کھری' صاف اور سچی تھی اور خاصی دبنگ بھی..... مجھے خاصی حد تک اندازہ ہو گیا تھا کہ عمیر اس کے پاس ہی زیادہ محفوظ رہ سکتا تھا اور یہی ٹھکانہ ہی سردست چھپنے کیلئے بہتر تھا..... یعنی خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو..... کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ دونوں جا چکے تھے۔ میں تاریک اور سنسان جنگل میں دم بخود کھڑا تھا۔ پورا جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ایک ٹک خاموشی چھا گئی تھی۔ مجھے اپنے بے ترتیب دل کی دھڑکنیں بھی کنپٹیوں پر محسوس ہو رہی تھیں۔

حالات نے اس قدر غیر متوقع طور پر پلٹا کھایا تھا کہ میرا دماغ ہی جھنجھنا کر رہ گیا تھا۔ عمیر کی طرف سے قدرے بے فکری ہو چکی تھی۔ رہی اماں اور بشریٰ تو مجھے یقین تھا..... عمیر کے کہنے پر آفت کی پرکالا چھیدو..... خاموشی سے جا کر انہیں ہماری مشکل اور تسلی سے آگاہ کر دے گی۔

پیر الٰہی بخش کا قتل ہو چکا تھا اور قاتل فرید وتھا جبکہ پورے گاؤں والے مجھے اور عمیر کو ان کا قاتل سمجھ رہے تھے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھے تھے ہم پر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہماری بے گناہی ثابت ہونے میں کافی وقت درکار تھا اور جانے کتنے کٹھن مرحلوں سے گزرنا تھا مگر میں نے بھی ہمت نہیں ہاری تھی۔

میرے سر پہ اب ایک ہی دھن سوار تھی کسی طرح فریدو سے اس خبیث کالی گاپ کی راکھ کی پوٹلی حاصل کر کے اسے دریا برد کر دوں..... ورنہ فریدو دولت اور طاقت کے لالچ میں اس شیطان کو زندہ کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ فریدو نے پیر صاحب جیسے نیک اور اللہ والے بندے کا قتل کر کے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اب سمجھنے سمجھانے کی حدود سے نکل چکا ہے۔ چنانچہ اب میں نے اس سے آڑے ہاتھوں نمٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ میں اس مردود لالچی شخص کے گھر تک کیسے جاتا.....؟ کیونکہ وہ قاتل ہو کر بھی گاؤں والوں کے سامنے بے قصور تھا اور میں بے گناہ ہوتے ہوئے قاتل تھا..... اب میں کیا کروں؟ فریدو کا کس طرح راستہ روکوں؟ میں ہر طرف سے مخدوش حالات میں گھر چکا تھا۔ ان پریشان کن خیالات کی تپش سے میرا دماغ جلنے لگا۔ میں نے اپنی جلتی سلگتی کیفیات پر قابو پایا اور سب سے پہلے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے صبح ہونے سے پہلے یہاں سے دور نکل کر کسی ویرانے میں ڈیرا ڈالنا چاہئے۔

یہ سوچ کر میں آگے جنگل میں بڑھ گیا۔ جنگل زیادہ طویل نہ تھا۔ چاروں طرف ٹیلے ٹبوں کا خشک سلسلہ تھا۔ آسمان پر چاند اور تارے چمک رہے تھے۔ میں ایک ٹیلے کی آڑ لے کر زمین پر بیٹھ گیا۔ سردی زوروں پہ تھی مگر شکر تھا کہ میں نے موسم کی مناسبت سے گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے ہر قیمت پر فریدو کا راستہ کاٹنا تھا مگر مجھے اس کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی کہ وہ کب اور کس وقت اپنی ناپاک مہم پر روانہ ہو گا تاہم مجھے اتنی تسلی ضرور تھی کہ وہ کچھ روز بعد ہی نکلے گا کیونکہ اتنے طویل اور کٹھن سفر کیلئے اسے لمبی چوڑی منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی کو اپنا ہم خیال بنا کر اسے ساتھ لے کر نکلنے کی کوشش کرے۔

صبح ہونے میں ابھی کافی دیر تھی۔ میں وہیں سکڑا سمٹا بیٹھا تھا کہ اچانک میرے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی' میں بری طرح ٹھٹکا۔

غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کسی عورت کی گھٹی گھٹی رونے کی آوازیں تھیں۔ وہ اپنی آواز میں کچھ بولے بھی جا رہی تھی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نے اپنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لرزتے دل پہ قابو پایا اور آواز کی سمت سر اٹھا کر دیکھا تو معاً مجھے اپنی دائیں جانب ایک ٹیلے کے پیچھے سے دو انسانی ہیولے آتے دکھائی دیئے۔ چاند تاروں کی مدھم روشنی میں مجھے ایک ہیولا عورت اور دوسرا کسی مرد کا نظر آ رہا تھا۔ مرد کی گود میں کچھ دبا ہوا تھا شاید کوئی سویا ہوا بچہ تھا۔ مرد آگے لئے تیز قدموں سے بڑھا چلا آ رہا تھا اور عورت مرد کے عقب میں بے حال سی بھاگی چلی آ رہی تھی ساتھ ہی وہ روتے ہوئے منتیں بھی کر رہی تھی۔ میں ایک ٹیلے کی آڑ میں سرک گیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے میرے قریب سے گزرنے لگے۔

"رک جا..... رک جا..... ظالم..... میرا بچہ مجھے دے دے..... مت کر یہ گناہ....." اس عورت کو میں نے کہتے سنا۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شخص ضرور اس الم زدہ عورت کے معصوم بچے کو اغوا کر کے لے جا رہا ہے۔ میں اب زیادہ دیر نہیں چپ رہ سکتا تھا۔ میں فوراً اوٹ سے نکل کر مرد کے سامنے آ گیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی ٹھٹک کر رک گیا اور یوں پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا جیسے میں کوئی بھوت ہوں..... وہ مصیبت زدہ عورت بھی حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"کون ہو تم؟" اور اس بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے کڑک کر پوچھا۔

"مرد کی عمر چالیس کے پیٹے میں تھی۔ رنگ سانولا تھا۔ سر کے بال چھوٹے اور کانٹے دار چھچھوندر کی طرح کھڑے تھے۔ یہ مجھے اپنے گاؤں کا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ میری جھڑکی سن کر کرخت لہجے میں بولا۔ "تو کون ہے میرا راستہ روکنے والا..... چل ہٹ پرے۔" اس کی آنکھوں میں ایک وحشت سی ناچ رہی تھی۔

"پہلے اس غریب عورت کا بچہ اسے واپس لوٹا..... پھر تجھے آگے جانے دوں گا؟" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تیرا ہم میاں بیوی کے بیچ کیا کام..... رے..... یہ میرا بچہ ہے..... میں کہتا ہوں ہٹ جا راستے سے....." وہ خونخوار لہجے میں غرا کر بولا۔

مجھے اس کی بات سن کر حیرت کا جھٹکا لگا اور پھر میں نے اس کے عقب میں

خاموش کھڑی عورت سے تصدیق چاہی۔ "یہ کیا کہہ رہا ہے..... کیا یہ واقعی تیرا مرد ہے؟"

"ہاں۔" اس عورت نے آنسو بھرے چہرے سے میری طرف دیکھ کر ہولے سے کہا۔

میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"پھر تو کیوں رو رہی تھی..... تو اپنے شوہر کو کس گناہ سے روک رہی تھی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

عورت کی بجائے اس کا مرد بولا۔ "بس زیادہ بات نہیں..... تجھے معلوم ہو گیا..... اب چھوڑ ہمارا راستہ....."

دونوں میاں بیوی کا کوئی معاملہ تھا میں کیا کر سکتا تھا۔ اس لئے خاموشی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ حیرت کی بات ہوئی کہ وہ عورت مزید کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ راستہ ملتے ہی وہ مرد آگے بڑھ گیا۔ عورت اسی طرح روتی دھوتی اپنے شوہر کو کوستی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے گرتی پڑتی چلی گئی۔ میرا دل بے چین سا ہو گیا۔ میں نے ان دونوں پراسرار جوڑے کا تعاقب کرنے کی ٹھانی اور ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

وہ دونوں کافی دور جا کر ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے۔ میں انہیں تلاش کرتا ہی رہ گیا۔ تب میں نے ان پر لعنت بھیجی اور وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ میں خود پریشان تھا اس لئے ان کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ مجھے وہاں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ معاً ایک آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔ میں نے چونک کر آواز پر دھیان لگایا تو اندازہ ہوا کہ یہ کسی لکڑی کے جلنے اور چٹخنے کی آواز ہے..... ساتھ ہی فضا میں بھی ہلکی ہلکی چراند پھیلنے لگی۔ اب میرا ماتھا ٹھنکا..... میں لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز پر آگے بڑھا تو ایک نسبتاً بلند ٹیلے کی آڑ سے جھانکا تو چونک گیا۔

سامنے ایک دوسرے ٹیلے کی ڈھلانی دیوار کی کھوہ میں مجھے روشنی کے ساتھ چنگاریاں پھوٹتی نظر آئیں۔ میں پریشان سا ہو گیا۔ جانے کیا گورکھ دھندہ تھا؟ لیکن تجسس کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اس لئے چھپتا چھپاتا آگے بڑھا۔ روشنی اب ماند پڑنے لگی تھی۔ میں ابھی کھوہ کے قریب پہنچا تھا کہ اچانک اندر سے ایک لرزہ خیز چیخ بلند ہوئی جو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دور تک پھیلے ٹیلوں کے سناٹوں میں خنجر کی طرح اترتی چلی گئی۔ اس خوفناک چیخ نے مجھے ایک لمحے کو دہلا کر رکھ دیا۔ میں اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا..... میری نظریں کھوہ پر جم گئیں۔

پھر اچانک میں نے کھوہ کے اندر سے ایک عورت کو باہر نکلتے دیکھا۔ یہ وہی عورت تھی جسے میں نے ابھی کچھ دیر پہلے اپنے میاں کے پیچھے روتے گڑگڑاتے جاتے دیکھا تھا۔ اس کی گود میں بچہ تھا وہ اسے لئے یوں کھوہ سے نکلی تھی جیسے اس کے عقب میں کوئی عفریت ہو۔ وہ اپنے بچے کو سنبھالے دیوانہ وار دوڑی چلی آ رہی تھی۔ اس عورت کے نکلتے ہی میں نے ایک دہشت ناک منظر دیکھا..... کھوہ کے اندر سے اس کا میاں برآمد ہوا۔ اس کی حالت دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میرا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ اس کی گردن نصف حد تک ادھڑی ہوئی تھی اور ادھ کٹا سر اس کے دائیں کاندھے پر جھول رہا تھا جہاں سے خون بہ کر اس کے سارے کپڑے رنگین کر رہا تھا مگر اس کے باوجود وہ دونوں باز پھیلائے..... اپنی بیوی کو پکڑنے کیلئے دوڑ رہا تھا۔ اس کی بیوی مجھے کھڑا دیکھ کر میرے قریب آ کر وحشت زدہ لہجے میں بولی۔ ”میرے بچے کو اس شیطان سے بچا لو..... تمہیں اللہ کا واسطہ نہیں تو یہ مردود میرے معصوم بچے کی جان لے لے گا۔“

اس کی زبان سے اللہ کا نام سن کر میرے اندر اس مصیبت زدہ عورت کی مدد کرنے کا جذبہ بیدار ہوا..... اور پھر میں اس کے آگے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے اس کا زخمی شوہر بھی لڑکھڑاتا ہوا میرے قریب آ پہنچا۔ مجھے اس سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی قابل رحم ہیئت کے باوجود تن کر کھڑا تھا پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو سیدھا کیا اور انگار برساتی آنکھوں سے مجھے گھور کر خرخراتی آواز میں بولا۔

”اوئے..... تو پھر میرے راستے میں آ گیا۔ میں کہتا ہوں ہٹ جا میرے آگے سے ورنہ جان سے مار ڈالوں گا۔“

ایک لمحے کو میں اس خبیث کی دھمکی سے ڈرا مگر پھر اللہ کے نام کا ورد کرتے ہوئے اس سے مضبوط اور درشت لہجے میں بولا۔ ”اے خبیث انسان..... یہ کیا بھید ہے؟ تو کون ہے؟“

”میں ایک بہت بڑا جادوگر ہوں سمجھا..... ہٹ جا میرے راستے سے۔“ وہ غرا کر بولا اور آگے بڑھ کر مجھے ایک طرف کو زور کا دھکا دیا۔ مجھے اس سے اتنی زور آزمائی کی امید نہ تھی۔ میں بچتے بچتے بھی ایک طرف کو لڑکھڑا سا گیا۔ اس نے فوراً عورت کو پکڑ لیا اور اس سے بچہ چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے سنبھلتے ہی اس مردود پر جست لگائی اور اسے رگیدتا ہوا زمین پر آ رہا۔ میں گرتے ہی فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن وہ نہیں اٹھ سکا شاید وہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ میں عورت کی طرف متوجہ ہوا۔

”چلو بہن..... یہ شیطان مر گیا ہے..... میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں۔“

”نہیں..... یہ..... یہ نہیں مرا ہے..... پہلے اس کا سر کچل دو..... پھر مجھے تسلی ہو گی ورنہ یہ میرے بچے کو پھر مجھ سے چھین لے گا۔“ وہ عورت ابھی تک دہشت زدہ تھی۔ بچہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اسے شاید بے ہوش کیا گیا تھا۔

میں نے عورت کو تسلی دی۔ ”نہیں..... یہ مر چکا ہے..... چلو آؤ۔“ میں نے نرمی سے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔ ”کیا یہ بچہ بے ہوش ہے؟“ میں نے چلتے چلتے دریافت کیا۔

”ہاں..... اس مردود نے اس معصوم کو افیم چٹا دی تھی۔“ وہ نفرت سے بولی۔

”مگر تم لوگ کون ہو؟ پہلے کبھی تو یہاں نہیں دیکھا..... اور..... یہ کیا چکر ہے..... تمہارا شوہر کیا چاہتا تھا؟“ میں نے چلتے چلتے اس سے سوال کیا۔

”بھیا..... تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے..... اس کا اجر تمہیں اللہ ہی دے سکتا ہے..... تم مجھے گھر تک پہنچا دو۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔“ وہ لجاجت سے بولی اور چلتے چلتے بار بار خوف زدہ نظروں سے عقب میں دیکھنے لگی جیسے اسے ابھی تک اپنے مردہ شوہر سے خوف ہو۔

چلتے چلتے..... ہم ایک ویرانے میں آ گئے۔ سامنے ایک جھونپڑی دکھائی دی جس کے اندر سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہ عورت مجھے لئے اندر جھونپڑی میں آ گئی۔ اندر ایک لالٹین جھول رہی تھی۔ بوسیدہ سے فرش کے وسط میں ایک انگیٹھی پڑی تھی جو سرد تھی۔ اچانک میری نظر فرش پر ایک میلی چیکٹ گدڑی پر سوئے ہوئے ایک اور بچے پر پڑی۔ وہ اس بچے کا ہم عمر ہی نظر آ رہا تھا جو عورت کی گود میں تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یہ بھی تمہارا بچہ ہے بہن؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..... یہ بھی میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔" اس کے لہجے میں ممتا بھرا غرور تھا۔

"کیا اسے بھی اس کے مردود باپ نے افیم کھلا دی تھی؟" میں نے بچے کے قریب گدڑی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں....." وہ ہولے سے سوئے ہوئے بچے کی طرف دیکھ کر بولی۔ پھر اس نے دوسرے بچے کو بھی پہلے والے کے ساتھ لٹا دیا اور انگیٹھی میں کوئلوں کو سلگانے کے بعد گدڑی پر میرے قریب آ بیٹھی۔ میں بغور اس کے سانولے چہرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے جو کچھ بتانا شروع کیا اسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کرم داد عرف کرموا اس کا شوہر تھا۔ وہ بلا کا نکھٹو تھا۔ کام کرنے سے اس کی جان جاتی تھی۔ وہ موضع سکھ وال کے دوسرے گاؤں میں رہتا تھے۔ اس کی بیوی' جو میرے سامنے بیٹھی تھی اس کا نام سکینہ تھا۔ وہ بے چاری حویلی میں جھاڑ پونچھ کیا کرتی تھی۔ کرمو کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا لمبی تانے گھر پڑا رہتا تھا۔

جوئے کی اسے لت تھی اور اب چرس بھی پینے لگا تھا۔ اپنی بیوی سکینہ سے مار مار کر پیسے چھین لیتا تھا۔

نہ جانے کس ہندو جوگی سنیاسی نے اسے پٹی پڑھا دی تھی..... اور اسے چند روپوں کی خیرات بطور "نذرانہ" کے عوض اسے ایک کالے منتر کا جاپ بتا دیا۔ کرمو پہلے ہی نکھٹو تھا مشقت کرنے سے اس کی جان جاتی تھی۔ خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے اور ویسے بھی کوئی لمبا ہاتھ مارنا چاہتا تھا' جس سے بیٹھے بٹھائے ڈھیروں دولت حاصل ہو اس لئے وہ اس ہندو جوگی کی باتوں میں آ گیا۔ ان دنوں کرمو کے ہاں جڑواں بچوں کی ولادت ہوئی۔ ہندو جوگی کے کہنے کے مطابق کرمو کو اپنے جاپ کے آغاز سے پہلے کسی تاریک ویرانے میں آگ روشن کر کے اپنے ایک بچے کو ذبح کر کے اس کا خون بھڑکتے شعلوں میں ڈالنا تھا۔ سکینہ نے جو اپنے نکھٹو شوہر کا یہ حال دیکھا کہ وہ دولت کے نشے میں اندھا ہو کر اپنے بچے کو شیطانی عمل کی بھینٹ چڑھانے کا فیصلہ کر چکا ہے تو اس نے سینہ پیٹ ڈالا۔ سکینہ بے چاری شوہر کے خطرناک ارادوں پر اس کی منت سماجت کرنے لگی مگر کرمو کی آنکھوں پر تو لالچ کی پٹی بندھ چکی تھی۔ کرموا سے ڈراتا

دھمکاتا بھی تھا کہ اگر اس نے کسی سے اس بات کا ذکر کیا یا آڑے آئی تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

پھر کرموا اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہاں ویرانے میں سرکنڈوں کی جھونپڑی بنا کر فروکش ہو گیا اور آخری چاند کی راتوں کا منتظر رہنے لگا۔ سکینہ غم سے پاگل ہو رہی تھی۔ آج رات جب کرموا اپنے ایک بچے کو شیطانی عمل کی خاطر اس تاریک خلا میں لے گیا اور آگ روشن کر کے جب چھرے سے اپنے بچے کا گلا کاٹنے لگا تو عین وقت پر سکینہ کے اندر کی دلیر ممتا جاگ اٹھی اور اس نے اپنے شوہر کے ہاتھ سے چھرا جھپٹ کر اس کا ہی گلا کاٹ ڈالا اور اپنے بچے کو اس کے قبضے سے چھڑا کر واپس بھاگی۔ یہ تھی اس بے چاری الم نصیب کی داستان۔

یہاں بھی کالے منتروں کی کارستانی سن کر میرا دل و دماغ ان شیطانی عملیات سے شدید نفرت محسوس کرنے لگا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ جو بھی مجھے ان چکروں میں مبتلا نظر آئے اسے صفحہ ہستی سے ہی مٹا ڈالوں۔ یہ تو شکر تھا کہ میرا اپنا چھوٹا بھائی عمیر ان منتروں کے کالے راستوں پر چلنے سے تائب ہو گیا ورنہ میں تو اس سے بھی آڑے ہاتھوں نمٹنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ساری داستان سننے کے بعد میں نے روتی سسکتی سکینہ کو تسلی دی اور اس سے بولا۔ "بہن تو نے واقعی بہت بہادری کا کام کیا ہے..... اب تو اپنا دل مضبوط کر..... تجھے اپنے ان دونوں پھولوں جیسے بچوں کو پالنا ہے..... چل میں تجھے تیرے گاؤں چھوڑ آؤں؟"

"بھیا! تیری بڑی مہربانی تیری موجودگی سے میرے دل کو کافی ڈھارس بندھی ہے۔" وہ میری طرف دیکھ کر ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ "پر بھیا..... اس وقت رات ہو رہی ہے بس کوئی دم کو سویرا ہو جائے گا تو میں خود ہی چلی جاؤں گی اپنے گاؤں....."

میں اس کی بات سن کر چپ ہو رہا..... وہ چند ثانئے خاموش مگر سوچتی ہوئی نظروں سے میرے چہرے کو دیکھتی رہی پھر پوچھا۔ "بھیا تو کون ہے؟ تو نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا..... اتنی رات گئے تو اس ویرانے میں کیا کر رہا تھا؟"

میں نے اس کے سوال پر قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر پھیکی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مسکراہٹ سے بولا۔

''بہن! بس یوں سمجھ! میں بھی تیری طرح ایک کالے منتر کا مارا ہوا ہوں۔''

''کک..... کیا؟'' وہ جیسے سگی بہنوں کی طرح متفکر ہو کر بولی۔

''بھیا! کیا اپنی بہن سے حقیقت بیان نہیں کرے گا..... کیا خبر میں اپنے بھائی کے کام ہی آ جاؤں؟'' اس کے لہجے میں بہنوں جیسی محبت کو محسوس کر کے بے اختیار میرا جی چاہا کہ اسے حقیقت بتا ڈالوں..... مسئلہ بیان کرنے پر کوئی نہ کوئی تجویز اپنے نہیں تو دوسرے کے ذہن میں آ جاتی ہے..... لہٰذا یہ سوچ کر میں نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ جس طرح میں اس کی پراسرار کتھا سن کر ششدر رہ گیا تھا۔ اسی طرح اس نے بھی میری لرزہ خیز بپتا سن کر اپنی انگلی دانتوں تلے دبا لی۔

چند ثانئے جھونپڑی کے مسدود ماحول میں مبہوت سی خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد اس نے مہر سکوت توڑتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''بھائی یہ فرید تو بڑا ہی شیطانی چکر چلانے والا ہے..... تمہیں اسے ہر قیمت پر روکنا ہوگا۔''

''ہاں..... کوشش تو میری یہی ہے مگر پورا گاؤں اس وقت میری جان کا دشمن ہو گیا ہے۔ ایسے میں فرید و کمینے پر میں کس طرح نظر رکھ سکتا ہوں؟'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

وہ فوراً بولی۔ ''تو ایسا کیوں نہیں کرتا بھائی کہ اپنا بھیس بدل لے اور فرید کو پکڑنے کی کوشش کر.....''

اس کی تجویز سن کر میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں حیران رہ گیا کہ اتنی سادہ اور کارآمد تجویز اس سے پہلے میرے ذہن میں کیوں نہ آئی۔

''ہاں..... بہن یہ تم نے درست تجویز دی..... مگر اس کیلئے بھی مجھے مستقل ٹھکانے کی ضرورت پڑے گی..... آخر میرے ٹھکانے کا بھی تو کوئی جواز ہونا چاہئے کیونکہ مجھے ایک قاتل کے روپ میں تلاش بھی کیا جا رہا ہوگا جس کی مجھے پوری توقع ہے کہ گاؤں والوں نے میرے خلاف سکھ وال کی پولیس کو بتا دیا ہوگا اور میرے خلاف قاتل کی حیثیت سے ایف آئی آر بھی کٹوا دی ہوگی۔''

''کوئی مسئلہ نہیں بھائی۔'' سکینہ یک دم بولی۔ ''تم ایسا کرو جب تک حالات

سازگار نہیں ہو جاتے..... تم میرے بھائی بن کر میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔''

میں نے اس کی بات سن کر اس کا چہرہ دیکھا جہاں ایک بہن کا بھائی سے پیار کا جذبہ نگینے کی طرح دمک رہا تھا۔ اس کی یہ تجویز بری نہیں تھی کیونکہ میرے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ازیں علاوہ مجھے اپنی پیشانی سے ایک مفرور قاتل کا جھوٹا داغ بھی دھونا تھا۔ یہ سب تبھی ممکن تھا جب مجھے سر چھپانے کو کوئی ٹھکانہ میسر نہ آ جاتا..... چونکہ میں پیچیدہ حالات کا شکار تھا اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے سکینہ کی بات مان لینی چاہئے۔ چنانچہ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بہن! تو نے مجھے بھائی سمجھا ہے تو مجھے بھی بھائی ہی کی طرح رہنا ہوگا اور میں تجھ پر ہرگز بوجھ بن کر نہیں رہوں گا..... میں تجھے حویلی میں کام کرنے کی اجازت نہیں دوں گا..... میں خود کماؤں گا اور تو گھر میں میرے ان ننھے منے پیارے پیارے بھانجوں کو سنبھالے گی۔''

میری بات سن کر وہ بے اختیار مسکرا اٹھی۔

دفعتاً جھونپڑی کے دروازے پر آہٹ ہوئی..... سکینہ کی نظریں سب سے پہلے دروازے کی طرف اٹھیں اور دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے دہشت زدہ چیخ خارج ہو گئی۔ میں نے دروازے کی طرف گردن موڑ کر دیکھا تو وہ بھیانک منظر دیکھ کر میرا دل بھی بری طرح دہل گیا۔ دروازے پر سکینہ کا شوہر کرموکھڑا تھا۔ اس نے اپنی ادھڑی ہوئی گردن کو مسلسل ایک ہاتھ سے سنبھالے سر کو سیدھا رکھا ہوا تھا۔ خون بہہ بہہ کر جم چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک شعلے پھوٹ رہے تھے۔ اب تو اس کے بائیں ہاتھ میں وہ لمبا سا خون آلود چھرا بھی دبا ہوا تھا جس سے سکینہ نے اس کی نصف حد تک گردن کاٹ ڈالی تھی۔

سکینہ چیخ مار کر اپنے سوئے ہوئے دونوں بچوں کے پاس جا پہنچی۔ مبادہ اس کا ظالم شوہر انہیں دوبارہ ظلم کا نشانہ بنانے کی کوشش کرے۔ میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر خرخراتی آواز میں بولا۔ ''سکینہ..... مجھ پر رحم کر..... میرا جاپ پورا ہو لینے دے..... یہ بچے دے دے مجھے..... ورنہ میں ساری عمر اس ادھڑی گردن کے ساتھ گھومتا رہوں گا۔'' اس نے جیسے اپنی بیوی کی منت کی۔

میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''اے بدبخت انسان!

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لعنت ہے تجھ پر.....تو ایک شیطانی عمل کی خاطر معصوم بچوں کی جان لینا چاہتا ہے اور وہ بھی اپنے بچوں کی جان.....صد حیف.....“

”تو خاموش رہ.....جانتا نہیں میں کیا بن گیا ہوں.....میری حالت پر تم کو رحم نہیں آ رہا۔“ وہ مجھے گھور کر بولا۔

”یہ تیرے اپنے کالے کرتوتوں کی سزا ہے۔“ میں نے اسے مرعوب کرنے کیلئے کہا۔

”تو میرے سامنے سے ہٹ جا.....مجھے اپنی بیوی سے بات کرنے دے۔“ وہ کرخت لہجے میں بولا پھر سکینہ سے منت سماجت کرنے لگا۔ ”سکینہ! دیکھ.....میں تیرا شوہر ہوں.....مجھ پر تجھے ترس نہیں آ رہا.....مجھے اپنا منتر پورا کر لینے دے.....ورنہ میں ساری عمر اسی طرح تکلیف کے مارے سسکتا رہوں گا کیونکہ اس ادھورے منتر کی وجہ سے مجھے موت بھی نہیں آئے گی‘ ورنہ میں اپنے آپ کو مار کر اس اذیت سے چھٹکارا پا لیتا.....دیکھ.....مجھے ایک بچہ دے دے۔“

سکینہ پر اس کی گریہ وزاری کا مطلق اثر نہ ہوا بلکہ اس کی سنگدلانہ گفتگو پر وہ جوش میں آ گئی اور کھڑے ہو کر بپھری ہوئی شیرنی کی طرح غرا کر بولی۔ ”میں تجھے ہرگز اپنا بچہ نہ دوں گی۔ تجھے اب اپنے کئے کی سزا بھگتنا ہو گی.....جا دفع ہو جا یہاں سے.....“

اپنی بیوی کے حتمی جواب پر وہ بھنا گیا۔

”میں ہر قیمت پر یہ بچہ لے کر رہوں گا۔ دیکھتا ہوں کون میرا راستہ روکتا ہے۔“ یہ کہتے ہی وہ چھرا لے کر آگے بڑھا۔ میں فوراً اس کے جارحانہ تیور بھانپ کر اس کے آگے آ گیا۔ اس نے وحشت انگیز غراہٹ سے مجھ پر چھرے سے وار کیا۔ سکینہ کے حلق سے اضطراری چیخ نکل گئی۔ میں نے جھکائی دے کر خود کو اس کے وار سے بچایا اور پھرتی سے اس کی چھرے والی کلائی پکڑ لی اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے چھرا چھین لیا۔ وہ اپنی کلائی چھڑا کر سوئے بچوں کی طرف لپکا۔ سکینہ کو ایک طرف دھکا دیا۔ ایک بچے کو بیدردی سے بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ سکینہ چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ وہ اسے ایک طرف دھکا دے کر باہر کی طرف بھاگا میں نے راہ میں اسے دبوچ لیا۔ بچہ

جاگ کر رونے لگا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ.....کرمو کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا۔ اس کے حلق سے غراہٹ آمیز چیخ نکلی۔ وہ فرش پر گر گیا۔ میں نے اس سے پہلے ہی بچے کو اس کے شکنجے سے چھڑا لیا۔

سکینہ اپنے بچے کو لے کر ایک کونے میں دبک کر گھٹی گھٹی ہذیانی چیخیں مارنے لگی۔ میں خون آلود چھرا پکڑے کرمو کو تڑپتے ہوئے دیکھنے لگا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلکنے لگی تھی۔ اس کے پیٹ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اب زندہ نہیں بچے گا مگر دوسرے ہی لمحے میں ششدر رہ گیا وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت انتہائی خوفناک لگ رہی تھی۔ میں حیران تھا کہ وہ اب تک زندہ تھا۔

”تم مجھے نہیں مار سکتے.....نہیں مار سکتے۔“ کرمو غراہٹ سے مشابہ آواز میں بولا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا اور اس نے ایک بار پھر سکینہ کی طرف بڑھنا شروع کیا جواب اپنے دونوں روتے ہوئے بچوں کو خود سے چمٹائے جھونپڑی کے کونے میں دبکی ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے اس پر فوری عمل کیا۔ میں جان گیا تھا کہ کرمو اپنے ادھورے کالے عمل کی وجہ سے شیطان بن چکا ہے لہٰذا اس شیطان کا سر ہی دھڑ سے جدا کر دینا چاہئے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اسے دھکا دیا۔ وہ زمین پر گرا میں اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور چھرے کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سکینہ یہ دلخراش منظر دیکھ کر خوف کے مارے چیخنے لگی اور دونوں معصوم بچوں کو اپنے پیچھے چھپا لیا۔ میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سکینہ اور دونوں بچوں کو لے کر جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ میں نے جلدی سے اندر سلگتی ہوئی انگیٹھی سے سرکنڈوں کو آگ دکھائی پھر سکینہ اور اس کے دونوں بچوں کو ایک طرف لے چلا۔ عقب میں جھونپڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ آگ کی وجہ سے خاصی دور دور تک کا تاریک ماحول روشن ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

سکھ وال کا وہ گاؤں جہاں سکینہ رہتی تھی زیادہ دور نہ تھا۔ بقول سکینہ چند ہی کوس کے فاصلے پر تھا ہم دونوں نے بالآخر یہی فیصلہ کیا تھا کہ اس کے گاؤں ہی چلنا چاہئے چونکہ میں ہر صورت صبح کی روشنی سے پہلے کسی محفوظ ٹھکانے میں پناہ لینا چاہتا تھا۔ پو پھٹنے سے ذرا ہی دیر پہلے ہم گاؤں کی حدود میں داخل ہو گئے۔ پھر کپاس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے کھیتوں کے درمیان تیز تیز چلتے آبادی کے قریب پہنچے۔ سامنے ایک گارے مٹی کی جھگی سی بنی نظر آ رہی تھی۔ دائیں بائیں کچھ اور جھونپڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ اس سے ذرا دور کچے مگر قدرے معقول گھروں کے بے ترتیب سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ ہم سامنے والی جھگی میں داخل ہو گئے۔

ایک ہی کمرہ تھا۔ سامنے صحن کے نام پر ایک کھلا بوسیدہ سا حصہ..... اندر کوٹھری نما تنگ و تاریک کمرے میں ایک جھلنگا سی چارپائی نظر آ رہی تھی۔

باہر پو پھٹ چکی تھی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ صبح ہونے کی خبر دے رہی تھی۔ دونوں بچوں پر افیون کا ابھی تک نشہ طاری تھا۔ ایک تو میری اور دوسرا سکینہ کی گود میں تھا۔ دونوں ہی اونگھتے' کسمساتے سو گئے تھے۔ چارپائی پر ایک میلی سی بوسیدہ چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہم نے دونوں بچوں کو دھیرے سے اس پر لٹا دیا۔ صحن سپیدہ سحر سے دھیرے دھیرے منور ہو رہا تھا۔ میرا سر تھکن اور نیند سے بوجھل ہو رہا تھا۔ سکینہ نے میری کیفیت بھانپ لی اور جلدی سے اندر کوٹھری کے ایک کونے میں زمین پر پرانا بستر لگا دیا۔ اس وقت بھری نیند میں مجھے یہ بھی غنیمت لگا۔

سکینہ نے بہنوں والی محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ''بھائی! تم سو جاؤ..... کہیں تمہاری طبیعت نہ خراب ہو جائے۔''

میں نے ایسا ہی کیا اور پرانا سا پیوند زدہ کھیس اوڑھ کر گہری نیند میں ڈوب گیا۔

☆.....☆.....☆

آنکھ کھلی تو دن روشن ہو چکا تھا۔ سکینہ چارپائی پر بیٹھی دونوں بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔

''بھائی بھوک لگی ہے تو روٹی لا دوں؟'' اس نے مجھے جاگتے دیکھ کر دھیرے سے کہا۔ مجھے بھوک تو محسوس ہو رہی تھی مگر میں بولا۔ ''تو بچوں کو آرام سے دودھ پلا لے..... پھر روٹی کھا لیں گے۔''

''اچھا بھائی! تو پھر جب تک نہا دھو لے..... باہر پانی موجود ہے۔'' اس نے کہا اور میں خاموشی سے آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

صحن کے کونے میں ایک انتہائی مختصر سرکنڈوں کی آڑ بنی ہوئی تھی۔ میں اس کے پیچھے چلا گیا۔ وہاں پانی سے بھری ایک بالٹی موجود تھی اور لوٹا بھی پڑا ہوا تھا۔

میں نصف گھنٹے کے اندر اندر نہانے وغیرہ سے فارغ ہو کر نکلا تو سکینہ ایک کونے میں چولہا جلائے روٹیاں پکا رہی تھی۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ اس نے جو کی روٹی اور ساگ بنایا تھا۔ ایک گڑوی سے مکھن نکال کر اس نے دو روٹیاں چپڑ کر اس پر ساگ رکھا اور میرے آگے ڈلیا میں ڈال کر رکھ دیا۔ روٹی مزیدار تھی۔ میں تین روٹیاں کھا گیا۔ سکینہ بھی وہیں بیٹھ کر روٹی کھانے لگی۔ روٹی کھانے کے بعد میں نے جست کے ایک ٹیڑھے میڑھے گلاس میں پانی پیا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو بھائی؟'' اس نے روٹی کھاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''سوچ رہا تھا اپنے گاؤں کا ایک چکر لگا لوں تاکہ حالات کا اندازہ ہو۔'' میں نے ہولے سے کہا۔

وہ بولی۔ ''بھائی! ابھی تیرا اپنے گاؤں جانا ٹھیک نہیں ہے..... تو کیسے جائے گا؟''

''وہی تیرے والی ترکیب آزمانی پڑے گی..... مگر میں اپنا بھیس کیسے بدلوں؟'' میں نے الجھ کر کہا۔

وہ بولی۔ ''تو ابھی ادھر ہی ٹھہر..... میں حویلی جاؤں گی تو واپسی میں خیر دین کی دکان سے نقلی داڑھی اور مونچھ لے کر آؤں گی..... تو وہ چہرے پر لگا لینا۔''

میں اس کی بات سن کر خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے دونوں نومولود بچوں کو لئے باہر نکل گئی۔

شام کے وقت اس کی واپسی ہوئی۔ اس نے ایک بچہ گود میں اٹھا رکھا تھا اور دوسرا اس کی پشت سے بندھی گٹھڑی نما چادر میں جھول رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سیاہ رنگ کی نقلی داڑھی مونچھیں تھیں۔ اس نے دونوں بچوں کو کوٹھڑی کے فرش پر لٹا دیا۔ میں اس کے ہاتھ سے نقلی داڑھی مونچھیں لے کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس میں ذرا سی ردوبدل کرنا تھی تاکہ وہ نقلی نہ محسوس ہوں۔ سکینہ نے مجھے بتایا تھا کہ خیر دین چاچا اپنی دکان پر بچوں کیلئے مٹی کے کھلونے اور ایسی اشیاء رکھتا تھا۔ مٹی کے کھلونوں پر مجھے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اچانک ایک خیال آیا اور میں نے سکینہ سے کہا۔ ”بہن ایسا نہیں ہوسکتا کہ تو مجھے بہرہ سے مٹی کے کھلونے لا دے..... میں انہیں گھر گھر جا کر بیچوں گا..... اس طرح آمدنی بھی ہوگی اور میں اپنے گاؤں اور گھر بھی آ جا سکوں گا۔ اس کے ساتھ ساتھ فرید پر بھی نگاہ رکھ سکوں گا۔“

وہ جھٹ اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ ”لو یہ کونسی مشکل بات ہے۔ چاچا خیر دین مجھے اچھی طرح جانتا ہے..... اس نے پہلے مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ اگر میرا گھٹو شہر کرمو..... اس سے مٹی کے کھلونوں کا ایک ٹوکرا گھر گھر لے جا کر فروخت کرے تو اچھا خاصا کما سکتا ہے۔ میں وہ ٹوکرا تجھے لا دیتی ہوں۔“ میں اس کی بات سن کر خوش ہوگیا۔

”ٹھیک ہے بہن! میں ذرا یہ داڑھی مونچھیں لگا لوں..... اس کے بعد تیرے ساتھ جا کر چاچے خیر دین سے کھلونوں کا ٹوکرا لے آتا ہوں۔“ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

چنانچہ میں نے سب سے پہلے سکینہ سے قینچی اور ایک چھوٹا سا آئینہ مانگا۔ وہ دونوں چیزیں اس نے میرے سامنے رکھ دیں۔ قینچی پرانی اور زنگ آلود تھی۔ آئینے کے نام پر شیشے کا ایک ٹکڑا تھا۔ کام چل گیا۔ میں نے سب سے پہلے اپنے بال خود ہی کاٹ کر چھوٹے کیے پھر نقلی داڑھی مونچھیں لگا کر اس کے اضافی حصوں کو کاٹا پھر سکینہ نے اور میں نے ایک ایک بچہ گود میں اٹھایا اور سیدھے خیر دین چاچا کی دکان پر پہنچے۔ وہ ایک ساٹھ سالہ بوڑھا تھا۔ مگر صحت کافی اچھی تھی۔ سکینہ نے میرا تعارف بھائی کی حیثیت سے کروایا اور اس سے کھلونوں کا ٹوکرا مانگا۔

”پورے..... چالیس کے قریب کھلونے ہیں۔“ کچھ دیر بعد چاچا خیر دین نے گن کر چالیس مٹی کے کھلونے ایک بڑے سے ٹوکرے میں ڈال کر کاروباری لہجے میں کہا اور ساتھ ہی کھلونوں کی قیمت بھی بتائی۔ ”ہر کھلونے پر دو روپے منافع تیرا۔ یہ خیال رکھنا کوئی کھلونا ٹوٹا تو وہ تیرے منافع سے کاٹ لوں گا۔“

میں نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں ٹوکرا سر پر رکھ کر کچھ آگے بڑھا تو میں نے کہا۔ ”بہن! تو اب گھر جا..... میں ذرا پھیرا لگا کر آتا ہوں۔“

وہ حیرت سے بولی۔ ”بھائی! ابھی تو شام ہونے والی ہے..... صبح تڑکے نکل

جانا..... ابھی تو سارے گاؤں کے لوگ سونے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔“

مجھے اس کی بات مناسب لگی اور پھر ہم واپس جھونپڑی میں آ گئے۔

اگلے دن میں نے چائے پاپے کا ناشتہ کر کے سب سے پہلے سکینہ کے گاؤں کا ایک پھیرا لگایا۔ بیس کے قریب کھلونے تو ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ اب میں نے بقیہ کھلونے اپنے گاؤں جا کر بیچنے کا ارادہ کیا اور چل پڑا۔

اچانک میری نگاہ سامنے پڑی۔ میں بری طرح ٹھٹکا۔ وہ تین سپاہی تھے جو چند گاؤں والوں کو کھڑا کر کے ان سے کچھ پوچھ تاچھ کر رہے تھے۔ میرا دل زور سے دھڑکا اور میں نے ان کے قریب سے گزرنا مناسب سمجھا اور اپنے تاثرات پر قابو پائے ان کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ ٹوکرا ہنوز میرے سر پر دھرا تھا۔ میرا خدشہ درست ثابت ہوا۔ تینوں سپاہی میرے بارے میں گاؤں والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے کہ انہوں نے کسی مشکوک شخص کو اپنے گاؤں میں تو نہیں دیکھا۔ جو ٹباں والی کا باسی ہے اور ایک بے گناہ کا قتل کر کے فرار ہوگیا ہے نیز انہوں نے انہیں میرا اور میرے چھوٹے بھائی عمیر کا حلیہ اور نام بتایا مگر وہاں موجود لوگ لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔ میں خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ شکر تھا کہ پولیس میری طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ میں اپنے گاؤں آ گیا۔

گاؤں میں سراسیمگی کی فضا طاری تھی۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا تاہم مجھے تسلی تھی کہ کوئی مجھے پہچان نہیں پائے گا کیونکہ میں نے اپنا حلیہ بدل رکھا تھا۔

میں ”کھلونے والا..... کھلونے لایا۔“ کی صدائیں لگاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ پہلے میں نے سوچا اپنے گھر جاؤں..... مگر پھر سب سے پہلے میں نے چھیداں کے گھر جا کر اپنے چھوٹے بھائی عمیر کی خبر لینا ضروری سمجھا۔ لہٰذا تھوڑی دیر بعد میں اس کے گھر کے باہر ”کھلونے والا..... کھلونے لایا“ کی صدائیں لگانے لگا تو اندر سے ایک بڑی نسوانی آواز ابھری۔

”یہاں کوئی بچہ نہیں ہے..... بابا..... آگے جا.....“ میں اس آواز کو پہچان گیا تھا۔ یہ کڑکڑاتی آواز تیز طرار چھیداں کی تھی۔ جب میں بدستور صدا لگاتا رہا تو اچانک دروازہ کھلا اور چھیداں کا بھنایا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ ”بابا..... جاؤ یہاں سے..... کہا نا.....

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہاں کوئی بچہ نہیں ہے جو تیرے کھلونے خریدے۔"

میں نے اطراف کا جائزہ لیا پھر چھیداں سے سرگوشی میں بو

"چھیداں..... یہ میں ہوں..... وقار..... عمیر کا بھائی۔"

میری بات سن کر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ قصہ مختصر میں اس سے اپنے بھائی عمیر کی خیر خیریت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ وہ بالکل ٹھیک محفوظ ہے..... مگر ذرا پریشان رہتا ہے' کیونکہ چھیداں کے باپ اور سوتیلی ماں کو دیگر گاؤں والوں کی طرح یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ عمیر اور وقار پیر صاحب کا قتل کے بھاگے ہیں۔ اسے اب مخبری کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے۔ نیز موضع سکھ وال پولیس بھی ہم دونوں بھائیوں کو مفرور قاتلوں کی حیثیت سے ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔

یہ میرے لئے واقعی تشویش کی بات تھی۔ میں نے چھیداں سے کہا

"چھیداں..... میرے بھائی کو تو پھر یہاں بہت خطرہ ہے..... تیرے ماں باپ نے ا کی مخبری کر دی تو مصیبت آ جائے گی۔"

وہ ہمیشہ کی طرح بے نیازی سے بولی۔ "وہ دونوں یہ جرات نہیں کر سکیں گے..... کیونکہ میرا باپ کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے گھر سے قاتل پکڑا جائے۔ اس طرح وہ سب مصیبت کا شکار ہو جائیں گے۔"

"مگر تیری سوتیلی ماں تو کوئی گل کھلا سکتی ہے ناں....." میں نے تفکر سے کہا۔

وہ دانت پیس کر اور ہاتھ نچا کر بولی۔ "ذرا کر کے تو دکھائے وہ یہ حرکت..... میں اس کا گلا نہیں دبوچ لوں گی۔"

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک پانچ چھ پیادہ پولیس کا دستہ اچانک نمودار ہوا۔ میں پریشان ہو گیا۔ ساتھ ایک موٹا تھانیدار بھی تھا مگر چھیداں انہیں دیکھ کر ذرا بھی نہیں گھبرائی۔ پولیس والے میرے قریب آئے پھر اس موٹے تھانیدار نے کڑک کر چھیداں کو مخاطب کر کے کہا۔ "لڑکی! ہم تیرے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

☆.....☆.....☆

میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا تھا۔

چھیداں بھی سناٹے میں آ گئی تھی۔ موٹا پولیس والا اب بغور ہمارے چہروں پر نظریں گاڑے بری طرح ہمیں گھور رہا تھا۔ میں نے دیکھا چھیداں نے یکدم اپنے تاثرات پر قابو پایا اور ناک بھوں چڑھا کر موٹے تھانیدار سے بولی۔ "کیوں..... میرے گھر کی تلاشی کیوں لینی ہے تم نے؟"

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تو نے ان دونوں مفرور قاتل بھائیوں میں سے ایک کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔" تھانیدار نے پہلے سے زیادہ کڑک دار آواز میں کہا۔ "گھر میں تیرا ابا ہے' تو اسے بلا باہر۔"

"گھر میں میرے اور میری ماں کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ ہم نے اپنے گھر کسی قاتل کو پناہ دے رکھی ہے؟" چھیداں نے کمال فنکاری سے اپنی گھبراہٹ اور پریشانی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے گھر کی تلاشی لے کر رہیں گے۔" تھانیدار کڑک کر بولا۔

"اے ہے..... کچھ شرم کرو' گھر میں دو زنانیوں کے ہوتے ہوئے تم کیسے اندر گھس سکتے ہو پہلے ادھر کھڑے ہو کر میرے ابا کے آنے کا انتظار کرو۔" چھیداں ہاتھ نچا کر بولی۔

تھانیدار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ادھر میرے جی میں آئی کہ خاموشی سے کھسک لوں مگر میں ایسا نہ کر سکا۔

"لڑکی..... زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کر ورنہ تجھے ابھی تھانے لے جا کر سبق سکھا دوں گا' میں ذرا کھری قسم کا تھانیدار ہوں سمجھی تو....."

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھانیدار نے آگ بگولا ہو کر کہا۔ پھر اپنے سپاہیوں سے تحکمانہ لہجے میں بولا۔ ''چلو اوئے تم کیا کھڑے کھڑے میرا منہ دیکھ رہے ہو' جاؤ گاؤں کے دو چار مردوں کو بلا کر لاؤ۔''

دو سپاہی فوراً وہاں سے بھاگے اور پلک جھپکتے ہی قریب کے گھروں سے تین چار مردوں کو لے کر آ گئے۔ تھانیدار خاصا چالاک ثابت ہوا تھا۔ چھیداں جیسی آفت کی پرکالہ بھی منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

پھر وہ سب مکان کے اندر گھس گئے۔ میں بھی ٹوکرا سنبھالے دیگر لوگوں کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔ میرا دل بری طرح ڈول رہا تھا۔ عمیر کی گرفتاری اب یقینی ہو گئی تھی۔ اندر صحن میں ہی ایک فربہ اندام عورت حیران پریشان کھڑی تھی۔ میں نے فوری اندازہ لگایا کہ یہ چھیداں کی سوتیلی ماں ہے' چھیداں اس کے لتے لے رہی تھی کہ اس نے یہ ''جھوٹی'' اطلاع پولیس کو دی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی سوتیلی ماں اس سے بری طرح خائف ہو رہی تھی۔

پولیس کے آدمی گھر کا چپہ چپہ چھان رہے تھے۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ عمیر کو وہ برآمد نہ کر سکے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے حیران و پریشان کھڑی چھیداں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی عمیر کے اس اچانک فرار پر پریشان تھی۔ اسی اثنا میں گاؤں کا ایک آدمی دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے تھانیدار کو بتایا کہ ابھی تو ڑی دیر پہلے گاؤں والوں نے عمیر کو سرپٹ دوڑتے دیکھا ہے۔

یہ سننا تھا کہ تھانیدار نے شعلہ فشاں نظروں سے چھیداں کو گھورا جیسے کہہ رہا ہو کہ تجھ سے میں بعد میں اچھی طرح نمٹوں گا۔ اس کے بعد وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ باہر لپکا۔ پل بھر میں گھر خالی ہو گیا۔ میں بھی کھلونوں کا ٹوکرا سنبھالے باہر آ گیا۔ چھیداں بھی متفکر چہرے کے ساتھ چوکھٹ پر آ گئی۔ میں نے ادھر ادھر نظریں گھمانے کے بعد دھیمی آواز میں کہا۔ ''چھیداں..... یہ..... یہ کیا ہو گیا' کیا عمیر تیرے گھر میں نہیں تھا؟''

''عمیر میرے پاس ہی تھا پر لگتا ہے اسے پولیس کے آنے کی خبر ہو گئی تھی اور وہ چھت پھلانگ کر بھاگ کھڑا ہوا۔'' چھیداں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

میں پھر وہاں ایک پل کیلئے بھی نہیں رکا اور ''کھلونے والا کھلونے لایا'' کی صدائیں لگاتا ہوا سیدھا اپنے گھر کی دہلیز پر پہنچا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں اندر گھس گیا۔ سامنے چارپائی پر اماں اور بشریٰ آنسوؤں سے لبریز چہرے لئے بیٹھی تھیں۔ ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئیں۔ میں نے کھلونوں کا ٹوکرا صحن کے کچے فرش پر رکھا پھر لپک کر دروازہ بند کر دیا۔

میری ماں اور بہن بشریٰ نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ میرے چہرے پر لگی نقلی داڑھی مونچھوں کی وجہ سے مجھے پہچان نہیں پائی تھیں۔

''اماں..... یہ میں ہوں وقار.....'' میں نے ہولے سے ان کی پریشانی رفع کی۔

''ہائے میرا پتر وقار.....تو.....؟'' ماں سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے خوشی سے بے حال میری طرف بڑھی۔

''وقار بھیا.....'' بہن بشریٰ بھی میرے قریب آ گئی۔

''پتر..... یہ..... کیا ہو گیا' میرا عمیر کہاں ہے؟'' ماں نے میرے گلے لگ کر روتے ہوئے کہا۔

میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے ساری تفصیل بتائی اور عمیر کے بارے میں جھوٹ بول دیا کہ وہ بھی خیریت سے ہے۔

''ماں.....تم لوگ خاموش رہنا' انشاء اللہ جیسے ہی حالات بہتر ہوئے' ہم گھر لوٹ آئیں گے' ہمارا ذکر ابھی کسی سے نہ کرنا۔''

اماں اور بشریٰ کو پہلے ہی یقین تھا کہ ہم نے پیر صاحب کا قتل نہیں کیا تھا پھر میں نے ماں' بہن کو تسلی کی خاطر ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ میں نے یا عمیر نے یہ قتل نہیں کیا بلکہ یہ قتل فرید دو نے کیا تھا۔

انہیں میری بات سن کر تسلی ہو گئی تھی تاہم ماں نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

''پتر.....مگر گاؤں والوں کو تیری بے گناہی کا کس طرح یقین آئے گا؟ اب تو پولیس بھی تجھے اور پتر عمیر کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ماں کی تشفی کی خاطر میں نے حوصلہ مند مسکراہٹ سے کہا۔ ”اماں..... تیری دعائیں میرے ساتھ ہیں اور پھر میں بے گناہ ہوں' مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ ہم دونوں بھائیوں کو ان مشکل حالات سے ضرور نجات دلائے گا۔“

”آمین.....“ ماں اور بہن بشریٰ نے بیک وقت دعائیہ کلمہ ادا کیا۔

”اچھا اماں..... تم بے فکر رہو' میں چلتا ہوں اور حالات کو اپنے حق میں لانے کی کوشش کروں گا۔“ میں نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

دونوں کے چہرے غمگین ہو گئے' میں نے اماں اور بہن کو ایک بار پھر تسلی دی اور اپنے آنسو ضبط کئے۔ کھلونوں کا ٹوکرا اٹھائے باہر آ گیا۔ گاؤں میں شور مچا ہوا تھا عمیر کی گاؤں میں موجودگی اور پھر فرار کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ میں ادھر ادھر کھلونے بیچنے کے بہانے یہی سن گن لیتا رہا کہ آیا عمیر خدانخواستہ پولیس کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا مگر گھنٹے بھر تک مجھے ایسی کوئی بری خبر نہ ملی۔ ہر طرف یہی خبر گرم تھی کہ عمیر فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مجھے عمیر کے چھیداں کے گھر سے فرار ہونے پر دکھ بھی ہو رہا تھا اور میں اس دکھی دل سے سوچ رہا تھا کہ یہاں سے فرار ہو کر آخر وہ کہاں جائے گا؟ مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ میں تو اس کیلئے دعا ہی مانگ سکتا تھا کہ اللہ میرے چھوٹے بھائی عمیر کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

میں یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ عمیر ابھی پولیس کے ہتھے نہیں چڑھا فرید کے گھر کی طرف چل دیا۔

مجھے پتہ تھا کہ صبح کے وقت اس کا باپ ہی اپنی دودھ کی دکان کھولا کرتا تھا جبکہ فرید دوپہر کا کھانا کھا کر دکان پر جاتا تھا تو اس کا باپ کھانا کھانے گھر آ جاتا تھا۔ چنانچہ میرے اندازے کے مطابق اس وقت فرید کو گھر میں ہی ہونا چاہئے تھا۔ میں نے فرید کو چالاکی کے ساتھ پکڑنے کا منصوبہ بنایا تھا اسی لئے مجھے وقت کا انتظار تھا۔ کسی مناسب وقت کا..... میں نے اس کے گھر کے دروازے پر صدا لگانی چاہی ہی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور میں نے فرید کی ماں کو باہر نکلتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کا ڈبہ تھا۔ میں پریشان ہو گیا کیا فرید گھر میں نہیں تھا۔

میں یہ جاننے کیلئے آگے بڑھا اور فرید کی ماں سے ازراہ اخلاق کہا۔ ”ماں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جی..... فرید کدھر ہے.....؟ آج آپ کھانا لے جا رہی ہیں؟“

”اے ہے بیٹا..... آج کل کے بالکوں کو جانے کیا ہو گیا ہے۔“ وہ شکایتی لہجے میں بولی۔ ”صبح صبح اپنے دوست قاسم کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھا' کہہ رہا تھا کہ کچھ دنوں کیلئے شہر جا رہا ہے۔ دوست کی شادی ہے اور وہاں اس کی شادی میں کام میں ہاتھ بٹاؤں گا۔“

اس کی بات سن کر مجھے ایک جھٹکا لگا' کہیں وہ مردود قاسم کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنی مہم پر تو نہیں روانہ ہو گیا؟ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا اور مزید یہ کہ اس مردود نے شاہد چاچا کے بیٹے قاسم کو بھی اپنے ساتھ اس شیطانی مقصد کیلئے ملا لیا تھا۔

میں خاموشی سے آگے چل دیا اور سیدھا قاسم کے باپ کی دکان پر پہنچا۔ وہ اس وقت کسی گاہک کو چینی تول کر دے رہا تھا۔ کچھ اور گاہک بھی موجود تھے۔ میں خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ ذرا دیر بعد وہ فارغ ہوا تو میں کھلونوں کا ٹوکرا بدستور اپنے سر پر ہی رکھے ہوئے اسے سلام کرنے کے بعد بولا۔ ”چاچا..... تیرا بیٹا قاسم نظر نہیں آ رہا' کدھر ہے وہ؟“ میں نے اپنا لب و لہجہ بدلنے کی کوشش کی تھی۔

شاہد چاچا نے پہلے تو بغور مجھے دیکھا پھر بولا۔ ”وہ تو آج صبح تڑکے فرید کے ساتھ شہر چلا گیا ہے' کسی دوست کی شادی میں شرکت کرنے کیلئے..... پر تو کیوں پوچھ رہا ہے؟“

اسے جواب دینا ضروری تھا اس لئے بولا۔ ”چاچا..... کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی بس اس نے مجھ سے کھلونے خریدے تھے اور کہا تھا کہ پیسے بعد میں لے لینا۔“

”ایں..... کیا بات ہوئی؟“ وہ چونک کر بولا۔ ”وہ کوئی بچہ ہے' چل بھاگ یہاں سے' نکے کھرے کرنے آیا ہے۔“

اس نے مجھے جھڑکا تو میں خائف ہو کر بولا۔ ”چاچا لڑتا کیوں ہے' میں نے تیرے سے کوئی پیسے تھوڑا ہی مانگے ہیں۔“

”اچھا چل بھاگ یہاں سے۔“ وہ ہاتھ جھٹک کر بولا۔

میں چپکے سے کھسک لیا۔ میرے دل کو پریشانی نے جکڑ لیا تھا۔ وہی ہوا جس کا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ڈر تھا فرید و' قاسم کو اپنا ہم خیال بنا کر مہم پر نکل چکا تھا۔ سب سے پہلے وہ لاری اڈے
گئے ہوں گے اور وہ صبح نکلے تھے یقیناً شہر جانے والی پہلی بس پکڑی ہو گی انہوں نے
میں نے سوچا راماسی کا مندر ڈیرہ دون کے علاقے میں تھا جو پڑوسی ملک میں واقع
آخر فرید و نے وہاں تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی منصوبہ تو بنایا ہو گا۔ غیر قانونی طور پر وہ سر
پار نہیں کر سکتے تھے جبکہ پاسپورٹ اور ویزا بنانے میں بھی وقت درکار تھا۔ وہ یقیناً
اپنے کسی دوست کے ہاں ہی ہوں گے۔ مجھے ان کے شہر والے دوست کا پتہ معلو
کر کے فوراً شہر نکل جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ میں سکینہ کے گاؤں پہنچا سب سے پہلے
کھلونے والے کو ٹوکرا واپس کیا ساٹھ روپے میرا کمیشن بنا اس کے علاوہ بھی میرے پاس
پانچ چھ سو روپے تھے۔ وہ دور بھی سستا تھا مگر مجھے اپنی ماں اور بہن کو بھی جا کر تسلی دے
تھی۔ ہماری زمین منشی نے سنبھالی ہوئی تھی' اماں اور بہن کی گزر اوقات آسانی ہو رہی
تھی۔ میں نے سکینہ کو اپنے جانے کی اطلاع دی۔ وہ بے چاری اداس ہو گئی مگر میں
جانے پر مجبور تھا لیکن میں نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتا دیا تھا۔ کوئی مسئلہ ہو تو یہ میری اماں
اور بہن کے ساتھ رہ سکتی تھی۔

میں وہاں سے سیدھا اپنے گھر پہنچا اور اماں کو اپنے جانے کی خبر کر کے فوراً
نکل آیا' مبادا کسی کو میرے بار بار گھر آنے جانے پر شبہ ہو جائے۔ اماں اور بہن نے
مجھے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا' کچھ پیسے اماں نے مجھے دے ڈالے۔ میں لاری
اڈے پر جانے سے پہلے فرید و کے گھر پہنچا۔ حسب توقع اس کی ماں تنہا تھی۔ میں نے
اس سے کہا کہ میں شہر جا رہا ہوں وہ مجھے بتائے کہ فرید و اپنے کون سے دوست کے پاس
ٹھہرا ہے تاکہ میں واپسی میں اس کی خیر خیریت لیتا آؤں۔ اس نے جھٹ مجھے اس کے
دوست کا نام پتہ بتا دیا۔ مزید پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ دوست ان کا دور پرے کا رشتہ
دار بھی لگتا تھا جس کا نام زبیر تھا۔ شہر میں اس کے باپ مکرم احمد کی فوٹو سٹوڈیو کی دکان
تھی اور وہ مغل پورہ میں رہتے تھے۔ میں سیدھا لاری اڈا پہنچا۔

مسافر لاری جب شہر جانے کیلئے گاؤں سے روانہ ہوئی تو سہ پہر کے چار بج
رہے تھے۔ لاہور تک پہنچنے میں لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹہ مزید لگ سکتا تھا۔ تیز رفتار ویگنوں
اور لگژری کوچز کا دور نہیں تھا بس لاریاں ہی تھیں جس کے اندر مقامی سواریوں کی بھرمار

تھی اور وہ..... رینگ رینگ کر شہر پہنچتی تھیں۔

یہ 1952ء کی ایک ٹھٹھری ہوئی شام تھی۔ میں لاری اڈے بوہڑا چوک پر اترا
تانگے' ریلوے سٹیشن سے سواریاں بھرے لا رہے تھے۔ میں مغلپورہ جانے والے تانگے
میں ہی بیٹھ گیا۔ راستے ویران تھے اور سڑک سنسان..... تانگہ چلتا رہا۔ گھوڑا دوڑتا رہا
میری سب سے آخری منزل تھی۔ رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔ تانگے میں صرف دو
ہی مسافر بچے تھے وہ بھی آگے بی آر بی سے آنے والی ایک شاخ کے اوپر بنے چوراہے
پر اتر گئے۔ تانگہ اب پہلے سے بھی زیادہ تیز دوڑ رہا تھا۔ شاید خالی ہونے کی وجہ
سے..... مگر اچانک گھوڑے کے زین کی ایک کڑی نکل کر جھول گئی۔ تانگے والے نے
فوراً تانگہ روک دیا۔ ''دھت تیرے کی تجھے بھی ابھی ٹوٹنا تھا۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا اترا۔ میں
بھی نیچے اتر آیا۔ وہ زنجیر جوڑنے میں منہمک ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ بڑبڑاتا بھی جا رہا
تھا۔ اسے خواہ مخواہ ہی بولنے کی عادت تھی۔ ایسے بڑبولے بعض مرتبہ بڑے کام کی بات
منہ سے نکال دیتے ہیں اور بعد میں پچھتاتے ہیں۔ اس تانگے والے کے ساتھ بھی یہی
ہوا۔ زنجیر جوڑتے ہوئے اس کے منہ سے نکل گیا۔ ''ارے راجے کی زنجیر جلدی ٹھیک ہو
جا' آج تو سرحد پار کی سواری ملی ہے منہ مانگا کرایہ ملے گا۔''

میرا ماتھا ٹھنکا دنیا اتفاقات سے بھری پڑی ہے۔ قدموں تلے منزل دور ہو
جاتی ہے اور دور منزل قدموں تلے آ جاتی ہے۔

''چاچا..... کیا تو سرحد پار بھی سواری لے جاتا ہے؟'' میں نے قدرے
چونک کر پوچھا۔

''دھت تیرے کی اس منہ کی..... اس نے تو شاہی قلعے کے بادشاہوں کو بھی
برباد کر کے رکھ دیا۔'' وہ اپنے کو کوستے ہوئے بولا۔

''میں اس کی تشفی کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ''ارے نہیں چاچا..... یہ باتیں
بادشاہوں کے برباد ہونے کی تو ضرور ہیں مگر میرے اور تیرے جیسے غریبوں کیلئے
دولت..... دیکھ مجھے بھی سرحد پار ہی جانا ہے' میں تجھے اس کی منہ مانگی رقم دوں گا۔ مجھ
سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے اپنی جیب سے سو کا نوٹ نکالا تو اس کی
آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ خوشی خوشی راضی ہو گیا۔ میں نے ابھی نوٹ اسے نہیں دیا پہلے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں یہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ آیا وہ جن لوگوں کو آج رات سرحد پار کروانے والا تھا وہ میرے ''مطلوبہ'' افراد ہی تھے یا نہیں۔

تانگے والے نے زنجیر جوڑ کر لگام کس دی۔ تانگہ ایک بار پھر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ وہ اب مجھے مغلپورہ کی بجائے ایک کچی بستی کے جھگی نما گھر میں لے آیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ سرحد پار جانے والی پارٹی ادھر ہی آئے گی۔ تانگے والا انہی لوگوں میں سے ایک تھا جنہیں سرحد پار کروانے کا چور راستہ معلوم تھا۔

گھنٹہ گزرا تو جھگی کے دروازے کے باہر کسی نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔

''وہ آ گئے۔'' تانگے والے نے جس کا نام بعد میں شیدا معلوم ہوا تھا' بے اختیار کہا۔

میرا دل یکبارگی تیز تیز دھڑکنے لگا اور میں دل میں یہی دعائیں مانگنے لگا کہ سرحد پار جانے والی یہ پارٹی فریدو اور قاسم ہی ہوں۔

شیدا اٹھ کر باہر چلا گیا پھر لوٹ آیا۔ اس کے ہمراہ تین لڑکوں کو دیکھ کر میرا دل مسرت سے دھڑک اٹھا۔ ان میں دو تو فریدو اور قاسم تھے جبکہ تیسرا لڑکا جو عمر میں مجھ سے بھی خاصا بڑا اور موٹا تازہ تھا' میرے لئے اجنبی تھا۔ شاید فریدو کا یہ وہی دور پرے کا رشتہ دار تھا اور یقیناً فریدو نے قاسم کے ساتھ ساتھ اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور کوئی بعید نہیں اس نے ہی سرحد پار پہنچانے کی بھی ترکیب بتائی ہو۔ بہرطور وہ مجھے نقلی داڑھی مونچھوں کی وجہ سے پہچان نہیں سکے تھے۔ ان تینوں نے اچٹتی سی نگاہ مجھ پر ڈالی' موٹا لڑکا کچھ زیادہ ہی چالاک اور نڈر تھا۔ اس نے میرے سامنے ہی تانگے والے شیدا سے منہ بنا کر کہا۔ ''تم نے تو ہم سے کہا تھا کہ صرف ہمیں لے جاؤ گے پھر یہ کون ہے؟''

مجھے خدشہ ہونے لگا کہیں یہ کم بخت کوئی مسئلہ نہ کھڑا کر دے مگر تانگے والا بھی ایک کائیاں تھا بولا۔ ''اونہیں کاکا..... پریشانی کی بات نہیں' یہ میرا اپنا ہی منڈا ہے واپسی میں مجھے تنہا آنا پڑتا ہے نا اسی لئے مدد کیلئے اسے ساتھ رکھ لیا ہے۔''

اس کی بات سن کر وہ موٹا میری طرف گھور کر دیکھنے لگا۔ میں نے مسمسی سی صورت بنا لی مگر میں دزدیدہ نظروں سے فریدو اور قاسم کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔ فریدو کے ہاتھ میں فقط ایک بڑی سی پوٹلی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کالی گاپ کی راکھ اسی میں

کہیں پوشیدہ ہو گی۔ میں اپنے مقصد کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا مگر ابھی جلد بازی کر کے بنا بنایا کام بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ یوں بھی یہ تین تھے اور میں تنہا..... ان کا تیسرا پہلوان نما ساتھی مجھے خاصا لڑاکا اور جنگجو محسوس ہو رہا تھا اس لئے میں مناسب وقت کے انتظار میں خاموش رہا۔

ذرا دیر بعد ہم مختصر تیاری کرنے کے بعد تانگے میں آ بیٹھے۔ فریدو اور قاسم پچھلی سیٹ پر براجمان تھے۔ میں اور وہ موٹا لڑکا اگلی سیٹ پر.....

تانگہ چل پڑا۔ سفر طویل تھا اس لئے وہ درمیانی رفتار سے گھوڑے کو دوڑائے جا رہا تھا۔ نصف گھنٹے تک تو سڑک پر تانگہ دوڑتا رہا اس کے بعد بائیں طرف کے کچے میں اتر گیا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ آسمان پر روشن چاند چمکنے لگا تھا۔ ماحول میں البتہ سردی کی کاٹ زبردست تھی۔ وہ تینوں سگریٹ پینے لگے۔ موٹے نے مجھ سے جھوٹے منہ بھی سگریٹ کو نہیں پوچھا تھا۔ حالانکہ اس نے تانگے والے کو سگریٹ کی آفر کی تھی۔ جو اس نے جھٹ سے قبول کر لی تھی۔ میں ویسے بھی سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ موٹا بار بار مجھے شک بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے بھی بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی مگر میں اس کی طرف دیکھنے سے کترا رہا تھا اور خاموشی سے معصوم صورت بنائے بیٹھا تھا۔ تانگہ کچے میں کافی آگے آ گیا تھا۔ ہر طرف گہری ویرانی تھی۔ یہ میدانی علاقہ تھا جہاں کہیں کہیں خودرو جھاڑیوں کے جھنڈ اگے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ آسمان پر چاند لگا ہوا تھا۔

ہمارا یہ خفیہ سفر خاموشی سے جاری تھا۔ کیسی عجیب بات تھی اس تانگے میں ایک گروپ بدی کی قوتوں کو پروان چڑھانے کے ارادے سے براجمان تھا اور دوسرا بدی کے خلاف حق کی قوت کے سہارے اسے نابود کرنے کے درپے تھا۔ فرق یہ تھا کہ میں ان کے مذموم ارادوں سے واقف تھا اور وہ میرے نیک ارادوں سے بے خبر..... اس طرح سردست مجھے ان پر فوقیت حاصل تھی۔

''چاچا..... کیا ہم فیروز پور پہنچ چکے ہیں؟'' معاً فریدو نے عقب سے تانگے والے سے پوچھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"او نا جی..... ابھی کہاں' ابھی تو ہم سرحد بھی پار نہیں کر سکے ہیں مگر فیروز پور زیادہ دور نہیں ہے۔"

"چاچا..... ڈیرہ دون کتنی دور ہوگا وہاں سے.....؟" فریدو نے دوسرا سوال کیا۔ اس بار تانگے والے کی بجائے موٹے لڑکے نے جس کا نام باتوں باتوں میں مجھے راضی معلوم ہوا تھا' ذرا جھڑک کر فریدو کو جواب دیا۔ "تمہیں اتنی جلدی کاہے کی پڑی ہے' پہلے فیروز پور تو پہنچ جائیں وہاں سے خود ہی معلوم ہو جائے گا' اب چپ بیٹھے رہو۔" اور فریدو اپنا سا منہ لے کر چپ بیٹھ گیا۔

میں موٹے راضی کی چالاکی سمجھ گیا تھا۔ وہ شاید اپنی منزل کے بارے میں کسی اجنبی کے سامنے کھل کر نہیں بتانا چاہتا تھا مگر تانگے والا شیدا کہاں چپ رہنے والا تھا۔ فوراً اپنی علمیت جھاڑتے ہوئے بولا۔

"کون سا ڈیرہ دون پتر.....؟ ہندوستان میں تو تین ڈیرہ دون کے جنگلی علاقے ہیں' تمہیں کونسے والے ڈیرہ دون جانا ہے؟"

"سہارن پور والے ڈیرہ دون....." راضی کے جھڑکنے کے باوجود فریدو نے بالآخر کہا۔

"اچھا..... اچھا..... وہ تو بٹھنڈہ میں ہے' سہارنپور تو آگے ہے۔" تانگے والے نے کہا۔ فریدو نے جیسے اپنی خجالت مٹانے کی غرض سے اترا کر راضی سے کہا۔

"دیکھا راضی..... اچھا ہوا ناں پوچھ لیا۔ ورنہ ہم تین اور تیرہ کے چکروں میں اتنے بڑے ہندوستان کے جنگلات میں بھٹکتے رہتے۔"

راضی لاجواب سا ہو کر چپ ہو رہا۔

تانگے والا ہنس کر بولا۔ "لگتا ہے تم لوگ ہندوستان کے جنگلوں میں کالا جادو سیکھنے جا رہے ہو۔"

اب راضی گردن موڑ کر فریدو کو گھورنے لگا۔ فریدو نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ تانگے والا خاموشی سے ہنستا مسکراتا پھر گائے چلا جا رہا تھا۔

میرے اندر بری طرح ہلچل مچی ہوئی تھی۔ فرط جوش سے میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کہ ان تینوں خبیثوں کے

منزل تک پہنچنے سے پہلے اپنا مقصد حاصل کر لوں کیونکہ مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ راکھ کی پوٹلی اس بڑی پوٹلی میں ہی رکھی ہوگی جسے فریدو نے خود سنبھال رکھا تھا۔ گویا راکھ کی پوٹلی ایک جادوئی چراغ کے حصول کا سبب تھی جسے حاصل کر کے فریدو سمیت قاسم اور راضی کالی گاپ کا جن اپنے قبضے میں کرنا چاہتے تھے مگر یہ بہرحال جادوئی چراغ کے جن والی کہانی نہیں تھی کہ کالی گاپ اپنی جسمانی حالت میں زندہ ہونے کے بعد ان کا حکم بجالاتا' وہ نہ صرف ان تینوں کیلئے وبال جان بن جاتا بلکہ دوسرے لوگوں کیلئے بھی ایک عفریت بن کر جنم لیتا مگر یہ حقیقت میں ان تینوں احمقوں کو سمجھا نہیں سکتا تھا' وہ الٹا میری جان کو آ جاتے اور پھر فریدو تو ویسے بھی اب ایک قاتل بن چکا تھا' جس کا الزام میرے اور میرے چھوٹے بھائی عمیر پر لگا دیا گیا تھا' مجھے یہ داغ بھی تو دھونا تھا۔

شیدے تانگے والے نے ایک جگہ تانگہ روکا۔ "چلو ذرا دیر آرام کر لیں' صبح تڑکے آگے بڑھیں گے۔"

راضی جماہی لیتے ہوئے تانگے کے رکنے کا غلط مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔ "نا جی نا میں نے آرام کے واسطے تو تانگہ نہیں روکنا۔"

شیدا تانگے والا بولا۔ "سرحد تو ہمیں منہ اندھیرے ہر صورت پار کرنا ہوگی' میں ذرا اکیلا آگے جا کر حالات کا جائزہ لے آؤں ہم سرحد کے قریب پہنچ چکے ہیں' تم لوگ یہاں سے بالکل مت ہلنا۔" یہ کہہ کر شیدا تانگے سے اتر گیا اور اندھیرے میں گم ہو گیا۔ ہمارا تانگہ کیکر اور پھلاہی کے جنگل میں کھڑا تھا' چہار اطراف گھور تاریکی تھی' اس کی وجہ یہ تھی کہ شفاف آسمان پر یکا یک بادلوں کی آوارہ ٹکڑیاں نمودار ہو گئی تھیں جنہوں نے چاند اور ٹمٹماتے تاروں کو ڈھانپ لیا تھا۔ راضی نے تانگے میں بیٹھے بیٹھے کسی بیل کی طرح منہ اٹھا کر ناک سکیڑی اور بڑبڑایا۔ "لگتا ہے بارش ہوگی۔"

"اچھا ہے بارش ہو جائے تو اس طرح ہمیں چوری چھپے سرحد پار کرنے میں آسانی ہوگی۔" قاسم بولا۔

راضی نے میری طرف بیل جیسی گردن موڑ کر مجھے گھورا اور خرانٹ لہجے میں بولا۔ "تم شیدے کے ساتھ اب تک کتنے لوگوں کو سرحد پار کروا چکے ہو؟"

جانے اس کمبخت نے کس مقصد کے تحت مجھ سے یہ سوال کیا تھا تاہم میں نے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بلا جھجک کہا۔ ”کچھ ٹھیک سے یاد نہیں ویسے پندرہ بیس بار چاچے شیدے کے ساتھ چکر
چکا ہوں۔“

”کبھی پکڑے گئے؟“

”اللہ نہ کرے جی..... اب تک تو ایسا نہیں ہوا۔“

”ہوں..... لگتا ہے تمہارا یہ چاچا شیدا بڑا اچل کام کرتا ہے۔“ پہلی بار راض
نے بے تکلفی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آہو جی..... وہ بڑا ہوشیار بندہ ہے' سرحد کے سارے چور راستوں سے
خوب واقف ہے۔“ میں نے کہا۔ اس عرصے میں عقبی نشست پر بیٹھے فریدو اور قا
خاموش رہے۔

خاصی دیر بعد شیدا تانگے والا بھی آ گیا۔ وہ اپنے گرم کھیس کی بکل درس
کرتا ہوا جلدی سے تانگے میں آ بیٹھا اور لگام سنبھال لی پھر اس نے ہولے سے چابک
مار کر گھوڑے کو ٹٹکارا۔

”کیوں چاچا..... میدان صاف ہے؟“ راضی نے پوچھا۔

”آہو جی..... بالکل صاف ہے میدان۔“ اس نے جواباً کہا۔

تانگہ آگے بڑھا۔ ابھی تھوڑا ہی دور چلے تھے کہ اچانک چاروں طرف کا
بھٹ تاریکی چھا گئی اور اگلے ہی لمحے تاریک آسمان پر بادلوں کی خوفناک گڑگڑاہ
گونجی پھر اس کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

”چلو یہ بھی اچھا ہوا' اب ہمارا کام اور آسان ہو جائے گا۔“ شیدے تانگے
والے نے کہا۔

تانگے کی کینوس چھت پر بارش کے قطرے مسلسل گر رہے تھے' تیز ہوائیں
بھی چلنے لگی تھیں' سردی کاٹ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ میں موقع کی تاک میں تھا کہ کس
طرح سرحد پار کرنے سے پہلے ہی فریدو سے پوٹلی چھین کر بھاگ جاؤں لیکن ابھی
ممکن نہ ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

شرائے دار بارش جاری تھی۔ آسمانی بجلی نے بھی رہ رہ کر کڑکنا شروع کر

تھا۔ تانگہ ویران جنگل سے گزر رہا تھا۔ تانگے میں جتے ہوئے گھوڑے کو بدکنے سے
بچانے کیلئے شیدے نے اس کی تھوتھنی پر ”توبڑا“ باندھ دیا تھا۔ مجھے یہ بھی خدشہ تھا کہ
کہیں کالی گاپ کی بدروح ان تینوں کو میری حقیقت کے بارے میں آگاہ نہ کر دے مگر
نجانے کیا وجہ تھی ایسا اب تک نہیں ہو سکا تھا۔

خاصی دیر بعد بارش رک گئی۔ ہر طرف جل تھل ہو گیا تھا مگر موسم ہنوز ابر آلود
ہی تھا۔ چہار سو خاموشی چھا گئی تھی۔ اچانک فریدو نے تانگے والے کو مخاطب کر کے کہا۔

”چاچا..... ذرا تانگہ روکو گے' مجھے حاجت محسوس ہو رہی ہے۔“

اس کی بات سن کر شیدا گردن موڑ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ ”ابھی ٹھہرو
کاکا..... ہم سرحدی پٹی سے گزر رہے ہیں بس کچھ دم کو فیروز پور کا جنگل شروع ہو جائے
گا تو میں تانگہ روک دوں گا۔“

اس کی تنبیہ پر فریدو خاموش ہو گیا۔ ادھر راضی نے سگریٹ سلگانے کی کوشش
کی۔ شیدے تانگے والے نے اسے روک دیا۔ ”نا نا کاکا..... پورا ماحول خطرناک اور
تاریک ہے ذرا بھی شعلہ چمکا تو ہم پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو جائے گی۔“ اس کی سرزنش پر
ہم سب سہم گئے۔ میں ن۔ چاہتے ہوئے بھی سرحد پار کر چکا تھا۔ میں اپنا مقصد پورا
ہونے کے بعد واپس اسی راستے سے لوٹنے کیلئے راستہ بھی ذہن نشین کرتا جا رہا تھا۔
ادھر شیدے نے تانگے کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اب ہم ایک میدانی علاقے سے گزر رہے
تھے۔ دفعتاً ہمیں سامنے کسی شخص کا ہیولا دکھائی دیا۔

”یہ کون ہے؟“ مجھ سے پہلے میرے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے راضی نے سامنے
ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہمارے عقب میں بیٹھے ہوئے فریدو اور قاسم نے بھی مڑ
کر دیکھا۔ شیدے نے بھی یقیناً اس پراسرار انسانی ہیولے کو دیکھ لیا تھا۔ مگر اس نے
تانگہ نہیں روکا۔ میرا دل دھڑکنے لگا پھر دوسرے ہی لمحے میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”ارے یہ کہاں غائب ہو گیا چاچا..... تانگہ روکو کہیں یہ سرحدی چوکی کا پہرے دار نہ
ہو۔“ مگر شیدے نے تانگہ نہیں روکا' وہ پراسرار ہیولا غائب ہو چکا تھا۔

”واقعی یہ تو غائب ہو گیا ہمیں دیکھ کر۔“ راضی کی پرتشویش آواز ابھری۔

”یونہی ہمارا وہم ہو گا بس چپکے بیٹھے رہو۔“ شیدے نے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس خیال سے میں لرز گیا کہ کہیں یہ پراسرار ہیولا کالی گاپ کی بدروح کا تو نہیں تھا۔ میں نے متوحش ذہن کے ساتھ سوچا اور پھر اگلے ہی لمحے میرے چہرے سے ایک سرد ہوا کا جھونکا ٹکرایا۔ میں نے اسے سردی کی کاٹ دار لہر پر محمول کیا تھا۔

اچانک فریدو نے چلا کر کہا۔ ”چاچا..... تانگہ روکو..... تانگہ روکو۔“

ہم سب چونک گئے۔ شیدے نے بھی بے اختیار گھوڑے کی لگامیں کھینچ دیں۔

”راضی..... یہ..... یہ..... وقار ہے‘ ہوشیار۔“ اچانک فریدو نے اپنی گردن موڑ کر میری طرف گھورتے ہوئے راضی سے کہا اور میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔

”یہ کیا بول رہا ہے تو.....؟ تجھے کیسے پتہ چلا؟“ اس نے میری طرف ایک نظر دیکھ کر فریدو سے پوچھا۔

وہ پرجوش آواز میں بولا۔ ”ابھی ابھی کالی گاپ نے میرے کانوں میں سرگوشی کر کے بتایا ہے‘ میری بات کا یقین کر راضی..... یہ وقار ہی ہے۔“

وہی ہوا کالی گاپ کی بدروح نے موقع پاتے ہی فریدو کو میری اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ میرا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر فریدو کی گود سے پوٹلی اچک لی اور تانگے سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ سب اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئے مگر پھر دوسرے ہی لمحے تینوں نے بھی بیک وقت تانگے سے چھلانگیں لگا دیں اور مجھے للکارتے ہوئے میرے پیچھے دوڑے۔ کیچڑ ہونے کی وجہ سے مجھے دوڑنے میں دقت ہو رہی تھی مگر میں نے ہمت نہ ہاری کیونکہ میرے تعاقب میں دوڑنے والوں کو بھی اسی مشکل صورتحال کا سامنا تھا۔ میں کئی بار پھسلتے پھسلتے بھی بچا تھا مگر میں نے اپنی رفتار نہیں گھٹائی اس کے باوجود میں فوراً مار کھا گیا کیونکہ اگلے ہی لمحے میرا پاؤں ایک چھوٹے سے کیچڑ زدہ کھالے پر پڑا اور میں پھسلتا چلا گیا۔ میں نے بچنے کی کوشش کی مگر منہ کے بل گر پڑا‘ وہ تینوں مجھ پر پل پڑے۔

فریدو نے سب سے پہلے میرے ہاتھوں سے پوٹلی جھپٹی‘ راضی نے میرا گلا دبوچ لیا۔ میں تین کے مقابلے میں مزاحمت کرنے سے قاصر تھا۔ فریدو بولا۔ ”راضی

چھوڑ دا سے‘ چلو وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔“

وہ تینوں مجھے کیچڑ میں لت پت کر کے واپس تانگے کی طرف دوڑے میں بھی اٹھا۔ میرے کپڑے اور جسم کیچڑ میں آلودہ ہو چکے تھے۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ سانس پھولی ہوئی تھی۔ میں ان تینوں کے پیچھے دوڑا‘ وہ تینوں سامنے جاتے ہوئے مجھے نظر آ گئے تھے۔ فریدو البتہ گاہے بگاہے پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا۔ وہ گنجان علاقہ تھا۔ ان کی مجھ پر نظر پڑنا محال تھی پھر میں نے دیکھا وہ تینوں تانگے پر بیٹھے اور تانگہ جلدی سے آگے بڑھ گیا۔

میں بے بسی سے تلملا کر رہ گیا مگر میں نے تو اپنا نیک مقصد حاصل کرنے کا پکا تہیہ کر رکھا تھا اور ہمت نہیں ہاری اور میں تانگے کے تعاقب میں تیز تیز دوڑنے لگا۔ کیچڑ کی وجہ سے اس کے پہیوں کے نشان واضح تھے۔ آسمان برسنے کے بعد اب شفاف ہو گیا تھا۔ میں چاند کی روشنی میں مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ ویسے بھی میں نے سوچ رکھا تھا کہ اگر میں ان کے تعاقب میں کامیاب نہ ہو سکا تو خود ہی اپنے طور پر کالی دیوی کے راماسی مندر تک پہنچنے کی کوشش کروں گا کیونکہ میں ان تینوں کی منزل سے اب مکمل طور پر واقف ہو چکا تھا۔

شیدے تانگے والے کی معلومات کے مطابق بٹھنڈہ زیادہ دور نہ تھا۔ یہ سوچ کر میرے اندر ہمت سوا ہونے لگی۔ میں مسلسل دوڑتا رہا۔ دھواں دھار بارش کے بعد سردی کی کاٹ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ میں کھیس سے سر اور جسم ڈھانپے بھاگا جا رہا تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا‘ چاند دور کہیں جھکنے لگا تھا‘ تاروں کی یورش بھی ماند پڑنے لگی تھی۔ اچانک مجھے ویران اور تاریک ماحول میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں ٹھٹک کر رکا تب پھر اچانک مجھے مختلف جانوروں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں پھر اگلے ہی لمحے یوں لگا جیسے لاتعداد جانور دھما دھم میرے عقب میں دوڑے چلے آ رہے ہوں۔ میں بری طرح دہل گیا اور پھر خوف زدہ ہو کر میں نے پھر دوڑ لگا دی لیکن کیچڑ ہونے کی وجہ سے میں پھسل کر گرا پھر سنبھل کر دوبارہ کھڑا ہوا تو یہ دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا کہ میرے آس پاس خونخوار درندے کھڑے مجھے سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہے تھے۔ ان میں شیر‘ چیتے اور بھیڑیئے بھی تھے۔ اتنے سارے خونخوار درندوں کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اپنے آس پاس دیکھ کر مجھے اپنی موت کا پورا یقین ہو گیا کیونکہ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اژ
دور نہ تھا جب وہ مجھے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ ان کی لہو رنگ آنکھوں میں مجھے ازلی بھو
کی جھلک دکھائی دے رہی تھی تب میں نے ہمت سے کام لیا۔ میں ایسے درندوں
فطرت سے واقف تھا۔ اگر میں ذرا بھی بھاگنے کی کوشش کرتا تو یہ مجھ پر چڑھ دوڑ
لیکن میں چند ثانئے ساکت کھڑا رہا اس کے بعد دھیرے دھیرے ایک قریبی درخت
طرف سرکنا شروع کر دیا اور پھر دوسرے ہی لمحے بجلی کی سی پھرتی سے درخت پر چ
گیا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی تھی درندے میری طرف نہیں لپکے تھے مگر جیسے ہی میں درخ
پر چڑھا انہوں نے بیک وقت حرکت کی اور پھر درخت کے قریب اکٹھے ہو کر تھوتھنیاں
اوپر کئے غرانے لگے۔ ان کی خونخوار باچھوں سے نوکیلے دانت بہت بھیانک نظر آ رہے
تھے۔

میرا دل ڈوبنے لگا۔ میرے وجود میں خوف سے ہلکی ہلکی کپکپی بھی طاری ہو
رہی تھی۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ اگر ان میں سے کسی نے درخت پر جست لگانے کی
کوشش کی تو یقیناً میں ان کے خونی پنجوں کا شکار ہو جاؤں گا مگر شکر تھا کہ ابھی خود
درندوں کے اس غول میں سے کسی نے درخت پر جست لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس خوفناک اور جان لیوا صورتحال کی وجہ سے سردی کے باوجود میری پیشانی
پر پسینے کی ننھی منی بوندیں محسوس ہونے لگی تھیں۔ معاً ایک سرد ہوا کا جھونکا میرے چہرے
سے ٹکرایا۔ میرے وجود میں بے اختیار پھریری سی آ گئی۔ تب اچانک مجھے اپنے ایک
دوسرے قریبی جھنڈ میں دھویں کے مرغولے ابھرتے دکھائی دیئے جس نے آناً فاناً ایک
کریہہ صورت کبڑے انسان کی شکل اختیار کر لی۔ میں اسے دیکھ کر کانپ اٹھا۔ وہ زرد
آنکھوں والا وہی کبڑا تھا جس نے بارہا مجھے اپنے اس نیک مقصد سے بھٹکانے کی کوشش
کی تھی۔ یہ کریہہ صورت بوڑھا کالی گاپ تھا جو میری طرف زرد زرد آنکھوں سے
گھورتے ہوئے بڑی شیطانی مسکراہٹ سے بولا۔

”بالکے..... اب بھی وقت ہے‘ واپس لوٹ جا ورنہ یہ درندے تجھے چیر پھاڑ
کر رکھ دیں گے۔“

میں اس کی بات سن کر کسی خیال سے چونک گیا۔ پھر میرے اندر خوف کچھ

ہونے لگا۔ وہ مجھے خاموش پا کر دوبارہ دھمکاتے ہوئے بولا۔ ”اوئے مورکھ اب بھی
وقت ہے ہمارا پیچھا چھوڑ دے‘ ہمیں صرف ایک بار اپنا شریر حاصل کرنے دے پھر دیکھنا
ہم تیرے غلام بن جائیں گے پھر تو جو چاہے گا‘ سو ہو گا‘ تیرے قدموں میں دولت کا
ڈھیر لگ جاوے گا‘ تجھے ہم مہاپرش بنا دیں گے۔ تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس
سنسار کی ایک سے ایک حسین اور سندر ناریاں تیری باندیاں ہوں گی مگر ہم سے دشمنی
مول لینا تیرے لئے جان لیوا ثابت ہو گا۔ کیا سمجھا تو بول تو ابھی ان سارے خونی
درندوں کو ایک پھونک مار کر غائب کر ڈالوں گا..... بول کیا کہتا ہے پھر.....؟“

اب میرے ذہن میں ابھرنے والے اس شک کو اچھی طرح تقویت مل گئی کہ
یہ خونی درندے کالی گاپ کا شاخسانہ تھے جیسا کہ مجھے پہلے ہی سے مرحوم پیر صاحب کی
زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ کالی گاپ جب تک اپنا شریر حاصل نہیں کر لیتا‘ کسی کا کچھ نہیں
بگاڑ سکتا تھا۔ ماسوائے اپنے شیطانی شعبدوں سے ڈرانے دھمکانے کے..... چنانچہ میں
اس کی زرد آنکھوں میں گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا۔ ”اے لعنتی روح..... جب
تک میں زندہ ہوں تو میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ جا دفع ہو جا یہاں سے‘ میں اللہ کے
حکم سے تجھے اپنے شیطانی مقصد میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا اور تجھے نابود
کر کے ہی رہوں گا۔“ یہ کہہ کر میں درخت سے نیچے اترنے لگا کیونکہ مجھے اب پورا یقین
ہو چکا تھا کہ یہ درندے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ ساری شعبدہ گری اس ملعون کالی
گاپ کی تھی جو مجھے ہمیشہ کی طرح خوف زدہ کر کے مجھے اپنے نیک مقصد سے ہٹانا چاہتا
تھا۔

”اوئے مورکھ..... یہ کیا کر رہا ہے‘ کیوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا
ہے‘ یہ درندے اصلی ہیں‘ تجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔“ وہ چلا کر مجھے خبردار کرتے
ہوئے بولا۔ ایک لمحے کو تو مجھے بھی خوف محسوس ہوا کہ کہیں واقعی یہ خونی درندے اصلی نہ
ہوں مگر میں خود بھی گاؤں اور جنگلوں کا رہنے والا باسی تھا۔ درندوں کی خونی سرشت سے
واقف تھا شیر‘ چیتے اور بھیڑیوں کو میں نے آج تک ایک غول کی صورت میں ایک ساتھ
نہیں دیکھا تھا‘ چیتا‘ بھیڑیئے کو اپنے ساتھ نہیں برداشت کر سکتا تھا اور شیر ببر‘ چیتے کو
اپنے غول میں دیکھ کر لڑ پڑتا تھا لہٰذا یہی سوچ کر میں نیچے اتر گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سارے درندے مجھے دیکھ کر خونخوار انداز میں غرانے لگے۔ میں یک ٹک کھڑا انہیں دیکھنے لگا۔ اندر سے میرا دل بھی ڈول رہا تھا پھر دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا وہ سب مجھے لال لال سی انگاروں والی آنکھوں سے گھورتے ہوئے میری طرف بڑھنے لگے۔ میں اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا تھا اور دل ہی دل میں اللہ کے کلام کا ورد کرنے لگا۔ وہ درندے غراہٹ آمیز آوازوں سے خرخراتے ہوئے میرے بالکل قریب آ گئے۔ میں خاموشی سے ایک طرف کو بڑھ گیا۔ درندوں نے عقب میں چنگھاڑیں مارنا شروع کر دیں..... مگر میں نے پروا نہ کی تب پھر اچانک ایک چیتے نے خوفناک چنگھاڑ مارتے ہوئے مجھے پر چھلانگ لگا دی۔ میں دہشت زدہ رہ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے چیتا غائب ہو چکا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ دیگر درندے بھی میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ میں نے بے اختیار سکون کی سانس لی اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

صبح کاذب کی سپیدی دھیرے دھیرے نمودار ہونے لگی تھی۔ جنگل میں پرندوں کی چہچہاہٹ سنائی دینے لگی تھی۔ میں تھکن محسوس کرنے لگا تھا لیکن میں رکنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا چلتا رہا۔

آسمان پر سپیدہ سحر اب پوری طرح نمودار ہو گیا تھا۔ صبح کی روشنی پھیلی تو مجھے احساس ہوا کہ جس جنگل سے میں گزر رہا تھا وہ زیادہ گھنا نہیں تھا۔ یہ رات کی تاریکی کا سحر تھا جو اسے گنجان بنائے ہوئے تھا۔

پھر جلد ہی یہ چھدرا جنگل بھی تمام ہوا۔ تانگے کے پہیوں کے نشانات مجھے اب صاف دکھائی دے رہے تھے۔ آگے خودرو جھاڑیوں والا وسیع علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ میں اب اجنبی دیس کی اجنبی سرزمین میں قدم رکھ چکا تھا۔

اچانک مجھے ذرا دور کچھ نظر آیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ قریب پہنچا تو ٹھٹکے بنا نہ رہ سکا۔ وہ کوئی انسانی وجود تھا' جانے کون تھا یہ..... بے ہوش تھا کہ مردہ..... بہرطور میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے قریب پہنچا تو مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا اور میری کنپٹیوں میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

☆.....☆.....☆

وہ تانگے والا شیدا تھا' پتہ نہیں زندہ تھا یا مردہ..... مگر میں نے دیکھا اس کی پیشانی پر زخم کا نشان تھا۔ میں نے بغور اس کا معائنہ کیا وہ مر چکا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں جیسے اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو۔

''یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے..... اسے کس نے قتل کیا؟'' میں نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچا تب مجھے ان تینوں خبیثوں کا خیال آیا' کہیں یہ قتل انہوں نے تو نہیں کیا مگر کیوں..... انہیں آخر اس غریب تانگے والے کو قتل کرنے کی کیا ضرورت.....؟ یہ تو انہیں ان کی منزل تک پہنچا ہی رہا تھا۔ اچانک ایک خیال میرے ذہن میں آیا' میں نے جلدی جلدی لاش کی جیبیں ٹٹولیں وہ خالی تھیں۔ یہاں سے شیدے تانگے والے نے انہیں اتار کر واپس لوٹنا تھا مگر فرید و اور راضی نے ضد کی ہو گی وہ اسے اور آگے لے جانے پر مجبور کر رہے ہوں گے۔ شیدا نہ مانا ہو گا انہوں نے مل کر اسے قتل کر ڈالا اور روپے بھی چھین کر بھاگ لئے۔ مجھے شیدے تانگے والے کی موت پر دکھ تھا مگر میں اب پریشان ہو گیا تھا۔ ان تینوں کو تانگے کی صورت میں تیز رفتار سواری مل چکی تھی۔ میں پیدل تھا' وہ مجھ سے پہلے راماسی کے مندر میں پہنچ سکتے تھے۔ اگر انہوں نے راماسی کے مندر پہنچ کر کالی گاپ کی راکھ حوالے کر دی تو پھر میرا سارا مقصد دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ کالی گاپ' کالی دیوی کے چرنوں سے نیا شیطانی جنم لے گا۔ پھر وہ مردود سب سے پہلے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں بھلا اتنے بڑے ساحر کا تن تنہا کس طرح مقابلہ کر سکوں گا۔ لہٰذا مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ فرید و' راضی اور قاسم کے مندر پہنچنے سے پہلے کرنا تھا چنانچہ یہ تہیہ کر کے میں مجبوراً شیدے کی لاش کو بے گور و کفن چھوڑ کر فوراً آگے بڑھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے ایک لمحے کیلئے بھی آرام نہیں کیا تھا اور نہ کرنا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا ایک لمحے کا آرام ساری عمر کی مصیبت بن جائے گا۔ میں دل ہی دل میں اللہ سے اپنی کامیابی کی دعائیں مانگتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ میدانی علاقہ ختم ہوا تو پھر جنگل شروع ہوگیا۔ مجھے اب تک کسی آبادی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ مجھے بھوک سے زیادہ اب پیاس ستانے لگی تھی۔ راستے میں ایک تالاب آیا' میں نے پانی چکھا پانی صاف اور میٹھا تھا۔ میں خالی پیٹ تھا اس لئے تھوڑا ہی پیا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔ چمکیلی دھوپ نکل رہی تھی۔ سردی کا احساس بتدریج کم ہونے لگا تھا۔ میں جنگل میں داخل ہوگیا۔ یہ جنگل پہلے والے جنگل سے زیادہ گھنا اور گنجان تھا۔ چھوٹے بڑے چرند پرند ادھر ادھر دوڑتے بھاگتے نظر آنے لگے تھے۔ تانگے کے پہیوں کے نشانات جنگل میں داخل ہو چکے تھے اور میں اس کے سہارے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس جنگل میں مجھے پھلدار درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ ان میں کچھ اجنبی پھل بھی تھے میں نے بہت سے پھل توڑ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھائی اور پھر آگے چل پڑا۔ ابھی میں تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ سامنے مجھے ایک اور وجود زمین پر پڑا نظر آیا۔

یہ قاسم تھا' میں جلدی سے اکڑوں بیٹھ کر اس کے بے سدھ وجود کو ہلا جلا کر ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا تو مجھے پر یہ روح فرسا انکشاف ہوا کہ یہ بھی مر چکا تھا۔ اس کے سر سے خون بہہ کر جم چکا تھا اور سیاہ پڑ چکا تھا۔ اس دوسری لاش کو دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ ''یہ کیا معاملہ ہے؟ پہلے شیدے تانگے والے کی لاش..... اور اب قاسم کی لاش..... آخر انہیں کون اس بیدردی کے ساتھ قتل کر رہا ہے؟'' شیدے تانگے والے کا قتل تو سمجھ میں آتا تھا مگر اب قاسم کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا مگر کیوں.....؟ قاسم تو فرید و اور راضی کا ساتھی تھا پھر اسے کس نے قتل کیا تھا؟ قاسم کا قتل میری سمجھ سے باہر تھا۔ میرے دل کو ایک عجیب سی پریشانی اور خوف نے جکڑ لیا تھا۔ ناچار میں آگے بڑھ گیا۔ یہ شکر تھا کہ تانگے کے پہیوں کے نشانات واضح تھے اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ فرید و اور راضی نے ابھی تک تانگہ نہیں چھوڑا تھا۔

تانگے کے بدستور آگے بڑھتے ہوئے نشانات سے یہی نظر آ رہا تھا کہ وہ

دونوں اس پر سوار اپنی منزل کی جانب گامزن تھے۔ میں نے اور تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ جنگل بہت گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ دن میں رات کا سماں تھا۔ پیدل چلنے سے بھوک کی شدت بڑھ رہی تھی۔ تازہ پھل کھانے سے کچھ سہارا تو ہوا تھا مگر وہ جلد ہضم ہو گئے تھے اور اب پہلے سے زیادہ بھوک شدید ہوگئی تھی مگر مجھے بھوک سے زیادہ اپنی منزل تک پہنچنے کی فکر تھی۔ فقط ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں میں نقاہت کا شکار نہ ہو جاؤں۔

یہ جنگل جتنا گھنا محسوس ہو رہا تھا' اتنا طویل ثابت نہ ہوا اور پھر جیسے ہی اس کا اختتام ہوا مجھے سامنے کھیت کھلیان نظر آنے لگے اور ایک ندی بہتی دکھائی دی۔ اس کے بعد کچے پکے گھروں کے بے ترتیب سلسلے تھے۔ یہاں آ کر اچانک تانگے کے پہیوں کے نشان گڈمڈ ہو رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں تانگہ کچھ دیر کیلئے رکا تھا لیکن پھر آس پاس کی زمین کا معائنہ کرنے کے بعد میں چونکے بنا نہ رہ سکا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ یہاں سے گھوڑے کو تانگے سے جدا کر دیا گیا تھا۔ آگے گھوڑے کے سموں کے نشان دور تک گئے تھے۔ میں سمجھ گیا وہ دونوں تانگہ چھوڑ کر گھوڑے پر ہی سوار ہو کر آگے نکل گئے تھے مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ تانگہ کدھر گیا.....؟ میں نے کچھ سوچ کر آگے قدم بڑھا دیئے' اب میں نے گھوڑے کے سموں کے نشانات کی مدد سے آگے بڑھنا شروع کر دیا' کھیتوں میں عورتیں اور کچھ لوگ کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ میں نے ایک مزدور سے پوچھا کہ یہاں سے اس نے کسی تانگے یا گھڑ سواروں کو تو گزرتے نہیں دیکھا.....؟

وہ ایک چالیس سالہ کمزور سا شخص تھا۔ رنگت جھلسی ہوئی تھی۔ پہلے تو اس نے غور سے مجھے دیکھا پھر بولا۔ ''کیا وہ تمہارے ساتھی تھے؟'' میں اس کے سوال پر چونکا۔ اس کے پوچھنے کے انداز سے یوں لگا جیسے وہ لوگ کوئی بڑا جرم کر کے بھاگے ہوں۔ ایسا نہ ہو میں خود کو انہیں اپنا ساتھی بتا کر کسی مصیبت میں پھنس جاؤں۔ چنانچہ میں نے کہا۔ ''نہیں..... وہ میرے ساتھی نہیں تھے وہ میرے گھر سے چوری کر کے بھاگے ہیں۔''

''ان دونوں کا شاید آپس میں کسی طرح کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے پہیوں پر ہی ہوا ہوگا' خیر ان دونوں میں سے ایک موٹے سے لڑکے نے اپنے ساتھی کو پتھر مار مار کر زخمی کر دیا اور خود وہ ایک بڑی سی گٹھڑی اٹھا کر گھوڑے پر بھاگ گیا۔ پھر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس کے زخمی ساتھی کو گوبند رام اور اس کی پتنی اپنے ساتھ اٹھا کر گھر لے گئے۔"

"کدھر..... بھگوان کیلئے مجھے بتاؤ گوبند رام کا گھر کدھر ہے؟" میں نے قراری سے پوچھا اور دانستہ خود کو دیسی باشندہ ظاہر کیا۔ اس نے مجھے گوبند رام کا گھر اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ میرے اندر اب بری طرح سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ راضی اور فریدو کے جھگڑے کی مجھے کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ان کے درمیان آخر کس بات پر جھگڑا ہوا تھا؟ پھر اچانک چلتے چلتے غور کرنے پر ایک خیال بجلی کی تیزی سے میرے ذہن میں لپکا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ راضی کے دل میں لالچ آ گیا ہو کہ وہ اکیلے ہی فریدو سے راکھ کی پوٹلی چھین کر راماسی مندر کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہو تاکہ کالی گاپ کو صرف اور صرف اپنا غلام بنا سکے کیونکہ مزدور کی اطلاع کے مطابق جس موٹے لڑکے نے اپنے دوسرے ساتھی کو زخمی کیا تھا۔ اس کے پاس ایک گٹھڑی تھی جسے بعد میں وہ موٹا لڑکا اپنے قبضے میں لے کر گھوڑے پر فرار ہو گیا تھا۔ یقیناً وہ موٹا لڑکا راضی ہی تھا اور دوسرا اس کا ساتھی فریدو جسے اب زخمی حالت میں گوبند رام اور اس کی پتنی ازراہ ہمدردی اپنے ہاں لے گئے تھے۔ میں نے سوچا گوبند رام کے ہاں جانے کے بجائے مجھے سیدھا راضی کے تعاقب میں جانا چاہئے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کر کے میں گھوڑے کے سموں کے نشانات کے سہارے آگے بڑھنے لگا۔ مجھے پچھتاوا بھی ہو رہا تھا کہ میں اس مزدور سے گوبند رام کے گھر کا پتہ معلوم کرنے کے بجائے راماسی کے مندر کے بارے میں پوچھ لیتا مگر اب میں واپس نہیں جا سکتا تھا لہٰذا آگے ہی بڑھتا رہا۔ آبادی کو میں پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ کھیتوں کے سلسلے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ سامنے ایک درخت کے نیچے ایک بوڑھا دہقان مجھے روٹی کھاتا نظر آ گیا۔ میں اس کے قریب پہنچا۔ میں نے اس کا حال چال پوچھا۔ وہ روٹی کا نوالہ توڑنے کے دوران میری طرف دیکھ کر بولا۔ "مسلمان ہو.....؟"

مجھے اس کے بولنے کے انداز نے قدرے چونکا دیا پھر جیسے ایک انجانی کشش کے زیر اثر میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بولا۔ "تو سلام کیوں نہیں کیا الحمدللہ میں بھی مسلمان ہوں۔"

"السلام علیکم۔" میں نے جھٹ دل کی گہرائیوں سے اسے سلام کیا۔

"وعلیکم سلام..... آؤ بیٹھو بسم اللہ کرو۔" اس نے مجھے روٹی کھانے کی دعوت دی۔

میں نے شکریہ کہا تو وہ سر ہلا کر بولا۔ "نہیں میاں..... ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی کی دعوت رد نہیں کرنی چاہئے۔ رزق تو اللہ کا ہے میرا نہیں آ جاؤ۔"

میں اس کی فراخدلانہ پیشکش پر مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔ خالص گندم کی روٹی اور ترکاری تھی۔ دو روٹی کھا کر میں سیر ہو گیا۔

"ہاں اب بولو..... کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" وہ روٹی کا رومال لپیٹتے ہوئے خلیقانہ لہجے میں بولا۔

"میرا نام وقار احمد ہے۔"

"بدیسی ہو.....؟" میں اس کے سوال پر متذبذب ہو گیا۔

"چھپانے کی ضرورت نہیں اس طرح میں تمہاری بہتر طور پر رہنمائی کروں گا۔ سرحد پار آنا جانا عام بات ہے۔"

اس کی حوصلہ افزائی پر میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہوں..... اب بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"مجھے راماسی کے مندر جانا ہے کیا تم مجھے وہاں تک پہنچنے کا آسان راستہ بتا سکتے ہو؟"

وہ میرے اس سوال پر چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اسی لہجے میں بولا۔ "تمہارا راماسی مندر میں کیا کام' وہ تو کالی کا مندر ہے؟" میں نے دائیں بائیں دیکھا اور بتانے میں ذرا تردد کرتے ہوئے بولا۔ "بس ایسے ہی کسی کو وہاں تلاش کرنا ہے۔"

"دیکھو میاں..... میرا نام خادم حسین ہے' مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں' صاف صاف بتاؤ ہو سکتا ہے میں مزید کھل کر تمہاری رہنمائی کر سکوں۔ کیا تم کسی کالے منتروں کے چکر میں تو نہیں پھنس گئے ہو اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے مشورہ دوں گا کہ ادھر ہی سے واپس لوٹ جاؤ۔ ان شیطانی چکروں میں پڑ کر نہ صرف تم اپنا ایمان خراب کر لو گے بلکہ ساری عمر کیلئے ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"بابا..... میرا ایمان بہت پختہ ہے' میں کالے منتروں کی بیخ کنی کیلئے ہی وہاں تک جا رہا ہوں۔" میں نے جواباً کہا اور اسے کالی گاپ سے متعلق ساری تفصیل بتا ڈالی۔ میری کتھا سن کر اس کے بوڑھے چہرے پر سناٹا چھا گیا پھر وہ ایک لمبی سانس کھینچ کر بولا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔" پھر اس نے مجھے راماسی کے مندر کا آسان راستہ بتا دیا چونکہ یہ بات اب اسے معلوم ہو چکی تھی کہ میں راضی سے پہلے وہاں تک پہنچنا چاہتا ہوں اس لئے اس نے مجھے راماسی مندر تک پہنچنے کا ایسا قریبی راستہ بتا دیا کہ میں پیدل اور کم وقت میں اسے طے کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں اس بوڑھے کا شکریہ ادا کر کے اور اسے یہ ساری بات راز میں رکھنے کا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

میری منزل اب بالکل قریب ہو گئی تھی۔ بوڑھے نے مجھے یہ بھی تسلی دی تھی کہ راضی جس راستے سے گیا ہے وہ بہت طویل اور دشوار گزار ہے جبکہ یہ راستہ زیادہ سہل ہے چنانچہ میں اللہ کا نام لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔ شکم سیری ہونے کے بعد میرے اندر کی نقاہت اب دور ہو چکی تھی اور میں اپنے بدن میں ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگا تھا۔ اب میں پہلے سے زیادہ بلند حوصلگی کے ساتھ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوتے ہی چٹیل میدان شروع ہو گیا۔ یہ میدان بھی زیادہ طویل نہ تھا کیونکہ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد سامنے بے آب و گیاہ ٹیلوں کے سلسلے نظر آ رہے تھے۔ میں میدان عبور کرتے ہی ٹیلوں کے قریب پہنچ گیا۔ منزل قریب ہونے کی چاہ میں تیز تیز چلنے کی وجہ سے میرا دم پھول گیا تھا۔ میں ذرا ستانے کیلئے وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ ماحول میں بتدریج سہ پہر کا ملگجا پن گھلنے لگا تھا۔ میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔ رات کا اندھیرا ہونے سے پہلے مجھے راماسی کے مندر پہنچ جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ یہ سوچ کر میں دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ذرا ستانے کے بعد میری پھولی ہوئی سانسیں بحال ہو گئی تھیں۔ میں اب ٹیلوں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ ٹیلوں کا درمیانی راستہ بل کھاتا ہوا تھا' مجھے اس بوڑھے مسلمان نے بتایا تھا کہ اگر میں اس کی ہدایت کے مطابق بلند ٹیلوں کے بجائے نسبتاً چھوٹے ٹیلوں کا راستہ اختیار کروں تو اپنی منزل تک جلد پہنچ سکتا ہوں بصورت دیگر اگر میں نے بلند ٹیلوں کا راستہ اختیار کیا تو بھول بھلیوں میں گم ہو کر راستے سے بھٹک جاؤں گا۔ اس لئے میں نے اس کی یہ بات گرہ سے باندھ لی تھی۔

میں آگے بڑھ رہا تھا۔ نسبتاً چھوٹے ٹیلوں کا راستہ بل کھاتا ہوا بھی تھا اور کہیں ڈھلوان اور کہیں اونچائی بھی تھی۔

اچانک ایک کھرکھراتی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"او بالکے..... کدھر جا رہا ہے.....؟ رک ادھر....."

میں ٹھٹک کر رکا اور آواز کی سمت دیکھا۔ یہ عجیب سا تاثر لی ہوئی آواز دائیں جانب سے آئی تھی مگر مجھے وہاں کوئی دکھائی نہ دیا۔

"سر اٹھا ذرا بالکے..... ہم اوپر ہیں۔" میں نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا تو بری طرح چونک گیا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک سادھو فضا میں سر کے بل معلق تھا۔ اس کے بدن پر صرف دھوتی کسی ہوئی تھی۔ کمزور اس قدر تھا کہ ساری پسلیاں نظر آ رہی تھیں۔ سر بالوں سے عاری تھا۔ ماتھے پر تو شول اور گلے میں ان گنت مالائیں لپٹی ہوئی تھیں۔ چہرہ جسم کی طرح چھریرا اور لمبوترا تھا۔ میں ششدر رہ گیا پھر دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا اس کا فضا میں معلق وجود دھیرے دھیرے سیدھا ہوا پھر اس کے سوکھے پاؤں زمین پر آ ٹکے۔ اس کے پتلے پتلے بدہیئت ہونٹوں پر بڑی اسرار بھری مسکراہٹ رقصاں تھی پھر وہ بولا۔ "کدھر کو جاوت ہو' ہم کا نہیں بتاؤ گے؟" اس کے لہجے میں بے تکلفی تھی اور آواز میں مکاری..... میں چپ ہو کر اس کو گھورنے لگا۔ وہ دوبارہ بولا۔ "ہم کو بتانے میں تھارو ہی فائدہ ہووے ہے بالکے..... ویسے ہم نے تمہاری پیشانی کی ریکھائیں پڑھ لی ہیں' راماسی کے مندر جاوت ہے تو۔ ہمیں سب جانکاری ہے۔" اس نے آخر میں مکاری سے اپنی باریک بھنویں اچکائیں۔

میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا تاہم سنجیدگی سے بولا۔ "تمہیں معلوم ہے تو پھر کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ارے بالکے..... ہم تیرا راستہ تو نہیں کھوٹا کر رہے' شانت ہو جاؤ اور بتاؤ کیا کالا جادو سیکھنے جاوت ہو کالی کے پاس.....؟"

میں سمجھ گیا یہ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑنے والا۔ یہ مجھے کوئی ساحر نظر آ رہا تھا اس لئے اسے اعتماد میں لے کر بھٹکانا ضروری تھا۔ میں بولا۔ "ہاں مہاراج..... مہاکالی کے پاس جا رہا ہوں تاکہ اس کے چرنوں میں بیٹھ کر کچھ سیکھ لوں اور اپنی کٹھن

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زندگی آسان کروں۔"

میری بات سن کر وہ ہنسا جیسے میرے دل کی بات جان کر اسے فخر محسوس ہو رہا ہو۔

"ہم خود اسی کارن تو ادھر کشٹ بھوگ رہے ہیں..... پر تیرا راماسی بھی خطرے سے خالی نہیں' وہاں ایک بڑی آتما نے قبضہ جما رکھا ہے' کالی گاپ نام ہے اس کا۔"

کالی گاپ کے نام پر میں چونکا اور انجان بن کر بولا۔ "بھلا کالی گاپ سے مجھے کس قسم کا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

"کالی گاپ نے وہاں کے مہا پجاری گاتریا کو..... رام کر رکھا ہے کیونکہ اس نے اپنی روح اس کے حوالے کر رکھی ہے' وہ نیا جنم لے کر بہوت شکتی حاصل کرنا چاہتا ہے۔" اسنے اب سیدھے لفظوں میں مجھ سے بات کی۔

میں دانستہ پریشانی سے بولا۔ "مہاراج..... پھر تو ہی بتا میں کیا کروں؟"

"ہاں..... یہ ہوئی نا کام کی بات۔" وہ مکاری سے مسکرا کر بولا۔

"سن..... تو کسی طرح راماسی کے مندر پہنچ کر اگر اس مہا پجاری گاتریا کو ہلاک کر ڈالے تو تیرا کام آسان ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ہمرا بھی داخلہ بند ہو گیا ہے۔"

"پر یہ کام تم خود بھی تو کر سکتے ہو؟ تم بھی پراسرار علوم کے ماہر لگ رہے ہو مجھے۔" میں نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

تو اس کے چہرے کے تاثرات لمحے بھر کو بگڑے پھر بولا۔ "ہم چاہیں تو چٹکی میں اس مہا پجاری کا انت کر ڈالیں مگر ہمیں کالی دیوی کا پالن ہے' ہم اس کا اپمان نہیں کر سکتے مگر یہ کام تمہارے جیسا کوئی مسلمان کر سکتا ہے۔"

اس کی بات سن کر مجھے ایک جھٹکا لگا' یہ کمبخت مجھے ایک مسلمان کی حیثیت سے پہچان چکا تھا۔ "تمہارے ہی قدم راماسی کے اندر داخل ہونے کی شکتی رکھتے ہیں' اس کا کنڈل ایک مسلمان ہی توڑ سکتا ہے۔"

"مہاراج..... تو پھر مجھے کسی طرح جلدی سے راماسی کے مندر پہنچا دو۔" میں

نے اس کی خوشامد کی۔

"ہاں ہم تمہیں ترنت وہاں تک پہنچا سکتے ہیں مگر تمہیں ہم سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"کیسا وعدہ.....؟" میں نے قدرے چونک کر پوچھا۔

"مہا پجاری کو قتل کرنے کے بعد اس کے مردہ شریر کو مندر سے باہر لا کر میرے حوالے کرنا ہوگا' میں اس پر ایک منتر پھونک کر سب سے پہلے کالی گاپ کی بے چین آتما کو چین دوں گا پھر راماسی کے گرد جو کنڈل کھینچ رکھا ہے' اسے توڑوں گا۔ کالی گاپ دوبارہ زندہ ہو کر ایک مہان شکتی میں ڈھل جائے گا پھر اس کی روح اپنے قبضے میں کر کے ہم اس سے جو چاہیں کام لیں وہ ہمرا ہر حکم ماننے کا پابند ہوگا۔"

"مگر مجھے بدلے میں کیا ملے گا؟" میں نے دانستہ خود کو لالچی ظاہر کرتے ہوئے بڑی مکاری سے کہا تاکہ وہ مردود میرے نیک مقصد سے آگاہ نہ ہو جائے۔

میری بات سن کر وہ پراسرار مسکراہٹ سے بولا۔ "ارے بالکے..... تو چنتا نہ کر' میں تجھے چٹکی بجاتے ہی دولت مند بنا دوں گا' چل اب اپنی آنکھیں بند کر اور تین تک گنتی گننے کے بعد دوبارہ کھول دینا تو خود کو راماسی کے مندر کے قریب پائے گا۔"

اس کی بات سن کر میں نے فوراً دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی آنکھیں بند کر لیں پھر دل ہی دل میں تین تک گنتی گننے کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک گھنے جنگل کے وسط میں پایا' جنگل میں گہرا سکوت طاری تھا' کسی چرند پرند کے بولنے تک کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایک عجیب سی ویرانی طاری تھی ماحول پر..... اس پراسرار سادھو نے کہا تھا کہ جب میں اپنی آنکھیں کھولوں گا تو مجھے سامنے راماسی کا مندر نظر آ جائے گا لیکن سامنے گھنے پیڑوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن پھر میں نے ذرا غور سے سامنے دیکھا تو چونک پڑا سامنے گھنے پیڑوں کی بلندی سے مجھے ایک کلس سا نظر آیا' یہ ٹیلے رنگ کا کلس تھا جس پر آبنوسی رنگت کی آمیزش غالب تھی۔ میرا دل زور سے دھڑکا۔ "یقیناً یہی راماسی مندر ہوگا۔" میں نے سوچا اور پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھ گیا۔ جنگل اتنا گھنا اور گنجان تھا کہ دن میں بھی اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلا جا رہا تھا۔ میرا ذہن اس سے زیادہ تیز رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ گاتریا کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہلاک کرنا میرے لئے سردست ممکن نہ تھا اور نہ ہی میرا اپنا کوئی ایسا مقصد تھا۔ اسے ہلاک کرنا' میرا تو مقصد صرف اور صرف کسی طرح کالی گاپ کے مردہ وجود کی راکھ کی پوٹلی حاصل کر کے اسے دریا برد کرنا تھا جبکہ وہ پراسرار سادھو مجھ سے راماسی کے مہا پجاری گاتریا کو ہلاک کروانا چاہتا تھا۔ اس میں اس مکار سادھو کے مفاد کا دخل تھا۔ وہ ساہم یقیناً کالی گاپ کو قابو کرنا چاہتا تھا۔

میں ذرا دیر بعد راماسی کے مندر کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ گھنے درختوں اور تنگ کے جھنڈوں کے بیچ میں گھری مندر کی یہ عمارت بڑی پراسرار نظر آ رہی تھی۔ سامنے کے رخ پر کشادہ دروازہ تھا۔ زینے کا پلستر بھی جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا اور وہاں چھوٹی چھوٹی خودرو گھاس اگ آئی تھی۔ پوری عمارت کہن سالی کا شکار نظر آ رہی تھی۔ لکڑی کا بڑا چوبی گیٹ بھی دیمک زدہ نظر آ رہا تھا۔ مندر کی دیواروں کے رخنوں میں ابابیلوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ دروازے کے دائیں بائیں عجیب و غریب سینگوں والے جانوروں کے چنگھاڑتے ہوئے مجسمے بھی نظر آ رہے تھے۔ غرض بادی النظر میں صاف نظر آتا تھا کہ عرصہ گزرا اس مندر میں لوگوں نے آنا جانا ترک کر رکھا تھا اور اب یہ پرا مندر گویا گزرے زمانوں کا نوحہ سنا رہا تھا۔ میرا دل جانے کیوں انجانے خوف کے زیر اثر دھک دھک کرنے لگا تھا اور میں اس شش و پنج میں تھا کہ اندر جانے کی کوشش کروں یا ادھر ہی بیٹھ کر راضی کے پہنچنے کا انتظار کروں۔ پھر میں نے سوچا کیا خبر وہ مجھ سے پہلے پہنچ گیا ہو اور اندر مہا پجاری گاتریا کے ساتھ بیٹھا کالی گاپ کے سلسلے میں ساز باز کر رہا ہو۔ مجھے حیرت تھی کہ اس ویران اور شکستہ مندر میں وہ مہا پجاری گاتریا کس طرح رہ رہا تھا۔

بہرطور میں نے آگے قدم بڑھا دیئے۔ مہا پجاری گاتریا نے بقول اس پراسرار سادھو کے مندر کے گرد کنڈل کھینچ رکھا تھا اور کوئی ہندو اس کنڈل کو پار نہیں کر سکتا تھا مگر میں چونکہ ایک مسلمان تھا اس لئے بے دھڑک آگے بڑھ گیا پھر شکستہ زینے پر پہلا قدم رکھا' دروازہ بند تھا مگر اس پر کنڈا نہیں لگا ہوا تھا۔ مجھے اس کے دونوں چوبی پٹ بھڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پایا اور بدستور زینے چڑھنے لگا۔ گیٹ پر پہنچ کر میں نے اسے ذرا اندر دھکیلا' بڑا سا پٹ کر

آمیز چرچراہٹ کے ساتھ اندر کی طرف وا ہوتا چلا گیا۔ کچھ ابابیلیں پھڑ پھڑاتی ہوئی باہر نکل کر جنگل میں غائب ہو گئیں اندر روشنی تھی مگر روشنی کا مخرج کہیں مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اندر آ گیا۔ مندر کا فرش پختہ اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ یہ مندر مخروطی شکل میں تھا اس لئے اس کی اندرونی بلندی بھی مخروطی ہو کر اوپر تک جا رہی تھی۔ ان بلندیوں پر دریچے بھی بنے ہوئے تھے جن میں کچھ وا تھے اور کچھ بند تھے۔ سامنے ہی کالی دیوی کا بارہ ہاتھوں والا آبنوسی رنگت کا مجسمہ ایستادہ تھا۔ ہر ہاتھ میں اس نے عجیب و غریب ترشول نما ہتھیار پکڑے ہوئے تھے۔ کالی کا یہ پراسرار مجسمہ ایک اونچے چبوترے پر بنا ہوا تھا۔ اس کی سرخ زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ دو آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ ماتھے پر ناگ کا پھن نظر آ رہا تھا' پتھر کی اس بے جان مورتی میں عجیب سی ہیبت ناکی مجھے محسوس ہو رہی تھی اور اس کی آنکھیں مجھے گھورتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ جن کی مقناطیسی کشش سے مجھے اپنے وجود میں سنسنی کا احساس ہو رہا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں چند قدم آگے بڑھا اور گردوپیش کا جائزہ لینے لگا۔ اندر سے مندر بالکل صاف ستھرا تھا اور اس کی اندرونی دیواریں بھی مجھے سالم حالت میں نظر آ رہی تھیں۔ کالی کی مورتی کی داہنی جانب مجھے ایک کوٹھری نما کمرے کا دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ مجھے تسلی ہو گئی تھی کہ ابھی تک راضی نہیں پہنچا تھا۔ مندر کے اندر اس قدر سناٹا طاری تھا کہ مجھے اپنے زور زور سے دھڑکتے دل کی بازگشت کنپٹیوں پر سنائی دیتی محسوس ہو رہی تھی۔

معاً کوٹھری کا دروازہ ہولے سے چرچرایا' میں بری طرح ٹھٹک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ پراسرار انداز میں چرچراتا ہوا دروازہ اب پوری طرح کھل چکا تھا مگر مجھے وہاں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا البتہ اندر مجھے ہلکی سی روشنی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اندر بغور دیکھنے کی کوشش کی تب پھر اچانک اندر سے ایک بھاری اور گونجدار آواز ابھری۔

"آ جا بالکے اندر..... کیا تو کالی گاپ کی راکھ لے آیا ہے؟"

میں یہ سن کر ٹھٹکا اور پھر میرے ذہن میں ایک چالاکی ابھری اور میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "ہاں مہاراج..... میں کالی گاپ کی راکھ لے آیا ہوں۔"

"اندر چلے آؤ بالکے..... تمہارا کالی دیوی کے چرنوں میں آنا شبھ ہو۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجتا ہوا کوٹھری کی طرف بڑھا' میں سمجھ گیا کہ یہ پجاری گاتریا ہے۔ اندر عجیب وغریب ساخت کے دیئے جل رہے تھے جو کوٹھری کی آبنوسی دیواروں کے چھوٹے چھوٹے طاقچوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ان کی روشنی میں مجھے دائیں جانب چبوترا بنا ہوا نظر آیا جس پر ایک موٹا بھدا کالے رنگ کا نیم برہنہ پجاری آسن جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا سر گنجا تھا۔ ماتھے پر ترشول کی شکل کا تلک تھا۔ گلے میں موٹے موٹے منکوں کی مالائیں جھول رہی تھیں۔ اس کی گردن بیل کی طرح موٹی تھی۔ ہونٹ کالے بھدے اور موٹے تھے۔ آنکھیں گول گول اور بڑی بڑی تھیں۔ ناک خاصی موٹی تھی۔

''مہاراج..... میں نے کالی گاپ کی آتما کی نشاندہی پر اس کے مردہ شریر کی راکھ جس مکان کے تہہ خانے سے نکالی تھی وہ اتفاق سے میرا اپنا گھر تھا۔''

میں نے بتانا شروع کیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ مجھے یہ سب اسے بتاتے ہوئے ڈر بھی لگ رہا تھا کہ کہیں وہ مردود کالی گاپ کی بدروح اپنے گرو گھنٹال گاتریا کے کان میں سرگوشی کر کے میری اصلیت نہ بتا دے مگر پھر مجھے راہ میں ملنے والے اس پراسرار سادھو کی بات یاد آنے لگی جس نے کہا تھا کہ مندر کے گرد کنڈل کھینچا گیا ہے جسے ایک مسلمان اپنی ایمان کی طاقت سے توڑ کر اندر داخل ہو سکتا ہے چنانچہ مجھے ذرا تسلی ہوئی۔

''تو پھر کدھر ہے وہ راکھ.....؟'' مہا پجاری گاتریا نے گونجدار آواز میں کہا۔

''مہاراج..... پہلے میری پوری کتھا تو سن لو۔'' میں نے کہا۔ وہ خاموشی سے میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ''کالی گاپ نے مجھے وچن دیا تھا کہ اگر میں اس کی راکھ کسی طرح مندر میں مہا پجاری گاتریا کے حوالے کر دوں تو وہ کالی کاپ کو دوبارہ زندہ کر دے گا' کیا تم وہی مہا پجاری گاتریا ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔ میرا مقصد اسے اپنے اعتماد میں لینا تھا۔

''ہاں..... ہم ہی کالی دیوی کے سیوک مہا پجاری گاتریا ہیں۔'' وہ غرور بھری آواز میں بولا۔

''مہاراج..... میں نے راکھ حاصل کرنے کیلئے جس مورکھ لڑکے کو اپنے

ساتھ ملایا تھا' اس نے راستے میں میرے ساتھ دھوکا کر ڈالا اور مجھ سے راکھ کی پوٹلی لے کر مجھے بے ہوش کر کے بھاگ گیا' مجھے حیرت ہے وہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا۔'' بالآخر میں نے اپنی بات مکمل کی۔

میری دروغ گوئی کو وہ سچ پر محمول کر کے کچھ چونکا اور ذرا پریشان سا نظر آنے لگا۔ ''مورکھ ابھی تک تو یہاں نہیں پہنچا ہے۔'' اس نے متفکر لہجے میں کہا۔

''مہاراج..... اگر وہ یہاں آ بھی جائے تو کیا میری محنت کا پھل مجھے نہیں ملے گا؟'' میں نے دانستہ لالچی بنتے ہوئے کہا۔

''اوئے مورکھ..... تجھے اپنی پڑی ہے اور مجھے اپنے سیوک کالی گاپ کی چنتا کھائے جا رہی ہے' اگر تیرے اس دھوکے باز دوست نے وہ پوٹلی کھو دی تو ہمرا بڑا نقصان ہو جائے گا' جا اسے تلاش کر کے لے آ..... پتہ نہیں اس کو یہاں تک پہنچنے کا راستہ آتا بھی ہے کہ نہیں۔'' وہ غصے سے بولا۔

''مم..... مگر مہاراج..... میں اس کو کہاں تلاش کروں' اسے آنا ہوگا تو ادھر ہی آ جائے گا ہم اس کا انتظار کر لیتے ہیں۔'' میں نے اس کی منت کی وہ پہلے سے زیادہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''نہیں..... تو یہاں نہیں رہ سکتا' جا دفع ہو جا یہاں سے' تیرے یہاں رہنے سے ہمرا دھرم نشٹ ہو جائے گا۔''

میں مسمسی سی صورت بنا کر مندر سے باہر آ گیا۔

☆.....☆.....☆

چہار اطراف اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہر سو ویران خاموشی کا راج تھا۔ جنگل سے آنے والی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے اچانک مجھے کہیں قریب سے کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ میں یکدم مندر کی دیوار کی آڑ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ذرا سر ابھار کر جھانکا تو میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور فرط جوش سے میری رگوں میں خون کی گردش بھی تیز ہو گئی تھی' وہ راضی ہی تھا گھوڑے پر سوار اس کی پشت سے گٹھڑی جھول رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھی فریدو کو دھوکے سے زخمی کر کے راکھ کی پوٹلی لے کر یہاں آن پہنچا تھا۔ یہ گھوڑا ابھی اس بدنصیب شیدے تانگے والے کا تھا جسے انہی لوگوں نے قتل کیا تھا اور بعد میں اپنے تیسرے ساتھی قاسم کو بھی ہلاک کر ڈالا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا مگر لالچ نے فرید و اور راضی کے بیچ بھی پھوٹ ڈال دی تھی چنانچہ اب راضی فرید
زخمی کر کے بالآخر یہاں آن پہنچا تھا۔ اب میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں اسے
میں کر کے اس کی پوٹلی چھین لوں۔ اس سے پہلے کہ یہ اندر مندر میں قدم رکھے اور
خبیث سادھو گاتریا کے حوالے وہ راکھ کرے چنانچہ وہ جیسے ہی گھوڑے سے اترا میں
کی سی تیزی کے ساتھ دیوار کی آڑ سے نکلا اور اس کی طرف جھپٹا' اس کے سان و گ
میں بھی نہ تھا کہ کوئی اس طرح اچانک اس پر حملہ کر دے گا' میں نے اسے زور دار
دیا اور دوسرے ہی لمحے پوٹلی اس کی کمر سے اچک لی۔ میں جنگل کی طرف دوڑا
ثانئے وہ ششدر سا رہ گیا شاید اس کے خواب و خیال میں بھی یہ نہ ہو گا کہ منزل
قریب پہنچ کر وہ بے مراد ہو جائے گا۔

پھر دوسرے ہی لمحے وہ مجھے گالیاں بکتا' چیختا چلاتا ہوا میرے عقب میں دو
میں بھی اندھا دھند دوڑا چلا جا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ راضی موٹا ہونے کی وجہ سے زیا
دیر تک دوڑ کر میرا پیچھا نہیں کر سکے گا مگر میری یہ خوش فہمی جلد ہی ہوا ہو گئی' وہ کمبخت مو
ہونے کے باوجود میرے سر پر پہنچ چکا تھا اور دوسرے ہی لمحے اس نے میرے پیچ
دوڑتے دوڑتے میری پشت پر زور سے ہاتھ مارا' اندھا دھند دوڑنے کی وجہ سے میرا
لڑکھڑایا تو اپنا توازن بھی نہ برقرار رکھ سکا۔ نتیجتاً میرا پاؤں رپٹ گیا اور میں منہ کے بل
زمین پر آ رہا۔ شکر تھا کہ مجھے کوئی خاص چوٹ نہ آئی تھی کیونکہ منہ کے بل گرتے ہی
میرے چہرے کے آگے آ گئی تھی یوں میں زمین پر گرنے کے باوجود چہرے کی چو
سے محفوظ رہا مگر بیل جیسا راضی میرے اوپر بارہ من کی لاش کی طرح آ گرا تھا۔ اس
پوٹلی میرے ہاتھوں سے چھیننے کی کوشش کی تو وہ ایک ہی جھٹکے سے کھل گئی اور چھو
موٹے کپڑوں اور جانے کیا کیا الا بلا زمین پر بکھر گیا۔ ان میں راکھ کی وہ چھوٹی پوٹلی بھ
تھی جو ایک بڑے سے رومال میں بندھی ہوئی تھی۔ میں نے پیٹ کے بل لیٹے لیٹے
پوٹلی کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر اس سے قبل ہی اس پوٹلی کو راضی نے کمال پھرتی کے ساتھ
جھپٹ کر اٹھا لیا اور اٹھ کر مندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ میرے اوسان خطا ہو گئے کیونکہ
میں جانتا تھا کہ اگر ایک بار وہ مندر کے اندر پہنچ گیا اور اس بدبخت نے وہ پوٹلی
خبیث گاتریا کے حوالے کر دی تو کالی گاپ اپنے شیطانی مقصد میں کامیاب ہو جائے

لہٰذا مجھے ہر صورت میں راضی کو مندر میں داخل ہونے سے روکنا تھا۔ یہ سوچ کر میں
جلدی سے اٹھا اور راضی کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

راضی مندر تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا اور میں اس تک پہنچنے کی.....

اچانک مجھے ایک شیر کی دھاڑ سنائی دی' میں بری طرح دہل کر رہ گیا راضی بھی ٹھٹک گیا
تھا پھر معاً دائیں جانب سے ایک ببر شیر نمودار ہوا اور تیزی سے میری طرف جست
لگائی۔ غیر ارادی طور پر میرے قدم رک گئے وہ مجھ سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر آ
گرا تھا۔ اس کی خوفناک دھاڑ نے مجھے لمحہ کیلئے گنگ کر دیا تھا۔ راضی بھی اگرچہ اس شیر
کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا تھا لیکن اسے میری طرف جست لگاتے دیکھ کر وہ ٹھٹکنے کے
بعد پھر مندر کی طرف دوڑا پڑا۔ شیر نے میرا راستہ روک رکھا تھا۔ مجھے اپنی جان پر بن
رہی تھی مگر راضی کے ہاتھ سے نکل جانے پر مجھے بے حد افسوس ہو رہا تھا مگر پھر شیر کو
خاموش گھورتا پا کر میرے ذہن میں بجلی کا سا کوندا لپکا..... "یہ یقیناً کالی گاپ کی کارستانی
ہو گی۔" میں نے ٹھٹکے ہوئے ذہن سے سوچا اور راستہ بدل کر پھر مندر کی طرف راضی
کے تعاقب میں دوڑا۔ شیر ببر اچانک نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میرا شبہ یقین میں
بدل گیا مگر اب اس کا کیا فائدہ تھا' مردود راضی مندر کے بڑے چوبی گیٹ سے اندر
داخل ہو چکا تھا مگر رکا میں بھی نہ تھا اور بدستور دوڑتا رہا اور بالآخر زینے تک جا پہنچا پھر
اس سے پہلے کہ میں دروازے تک پہنچتا معاً ہی دونوں دروازے چرچراہٹ کے ساتھ
بند ہوتے چلے گئے' راضی مردود شیطان کے شنونگڑے کالی گاپ کی راکھ اندر لے جانے
میں کامیاب ہو چکا تھا اور میں باہر ہاتھ ملتا رہ گیا تھا۔ میرے چہرے کا رنگ فق ہو گیا
تھا۔

پہلی بار میرے دل میں یہ خدشات تیزی سے سر ابھارنے لگے تھے کہ اب
کالی گاپ اپنے اصل شیطانی روپ میں ظاہر ہو کر بے پناہ طاغوتی قوتوں کا مالک بن
جائے گا اور سب سے پہلے مجھے ہی ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ ان خیالوں نے مجھے
پریشان اور فکر مند کر دیا تھا تب پھر اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں آیا
کہ کالی گاپ کو اصل روپ میں آنے یا لانے کیلئے ابھی دو دن باقی تھے اور مہا پجاری
گاتریا کی بھی یہ بات مجھے فوراً یاد آئی تھی کہ جب اسے کالی گاپ کے مردہ شریر کی راکھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مل جائے گی تو وہ پون ماشی کی رات میں ایک خاص عمل کے ذریعے کالی گاپ کو اصل روپ میں زندہ کرسکتا تھا اور پورن ماشی کی رات میں ابھی دو دن باقی تھے۔ اس کا مطلب تھا اگر میں پورن ماشی کی رات سے پہلے راکھ حاصل کر کے اسے دریا برد کر ڈالوں تو میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا تھا۔ یعنی ابھی میرے پاس وقت تھا مگر سوال پھر یہی پیدا ہوتا تھا کہ میں اس مندر کے اندر داخل ہوئے بغیر وہ راکھ کس طرح حاصل کرسکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب مندر کا یہ دروازہ اس وقت تک نہیں کھلے گا جب تک مہا پجاری گاتریا اپنا شیطانی عمل نہیں کر لیتا۔ یہ سوچ کر میں مندر کے شکستہ زینے سے اتر آیا پھر میں نے اس کے گرد ایک چکر لگایا کہ شاید مجھے اندر داخل ہونے کا کوئی چور دروازہ نظر آ جائے۔ چنانچہ جب میں مندر کی عقبی سمت آیا تو اس کے ایک دریچے کو میں نے کھلا ہوا پایا۔ دریچے کا ایک پٹ ٹوٹا ہوا تھا مگر وہ اس قدر بلندی پر واقع تھا کہ میرا وہاں تک پہنچنا محال تھا۔ پھر معاً ہی میری نظر ایک آبنوسی پیڑ پر پڑی وہ خاصا بلند تھا جس کی شاخیں دریچے تک پہنچ رہی تھیں۔ میں نے فوراً اس پیڑ کے ذریعے اوپر دریچے تک پہنچنے کا ارادہ کیا اور پھر اللہ کا نام لے کر پیڑ پر چڑھنے لگا۔ پیڑ پر چڑھنا میرے لئے چنداں مشکل ثابت نہ ہوا تھا۔ ذرا سی محنت اور کوشش سے میں بلندی تک پہنچ گیا اس کے بعد میں نے ایک مضبوط تنے کا سہارا لیا اور اس کی مدد سے بالآخر دریچے تک جا پہنچا۔ میری سانسیں پھول گئی تھیں۔ میں نے چند ثانئے پیش قدمی روکی اور سانسوں کو بحال کیا۔ اس کے بعد دریچے سے اندر کود گیا۔ یہاں سے ایک چکر دار شکستہ زینہ مجھے نیچے جاتا ہوا دکھائی دیا۔ میں مدہم روشنی میں زینے سے نیچے اترنے لگا اور ذرا دیر بعد میں نے زینے کی سیلن زدہ دیوار کی آڑ سے جھانکا تو سامنے کالی کا مجسمہ نظر آ گیا۔ کالی کی مورتی مجھے اپنی طرف پتھرائی ہوئی آنکھوں سے گھورتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی مگر میں اس سے ذرا بھی مرعوب نہ ہوا کیونکہ میں جانتا تھا کہ پتھر کی یہ بے جان مورتی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

بہرطور میدان صاف دیکھ کر میں دبے پاؤں مہا پجاری کی کوٹھری کی طرف بڑھا' میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر سے مدہم سی باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں دھڑکتے دل سے دیوار کی آڑ لے کر قریب آیا تو

میں نے اس مہا پجاری گاتریا اور بدبخت راضی کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ گاتریا' راضی کو اس ''کام'' کے صلے میں بڑے بڑے سبز باغ دکھا رہا تھا نیز راضی نے اسے میری اصلیت کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔

''بالکے..... بس اب کالی گاپ کو اصل روپ ملنے میں تھوڑا ہی سمے رہ گیا ہے۔ پورن ماشی کی رات میں جاپ کروں گا پھر کالی گاپ اصل روپ میں آ جاوے گا اور تجھے دولت سے مالا مال کر دے گا۔'' گاتریا کی کھرکھراتی آواز سنائی دی راضی خاموش ہو رہا۔

''تو ذرا آرام کر لے سو جا..... یہ لے تھوڑا بھوجن کر لے' تجھے بھوک بھی لگی ہوگی۔'' گاتریا نے راضی کو کچھ کھانے کو پیش کیا تھا۔ پھر راضی کے منہ چلانے کی آواز خاموشی میں گونجنے لگی۔ وہ جانے کیا سپڑ..... سپڑ..... کھائے جا رہا تھا۔ میں دم سادھے دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا تھا۔ مجھے گاتریا کی پراسرار قوت سے کچھ کچھ اندازہ ہو چلا تھا کہ اس کی طاقت صرف مندر کے اندر ہی کام کرسکتی تھی باہر اس کا جادو نہیں چلتا تھا اور کالی گاپ کو ایک خاص عمل کے ذریعے ایک نیا شطانی روپ دینے کا مقصد بھی یقیناً یہی رہا ہوگا تاکہ وہ کالی گاپ کے ذریعے خود بھی مہاشکتی حاصل کر لے۔ یہ سب باتیں مجھے راہ میں ملنے والے اس دبلے پتلے پراسرار سادھو نے بتائی تھیں چنانچہ اب میری یہی کوشش تھی کہ کسی طرح مہا پجاری کو غافل پا کر راکھ کی پوٹلی لے اڑوں۔

ذرا دیر گزری تو اچانک مجھے راضی کی اذیت ناک آوازیں سنائی دیں۔ میں بری طرح ٹھٹکا اور ذرا سر ابھار کر اندر جھانکا تو دنگ رہ گیا راضی اپنا پیٹ پکڑے فرش پر لیٹا بری طرح کراہ رہا تھا اور سامنے گاتریا کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ رقصاں تھی۔ راضی اپنے پیٹ کی تکلیف کے بارے میں اس سے مدد مانگ رہا تھا اور گاتریا سفاک لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے تجھے زہر دے دیا ہے بھوجن میں ملا کر ہم نے تیرے سے جو کام لینا تھا وہ لے لیا ہا..... ہا..... ہا.....''

میں سمجھ گیا کہ اس خبیث نے کام نکلتے ہی راضی کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی تھی۔ پھر ذرا ہی دیر بعد راضی نے کراہنا بند کر دیا۔ وہ بے حس و حرکت فرش پر پڑا رہ گیا یقیناً وہ مر چکا تھا۔ برائی کا انجام بالآخر برا ہی نکلا تھا۔ راضی نے بھی فرید و کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ساتھ مل کر تانگے والے شیدے اور قاسم کا ناحق خون کیا تھا۔ اب اسے بھی سزا مل گئی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ مہا پجاری اپنی جگہ سے اٹھا اور راضی کی لاش کھینچتا ہوا لانے لگا۔ میں دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ جھکا جھکا راضی کی لاش کو مندر کے بیرونی دروازے کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔ میں نظر بچا کر ایک دم کوٹھری میں داخل ہو گیا اور وہاں سے تابانہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تو اچانک میری نگاہ وہاں پڑی جدھر تھوڑی دیر پہلے گاترپا بیٹھا تھا۔ وہاں راکھ کی پوٹلی جوں کی توں پڑی ہوئی تھی' میں نے جھپٹ کر اسے اٹھا لیا اور کوٹھری کے دروازے کی طرف آیا۔ کیا دیکھتا ہوں مہا پجاری نے مندر کا بیرونی دروازہ کھولا اور راضی کی لاش گھسیٹ کر مندر سے باہر جنگل کی طرف لے گیا۔ میں نے سکون کی سانس لی اور گاترپا کی نظروں میں آئے بغیر چپکے سے مندر کے گیٹ سے نکلا اور اندھا دھند جنگل کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆.....☆.....☆

پوٹلی میرے قبضے میں آ چکی تھی۔ مجھے اپنی کامیابی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر اب مسئلہ اسے دریا برد کرنے کا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیوانوں کی طرح دوڑتے ہوئے بالآخر ایک نہر تلاش کر لی۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور راکھ کی پوٹلی کھولنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت ایک کراہتی ہوئی آواز میری سماعتوں میں ابھری۔

''اوئے مورکھ..... ایسا نہ کر میں تجھے دولت مند بنا دوں گا' دیکھ میری ہتھیا کر بالکے..... مان جاو۔'' میں اس آواز کو پہچان گیا تھا یہ مردود کالی گاپ کی آواز تھی۔

میں نے نفرت سے ہونٹ سکیڑے اور پھر راکھ کی پوٹلی نہر کے پانی میں الٹ کر جھاڑ دی۔ خبیث کالی گاپ کے جلے ہوئے مردہ وجود کی راکھ ساری کی ساری پانی میں بہہ گئی اسی لمحے فضا میں کسی کے رونے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے ہزاروں بدروحیں مل کر ماتم کناں ہوں..... رو رہی ہوں..... چیخ رہی ہوں' میں نے سکون کی سانس لی' میں ایک شیطان کو ہمیشہ کیلئے نابود کرنے میں بالآخر کامیاب ہو گیا تھا۔ میں اب اس منحوس جگہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ مجھے راستہ آتا تھا میں جانتا تھا کہ میں بہت جلد اپنے ملک کی سرحد تک پہنچ جاؤں گا۔ کیونکہ یہ علاقہ بھی سرحدی ہی تھا مگر جانے سے پہلے مجھے اپنے ساتھ گوبند رام کے ہاں سے زخمی فرید کو

بھی ساتھ لے جانا تھا تاکہ میں گاؤں والوں کو جا کر اپنی اور اپنے چھوٹے بھائی عمیر کی بے گناہی ثابت کر سکوں۔ میں واپس ہو لیا۔

☆.....☆.....☆

صبح پو پھٹنے کے بعد میں اس گاؤں میں پہنچا جدھر مجھے کھیتوں میں کام کرتا ہوا مسلمان بوڑھا ملا تھا۔ وہ مجھے وہیں کھیتوں میں ہی مل گیا۔ اسے بھی میری کامیابی کی خوشی ہوئی پھر وہ مجھے لے کر گوبند رام کے ہاں گیا وہاں فرید کی حالت دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ وہ چارپائی پر معذوروں کی طرح پڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بے اختیار رو پڑا۔ اس کے چہرے سے احساس ندامت جھلک رہا تھا۔ اسے اپنے کئے پر ندامت تھی۔ وہ اب اپنے گناہوں کا کفارہ میرے سر سے ایک قاتل کا دھبہ دھو کر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ راضی نے ہی شیدے تانگے والے کا قتل کیا تھا۔ وہ اس سے گھوڑا لینا چاہتا تھا۔ انکار کرنے پر راضی نے شیدے کو ہلاک کر ڈالا۔ پھر قاسم کو بھی مار ڈالنے کی کوشش کی تاکہ وہ اکیلا کالی گاپ کے ''انعام'' کا حقدر بن جائے۔

جب میں نے اسے کالی گاپ اور راضی کے انجام کے بارے میں بتایا تو وہ خوش ہو گیا۔ فرید کے زخم تازہ تھے اسے کمر پر ایسی چوٹ آئی تھی کہ اس کا نچلا دھڑ بالکل بیکار ہو چکا تھا۔ بہرطور کسی طرح گوبند رام اور اس مسلمان بوڑھے نے ایک بیل گاڑی میں سرحد پار کروا دینے کا بندوبست کیا۔

اپنے گاؤں پہنچتے ہی فرید نے پیر صاحب کے قتل کا اعتراف کیا اور پھر ہم دونوں نے گاؤں والوں کو ساری کہانی سنائی۔ میری پیشانی سے ایک قاتل کا داغ دھل چکا تھا پھر جلدی چھیداں نے مجھے خوشخبری سنائی کہ عمیر بھی گاؤں سے بھاگنے کے بعد دوبارہ اس کے پاس واپس آ گیا تھا۔

عمیر اور چھیداں کیونکہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور اس آڑے وقت میں چھیداں نے اس کی مدد بھی کی تھی اس لئے چند ہی روز بعد ان دونوں کی شادی کرا دی گئی۔

(ختم شد)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پرچھائیں

حد نگاہ تک تپتا ہوا ریگ زار پھیلا ہوا تھا۔ سورج سوا نیزے پر پہنچ کر آگ برسا رہا تھا۔ ایسی غضب کی گرمی تھی کہ ہر طرف ''العطش العطش'' کی سی گونج پھیلی ہو تھی۔ یہ صحرا زیادہ طویل نہ تھا۔ یہاں جابجا چھدری خشک جھاڑیوں کی روئیدگی بھی آ رہی تھی۔ یہ ٹنڈ منڈ خودرو جھاڑیاں آس پاس کے چند ''جبل بھٹ'' (ریتیلے ٹیلوں) اُگی ہوئی تھیں۔

یہ نیم صحرائی علاقہ سندھ اور بلوچستان کی سرحدی پٹی اور وقار کے ساتھ سبک رو دریائے سندھ کے چوڑے پاٹ کے دائیں کنارے پر واقع تھا۔ یہ نیم صحرا علاقہ کشمور کی آخری حدود میں آتا تھا جو آبادی سے میلوں دور تھا۔ البتہ اس کے شمال مغرب میں تقریباً پندرہ سولہ کلومیٹر کے فاصلے پر پانچ چھ سو نفوس پر مشتمل الہ یار نامی ایک چھوٹا گوٹھ تھا جس کے ایک جانب نیم صحرائی علاقہ تھا تو دوسری طرف سونا بنڈ کے گھنے جنگلات کا سلسلہ..... دریائے سندھ کے کنارے کنارے کافی آگے تک چلا گیا تھا۔ یہ گوٹھ شمال مغرب میں بلوچستان اور شمال مشرق میں پنجاب کی سرحدوں سے لگا تھا۔

الہ یار خان نامی یہ چھوٹا سا گوٹھ..... مجموعی طور پر ایک نیم صحرائی گوٹھ کہلاتا تھا جس کے آس پاس کھیتوں کے ہرے بھرے لہلہاتے سلسلے دور تک پھیلے نظر آ رہے تھے۔ یہاں کے لوگ کھیتی باڑی اور شکار کرتے تھے۔ کھیتوں کو سیراب کرنے اور دریائے سندھ سے پانی حاصل کرنے کیلئے چھوٹی چھوٹی کاریزیں بنائی گئی تھیں۔

یہاں تلور، بھٹ، تیتر اور اعلیٰ نسل کی کونج بکثرت پائے جاتی تھی جس کا گوشت لذت میں ہرن اور چنکارے کے مقابل ہوتا ہے۔ تلور البتہ نایاب تھا اور دوا کے طور پر استعمال میں لایا جاتا تھا یا پھر کسی پردیسی یا شکاری کو یہاں کے مقامی لوگ بھاری قیمت میں فروخت کر دیا کرتے تھے۔

ایک قدرے وسیع جبل بھٹ (ریتیلے ٹیلے) پر کھجور اور پھونس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنی ہوئی تھی..... جھونپڑی کے اندر ایک مجذوب سا شخص آنکھیں موندے وجد کی سی کیفیت میں دوزانو بیٹھا تھا۔ اس کے نیچے کھجور کی چٹائی بچھی ہوئی تھی، چہرہ باریش تھا اور سر کے بال جٹاؤں کی سی صورت چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ کتابی اور روحانی تسکین سے منور نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھیں کشادہ تھیں جسم البتہ اس کا چھریرا اور رنگ گندمی تھا۔ اس نے کرتا نما لمبا رلی کا چکور رنگین خانوں کا جبہ سا پہن رکھا تھا اور نیچے لاک (تہبند) نظر آ رہی تھی۔ گلے میں منقش منکوں کی مالائیں جھول رہی تھیں۔ ایک تسبیح بھی اس کے دائیں ہاتھ میں تھی جس کے دانے وہ مختصر سے وقفے کے ساتھ رولے جا رہا تھا۔

آنکھیں اس نے موندھ رکھی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اس نامہرباں اور بے مہر دنیا سے ناتا توڑ کر اپنا ''اندر'' روشن کر لیا ہو اور من کی روشنی میں دور تک پھیلے ہوئے کچھ مخفی گوشے جھانکنے میں مگن ہو، پھر ذرا ہی دیر بعد اس کی گھنی داڑھی مونچھوں سے ڈھکے ہونٹوں میں لرزش سی ہوئی اور جھونپڑی میں ایک ہلکی مگر پرجلال آواز کا آہنگ سا گونجنے لگا۔ وہ شاہ سائیں کا سرمول رانو گنگنا رہا تھا۔

میں جلاتی رہی چراغ سحر
پو پھٹی ہو گیا اجالا سا
پوچھتی ہی رہی پرندوں سے
ہائے لیکن ترا نشان نہ ملا
مر رہی ہوں تری تمنا میں
آ بھی جا میرے دوست آ بھی جا

یہ نوجوان مجذوب کون تھا؟ یہ آج تک کوئی نہیں جان سکا تھا۔ گوٹھ کے لوگوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے اس کی فقیرانہ عاجزی اور لاتعلقی کے پیش نظر اسے روحانی شخصیت کا درجہ دیتے ہوئے اسے ''بھٹ سائیں'' کا خطاب دے دیا تھا۔ کسی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ آیا کہاں سے تھا۔ اسے اس نیم صحرائی علاقے میں جبل بھٹ سنبھالے کچھ اتنا زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا تھا۔ بس ایک روز اچانک گوٹھ والوں نے ایک مجذوب سے نوجوان کو تپتی سلگتی دھوپ میں ریت کے اس ٹیلے پر بیٹھے پایا۔ لوگوں کا خیال تھا یہ کوئی پاگل شخص ہے مگر پھر رفتہ رفتہ جب یہ شخص ادھر ادھر سے پھونس، تنکے اور کھجی کی ڈنٹھلیں اکٹھی کر کے ایک جھونپڑی سی بنا کر اس میں فروکش ہو گیا تو لوگ باگ جن میں زیادہ تر تعداد غریب ہاریوں کی تھی، اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسے لوگوں نے ہر وقت محو عبادت ہی پایا تھا۔ کچھ لوگوں نے ازراہ ترحم اسے کھانا بھی دینا شروع کر دیا۔ چند ایک نے روپے پیسے دینے کی کوششیں بھی کی تھیں مگر اس مجذوب نے انہیں ڈانٹ کر ان کی پرتکلف سوغاتیں اور روپے لوٹا دیئے۔ پھر تو جیسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کی طرف متوجہ ہوتی گئی۔ ان میں زیادہ تر حاجت مند تھے اور ضد کر کے اس مجذوب سے دم، دعا کرا لیا کرتے تھے۔ حیرت انگیز طور پر لوگوں کو اس کے دست فیض سے شفا ملنے لگی تو ہر وقت اس کی جھونپڑی کے گرد لوگوں کا تانتا سا بندھا رہنے لگا لیکن یہ بات اس مجذوب کو پسند نہ آئی۔ جب حاجت مند اسے زیادہ ستانے لگتے تو وہ تنگ ہو کر انہیں بھگانے لگتا مگر لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس کی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے۔

بالآخر ایک دن اس نوجوان مجذوب نے باقاعدہ دھمکی دے دی کہ اگر اس کی مرضی کے خلاف لوگوں نے اسے تنگ کیا تو وہ یہاں سے کہیں اور چلا جائے گا اس پر اس کے عقیدت مندوں نے عاجزی اور نیاز مندی سے ہاتھ جوڑتے ہوئے دید مرشد کی درخواست کی تو فقیر منش مجذوب کو ان کی بات ماننا پڑی۔ لہٰذا اس نے دن میں صرف ایک مرتبہ بعد سہ پہر اور غروب آفتاب سے پہلے تک لوگوں کو اپنے قریب آنے کی اجازت دے دی۔

ایک روز عجیب بات ہوئی..... اس فقیر منش کی جھونپڑی میں حویلی والوں کی طرف سے کھانا آیا۔ یہ حویلی وڈیرے سالار خان کی تھی اور یہ کھانا اس کے دو چاکر خاص مٹھو اور بچل لائے تھے۔ ٹرے انواع و اقسام کے کھانوں سے سجی ہوئی تھی اور کھانے

نفیس کڑھائی کیا ہوا دسترخوان نما کپڑا ڈھانپا ہوا تھا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ایک فقیر منش کی جھونپڑی میں حویلی والوں کی طرف سے کھانا آیا تھا جو بڑا پرتکلف تھا ورنہ گوٹھ کے غریب ہاری باری باری ایک چھوٹی سی چنگیری میں چاولوں کی روٹی پر ساگ یا پھر تھوڑے سے ابلے ہوئے چاولوں پر پتلی دال ڈال کر لاتے تھے لیکن اس بار بڑے شاہانہ انداز میں سجے سجائے برتنوں میں پرتکلف کھانا ایک عاجز فقیر کی جھونپڑی میں بھیجا گیا تھا۔

حویلی کے دونوں چاکروں مٹھو اور بچل نے کھانے کی بڑی سی ٹرے خاموشی سے مجذوب کے سامنے رکھ دی اور خود مؤدبانہ انداز میں ہاتھ جوڑے چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اس وقت دوپہر کا سمے تھا اور باہر سورج آگ برسا رہا تھا مگر جھونپڑی کے اندر کا ماحول ٹھنڈا اور سکون بخش تھا وہاں آنے والے ہر آدمی کو اندر کی فضا میں روحانی تسکین سی محسوس ہوتی تھی۔ نوجوان مجذوب کھجی کی مختصر سی چٹائی پر دوزانو بیٹھا غریق عبادت تھا۔ مٹھو اور بچل باادب اپنے ہاتھ باندھے خاموش کھڑے تھے۔ انہوں نے اب تک اپنے منہ سے کچھ نہیں بولا تھا کہ کہیں ''بھٹ سائیں'' کے استغراق میں خلل نہ پڑے۔ مجذوب کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ جھونپڑی کے محدود ماحول میں ایک قسم کا روحانی دبدبہ طاری تھا پھر ذرا ہی دیر بعد..... ''حق اللہ'' کی آواز برآمد ہوئی۔ اس مجذوب نے دھیرے دھیرے اپنا سر اٹھایا اور چمکدار پرجلال نظریں سامنے باادب کھڑے ان دونوں چاکروں پر جم کر رہ گئیں۔ بھٹ سائیں کو اپنی طرف متوجہ پا کر مٹھو اور بچل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر مٹھو نے لہجے میں حد درجے ادب سموتے ہوئے دست بستہ کہا۔

''بھٹ سائیں کی خیر ہووے..... آپڑیں مان وارے (معزز) بھوتار سائیں کی حویلی سے یہ نیاز قبول کریں۔''

چاکر مٹھو کی بات سن کر بھٹ سائیں نے ایک خفیف سی نگاہ سامنے دھری ٹرے پر ڈالی پھر اس کا ایک ہاتھ بلند ہوا جس نے دھیرے سے ٹرے پر دھرے نفیس کپڑے کو اٹھایا تو اندر مختلف پلیٹوں میں سجے ہوئے بھٹ تیتر، چنکارے کے تلے ہوئے پارچے اور تلور کی دو بھنی ہوئی ثابت رانیں دھری تھیں۔ بھٹ سائیں کے لبوں پر عجیب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور غیر محسوس سی مسکراہٹ ابھری پھر اس نے بڑی آہستگی کے ساتھ کپڑا دوبارہ ڈھک دیا۔ اس کے بعد جھونپڑی میں بھٹ سائیں کی ایک ہلکی سی سانس کی بازگشت ابھری۔ اس کے بعد پرجلال آواز میں اس نے سامنے دست بستہ کھڑے چاکروں کو مخاطب کے کہا۔

"مٹھو اور بچل..... آپ دونوں حکم کے غلام ہو..... اس لئے تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔ اس کھانے کو میں ٹھکرا نہیں رہا لیکن میں اسے قبول بھی نہیں کروں گا اسے تم اپنے بال بچوں کیلئے لے جاؤ اور بھوتار سائیں سے کہنا کہ پھر کبھی یوں سے طریقے سے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش نہ کرے ورنہ عذاب الٰہی نازل ہو جا گا۔" بھٹ سائیں اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

ادھر ان دونوں کی حالت متغیر ہی ہو رہی تھی۔ اس بات پر دونوں ہی ورط حیرت میں مبتلا ہو گئے تھے کہ بھٹ سائیں ان کے ناموں سے بھی واقف تھا جبکہ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ آج سے پہلے ان کا بھٹ سائیں کے ساتھ سامنا نہیں ہوا تھا اب ان دونوں کا مارے عقیدت کے خوف و دبدبے سے برا حال ہو گیا۔ دونوں ہی۔ اختیار آگے بڑھے اور بھٹ سائیں کے پیروں پر گر گئے۔

"مرشد سائیں..... ہمیں معاف کر دو ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ....."

"بس....." معاً بھٹ سائیں نے اپنا دایاں تسبیح والا ہاتھ بلند کر کے پاٹ دار لہجے میں کہا..... "جاؤ..... اب اور پھر کبھی مجھ فقیر کو دنیا کے پھیر میں ڈالنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"برابر بھٹ سائیں برابر۔" مٹھو اور بچل نے لرزیدہ لہجے میں کہا اور پھر بھٹ سائیں کے اشارے پر فی الفور جھونپڑی سے نکل گئے۔ کھانے سے بھری ٹرے بھی واپس لے گئے۔

☆.....☆.....☆

یہ ایک بلند چھت والا اوطاق نما کمرہ تھا جس کے وسط میں خاصی اونچائی پر پنکھ والا قدیم پنکھا چل رہا تھا۔

اوطاق کی در و دیوار گارے مٹی سے بنی ہوئی تھیں۔ جس کی وجہ سے اوطاق کی فضا خنک اور سکون آور تھی۔ اینٹوں کے فرش پر..... بڑی سی دری بچھی ہوئی تھی۔ جس پر وسط میں نیم دائرے کی صورت میں بوڑھے جوان مرد عورتیں بیٹھے تھے۔ یہ سب ہاری تھے۔ وڈیرے سالار خان کی زمینوں پر "رہاکی" (مزدوری) کرنے والے..... مدقوق..... مفلوک الحال اور غریب ہاری..... جن کی تقدیر کے فیصلوں کی باگ اونچی حویلی یا بلند چھت کی اوطاق والوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اس وقت جس شخص نے ان لوگوں کی تقدیر کی باگ سنبھال رکھی تھی ان کے سامنے ہی ایک اونچے پشتے والے موڑھے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے کروفر کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے بے داغ اور بیش قیمت کڑکڑاتی ہوئی کاٹن کی کھلی گھیر دار پائنچوں والی سفید شلوار اور فالسئی رنگ کا کرتا زیب تن کر رکھا تھا۔ کرتے پر گلے سے لے کر بٹنوں تک سنہری تاروں والی کڑھائی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں سونا یاقوت اور چاندی کی انگشتریاں نظر آ رہی تھیں۔ پیروں میں بالا کے بنے ہوئے گھسے تھے۔ جسم کی طرح چہرہ بھی بھاری بھرکم اور توانا تھا۔ سرخ و سفید رنگت پر..... کلر لگی گھنی داڑھی اور صحرائی بچھو کے ڈنک کی طرح..... بل کھائی مونچھوں نے اس کی شخصیت کو ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کی برماتی ہوئی اور رعونت آمیز آنکھوں پر گھنی بھنوؤں کا سایہ اسے انتہائی غصہ ور شخص ظاہر کر رہا تھا۔

اس وقت اوطاق میں سناٹا طاری تھا۔ گندم کی فصل اتر چکی تھی اور بٹائی بھی ہو چکی تھی۔ دوران بٹائی وڈیرے سالار خان کا کمدار منشی جمعہ خان غریب کسانوں کا حق مارتا تھا۔ اناج کی بٹائی میں ہمیشہ ان غریبوں کے حصے کا اناج بطور "کمیشن" ضبط کر لیا کرتا تھا۔ اس میں "ڈنڈی" مارا کرتا تھا اور یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر تھی کہ وہ ایسا اپنے "وڈے بھوتار" (سالار خان) کی شہہ پر ہی کیا کرتا تھا۔ کسی ہاری کو مجال نہ تھی کہ اس کے بارے میں کوئی حرف شکایت اپنی زبان پہ لائے۔

گندم کے بعد اب چاول وغیرہ کی بوائی شروع ہونے والی تھی۔ اس لئے یہ سب لوگ یہاں اوطاق میں وڈیرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ یوں تو عموماً ایسے معاملات کمدار جمعہ خان خود ہی ان ہاریوں سے طے کر لیا کرتا تھا لیکن جب کوئی خاص مسئلہ پیش

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوتا تو وڈیرے کی ''پنچایت'' لازمی قرار پاتی۔

یہ مسئلہ پرانا تھا جس کی ابھی تک وڈیرے کے سامنے شنوائی نہیں ہو سکی تھی اس کی وجہ کمدار جمعہ خان کی مکاری تھی۔ وہ ہاریوں کے خلاف وڈیرے سالار خان کے کان بھرتا رہتا تھا۔ اس بار چونکہ معاملہ ذرا گمبھیر تھا اور تقریباً سارے ہی ہاریوں نے مشترکہ ''احتجاجی'' تہیہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ اپنا مسئلہ ''بھوتار سائیں'' کے آگے ہی پیش کریں گے۔ اگرچہ مکار منشی جمعہ خان نے اپنی ناک پر دھری گول گول عدسوں والی عینک کے عقب سے اپنے الووں جیسے دیدے مکارانہ انداز میں گھماتے ہوئے ان لوگوں کو ٹالنے کی کوشش تو کی لیکن ہاری لوگ پہلے ہی سے مصمم ارادہ باندھ کر آئے تھے اور دیر بھی منشی جمعہ خان کو ان کا مسئلہ سن کر اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ اس کے بس کی بات نہ تھی اسے سب سے زیادہ غصہ ہاری میر محمد پر آ رہا تھا۔ وہ تو جیسے غیر اعلانیہ طور پر ہاریوں کا لیڈر بن گیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نے اپنے بھائی بند اجرتی ہاریوں کو اپنے حلقہ اثر میں لے لیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہاری میر محمد ان کے حقوق کی حفاظت کرتا تھا۔ بٹائی کے سلسلے میں ہونے والی ناانصافی اور استحصال سے وہ ان غریب اور جفاکش ہاریوں کے حق میں آواز بلند کرنے والا ایک ایسا جواں مرد انسان تھا جسے ہاریوں کی اکثریت کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ میر محمد نامی یہ نڈر ہاری پینتالیس پچاس کے سن میں تھا۔ دبلا پتلا مگر جوشیلا' اس کے دو جواں سال بیٹے اور ایک بیٹی بھی تھی جو دونوں بھائیوں میر نواز اور احمد نواز سے چھوٹی تھی اور اپنی عمر کی سولہویں بہار میں تھی۔ بہرحال آج ہاری میر محمد کے ایما پر ہی یہ سب ہاری وڈیرے سالار خان کی اوطاق میں جمع ہوئے تھے اور اپنا مسئلہ اس کے منشی جمعہ خان کو بتانے کے بجائے انہوں نے ہاری میر محمد کی سرکردگی میں وڈیرے سالار خان کے سامنے ہی پیش کرنے پر اصرار کیا تھا۔

وڈیرا سالار خان لگ بھگ کوئی پون گھنٹے کے بعد اپنی اوطاق میں داخل ہوا تھا اور اب خاموشی اور اپنی بڑی بڑی خشونت بھری آنکھوں سے سامنے بیٹھے مضطرب الحال ہاریوں کو گھورے جا رہا تھا۔ پھر اس کی خشمگیں نظریں سب سے آگے بیٹھے ہاری میر محمد پر گڑ گئیں۔

منشی جمعہ خان' ہاری میر محمد کے خلاف پہلے ہی وڈیرے سالار خان کے کان

بھر چکا تھا۔

''ہوں..... بابا..... جمعہ..... کیا مسئلہ ہے۔ ان کا۔'' معاً وڈیرے نے ایک گمبھیر ہنکاری بھرتے ہوئے اپنے منشی کو مخاطب کر کے رعونت آمیز لہجے میں کہا۔

''حاضر سائیں وڈا..... بات یہ ہے کہ یہ لوگ آپڑاں مسئلہ خود ہی آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔''

منشی جمعہ خاں نے اپنی گول گول عدسوں والی عینک کے پیچھے الوؤں جیسے دیدے مٹکاتے ہوئے مکاری سے کہا تو وڈیرا ہاریوں کی طرف اچٹتی سی نظریں ڈال کر بولا۔ ''ہاں..... بابا..... کیا بات ہے..... بولو..... ذرا تکڑ (جلدی) جو کہنا ہے کہو۔''

وڈیرے کی بات سن کر سارے ہاریوں کی آنکھیں جن میں خواب فردا کے خوش آئند ٹمٹماتے چراغ روشن تھے' ہاری میر محمد کے چہرے پر جم گئیں۔

ہاری میر محمد نے ہولے سے کھنکار کر گلا صاف کیا اور وڈیرے کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کر کے بولا۔ ''سائیں بھوتار..... ہمارا یہ مسئلہ بہت پرانا ہے۔''

''اڑے بابا..... مختصر بات کرو' میں نے کہا ناں..... مجھے تکڑ ہے۔ صرف کام کی بات بتاؤ' ہاں۔'' وڈیرے نے رعونت آمیز انداز میں ہاری میر محمد کی بات کاٹی تو میر محمد اندر ہی اندر کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گیا..... مگر دوسرے ہی لمحے اپنی کڑواہٹ کا اظہار کیے بغیر بولا۔ ''سائیں وڈا..... ہمیں بوائی اور کٹائی کے بعد فصل اترنے پر جتنا بھی حصہ ملتا ہے ہمیں اس پر اعتراض تو نہیں لیکن سائیں..... ٹیکس' بیجوں اور کھاد کے خرچوں نے ہم غریبوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔''

''ہاں..... بابا تو بولو..... کیا چاہتے ہو پھر تم لوگ..... کیا یہ سارا خرچہ بھی ہم کو بھرنا پڑے گا بابا.....'' وڈیرے نے جھٹکے دار لہجے میں ہاری میر محمد کی طرف گھورتے ہوئے کہا تو بے چارہ میر محمد ذرا دیر کو گڑبڑا سا گیا اور وڈیرے کے لفظ ''بھی'' پر سوچنے لگا کہ بھلا اس سے پہلے سائیں وڈا نے کون سا خرچہ کیا ہے.....؟ کیونکہ ایک عرصے سے تو ہم غریب ہی یہ سارا خرچہ خود ہی اٹھاتے آئے ہیں..... اوپر سے اناج کے آدھے حصے میں بھی ''ڈنڈی'' ماری جاتی تھی تاہم اپنی طبیعت کے مطابق معاملہ فہمی کی فضا کو برقرار رکھتے ہوئے معتدل لہجے میں وڈیرے سے بولا۔ ''سائیں وڈا..... آپ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیوں بھرو گے یہ سارا خرچہ..... ہم تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ جس طرح اناج میں برابر کی حصے داری ہوتی ہے..... اس طرح خرچہ بھی ہمارا اور آپ کا آدھا آدھا ہونا چاہئے تاکہ ہمارا بوجھ کم ہو سکے۔" اتنا کہہ کر ہاری میر محمد خاموش ہوا۔

وڈیرا اچانک جھٹکے دار لہجے میں بولا۔ "اڑے بابا..... تم سب نکمے اور کام چور ہو میں تمہارے ساتھ خرچہ کیسے بانٹوں بابا..... گندم کا دانہ..... وقت سے پہلے پھٹ جاتا ہے۔ سپر کرنل اور روس باسمتی چاولوں کی پیداوار ایک جریب کے حساب سے پہلے پوری تیس پینتیس من ہوتی تھی اب یہ گھٹ کر صرف بیس من فی جریب رہ گئی ہے۔" وڈیرا بولتے بولتے سرخ ہو گیا۔ پیشانی عرق آلود ہو گئی..... آنکھیں غصے کے مارے ایک غضب ناک نظارہ پیش کرنے لگیں۔ وڈیرے سالار خان کو غیظ و غضب میں دیکھ کر اس کے سامنے زمین پر بیٹھے بیچارے سب ہاری سہم گئے..... مگر ہاری میر محمد پر اس کا مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ اس طرح ہی گہری متانت کے ساتھ وڈیرے کی طرف خاموشی سے تکتا رہا۔ پھر جواباً دفاع میں بولا۔ "سائیں بھوتار! آپ کی بات برابر..... پر اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہم تپتی دھوپ ہو یا سخت سردی..... اپنا کام دیانت اور محنت سے کرتے ہیں۔ یہ سارا مسئلہ پانی کی کمی کا ہے' نہریں سوکھی ہوئی ہیں' وارے کا پانی ناکافی ہوتا ہے۔"

"چنگا بابا..... چنگا..... اس بار تم لوگ چاولوں کی بوائی شروع کرو پھر کچھ سوچتے ہیں۔" دفعتاً وڈیرے نے بیزاری سے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر گمبھیر لہجے میں کہا۔ اس کے ہاتھ اٹھانے کا مقصد تھا کہ اب وہ اس بارے میں زیادہ بحث پسند نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ہاری میر محمد بھی نچلا کہاں بیٹھنے والا تھا وہ جانتا تھا کہ وڈیرا یہ مسئلہ ٹالنے کے چکر میں ہے لہٰذا وہ اس کے ہاتھ کے اشارے کی پروا کئے بغیر دوبارہ بولا۔

"سائیں وڈا..... بہتر ہوتا کہ یہ مسئلہ ابھی....."

"اڑے بس کر نا بابا..... کہہ جو دیا..... دیکھ لیں گے اس مسئلے کو..... بعد میں۔" وڈیرا ہاری میر محمد کی طرف دیکھ کر گھورتے ہوئے جھٹکے دار لہجے میں بولا۔ اس پر وڈیرے کے مونڈھے کے پاس کھڑے رجسٹر تھامے منشی جمعہ خاں اپنے نمبر بڑھانے کی غرض سے ہاری محمد کو ڈپٹنے کے سے انداز میں بولا۔

"باؤ..... یار..... اب بس بھی کرو..... آپڑیں وڈے سائیں نے کہہ جو دیا..... بعد میں اس مسئلے کو دیکھ لیں گے۔"

مگر میر محمد جانتا تھا کہ اگر آج اس مسئلے کے بارے میں بات نہ ہوئی تو پھر کبھی نہ ہو سکے گی لہٰذا وہ وڈیرے اور اس کے خوشامدی ٹٹو منشی جمعہ خاں کے لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر وڈیرے سے بولا۔

"سائیں بھوتار..... اگر آپ یہ مسئلہ ابھی حل کر دیتے تو اچھا تھا تاکہ ہم سب آئندہ کام بڑی دلجمعی کے ساتھ کر سکتے۔"

"اڑے بابا..... تو کیا اب ہم کو بلیک میل کرے گا۔" وڈیرا میر محمد کی بات پر غصے سے دھاڑا۔ اس کی گھورتی نظریں میر محمد پر گڑی ہوئی تھیں۔ وڈیرے کو قہر و غضب کی حالت میں دیکھ کر باقی سارے زمین پر بیٹھے ہاری سہم گئے تھے۔ ایک دو قریب بیٹھے ہاریوں نے میر محمد کو ٹہوکا بھی دیا تھا کہ وہ وڈیرے کو زیادہ طیش نہ دلائے۔

میر محمد وڈیرے سالار خان کے غصے کی پروا کئے بغیر سنجیدگی سے بولا۔

"سائیں..... مجھ غریب ان پڑھ کو کیا معلوم کہ "بلیک میل" کیا ہوتا ہے۔ میں تو ایک حقیقت بیان کر رہا تھا کہ اگر آپ ہمارا خیال کریں گے تو ہم کسانوں کا حوصلہ بڑھے گا اور ہم زیادہ سے زیادہ محنت کر کے پیداوار بڑھانے کی کوششیں کریں گے۔ آگے آپ کی مرضی۔" وہ اتنا کہہ کر اپنی میلی چیکٹ لاک سنبھالے زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھتے ہی باقی ہاری بھی اپنی اجرکیں جھاڑتے ہوئے کھڑے ہو گئے تھے۔ "سائیں بھوتار ہم کو وری اجازت ہے۔ ہم جائیں۔" میر محمد نے اپنے لہجے میں خشک قسم کی عاجزی سموتے ہوئے وڈیرے سے اجازت چاہی۔

"جاؤ....." وڈیرے نے خشونت بھرے لہجے میں اس کی طرف گھور کر کہا۔

"سائیں وڈا..... یہ ہاری میر محمد تو گلے کو ہی آنے لگا ہے۔ اس طرح تو یہ سارے کے دماغ خراب کر کے رکھ دے گا۔" منشی جمعہ خان نے سب ہاریوں کے اوطاق سے جاتے ہی وڈیرے سے مخصوص لہجے میں کہا۔

"ہوں..... تو ہی بتا اس گلے پڑنے والے مسئلے سے کس طرح نمٹا جائے؟" وڈیرے نے معاندانہ لہجے میں کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"گلا ہی کٹوا دو سائیں وڈا۔" منشی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا.....؟" وڈیرا غصے سے دھاڑا۔

"مم..... میرا مطلب ہے سائیں وڈا.....! اس فتنے کا گلا کاٹ دیں۔" وہ یک دم اپنے جملے پر نظر ثانی کر کے گڑبڑا کر بولا۔

"اڑے وہی تو پوچھ رہا ہوں' کس طرح یہ کام ہوگا۔ میں خود اب اس میرا سے تنگ آ گیا ہوں۔"

"ہاؤ سائیں وڈا برابر..... یہ آہستہ آہستہ سارے ہاریوں کو آپ کے خلاف کر دے گا پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان زمینوں پر آپ اور ہم۔"

"اڑے بکواس بند کر آپڑیں۔" وڈیرا دھاڑا اور منحنی سا جمعہ خان پتلے تار کی طرح جھنجھنا اٹھا۔

"یہ لوگ آپڑیں اوقات بھولنے لگے ہیں..... ان کو سوکھی روٹی کے ساتھ..... قرض کا سالن بھی دیا جائے پھر دیکھنا بھوتار..... ان چھوٹے لوگوں کے چھوٹے دماغوں سے ساری ہوا نکل جائے گی۔"

"اب کی ناں..... تو نے صحیح بات۔" وڈیرا سالار خان منشی کی بات سن کر قدرے خوش ہو کر بولا اور چرخ سا منشی جمعہ خان مکروہ انداز میں۔ "کھی..... کھی..... کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

دور مغرب میں ریتیلے ٹیلوں کے پیچھے سورج کا آتشی گولا غروب ہو رہا تھا اونٹوں کی ایک طویل قطار کی مہاریں تھامے ہوئے جھلسی ہوئی رنگت کا ایک خانہ بدوش قافلہ انجانی منزل کی جانب رواں تھا۔ اونٹوں کی لمبی گردنوں میں بندھی گھنٹیوں کی صدائے جرس تپتے سلگتے ریگزار میں ایک سوگواری سی طاری کئے ہوئے تھی۔ طائروں کی ہموار ڈاریں اتحاد اور یگانگت کا مظاہرہ کرتی محو پرواز تھیں۔ قریب ہی ایک جبل بھٹ جھونپڑی کے اندر سے پرسوز انداز میں کوئی ایک تارا بجا رہا تھا۔ یہ جھونپڑی بھٹ سائیں کی تھی اور وہ اندر کھجی کی چٹائی پر براجمان گود میں یک تارا ٹکائے آنکھیں موندے اسے بجانے میں محو تھا۔ جھونپڑی سے لگ بھگ ساٹھ ستر قدم کے فاصلے پر ایک

ان اور خوبصورت عورت بے اختیار جھونپڑی کی سمت کھنچی چلی آ رہی تھی۔ اس کے راز و اطوار سے دیوانگی اور بے خودی سی مترشح تھی۔ ایک عجیب اور خود سے بیگانہ کر نے والی کیفیت اس پر طاری تھی جیسے کسی عمل تنویم کے زیر اثر ہو۔ اس کے قدم خود بخود بے اختیار جھونپڑی کی سمت بڑھے چلے جا رہے ہوں۔ یہ حسین و جمیل اور خود سے بے واہ عورت سومری تھی۔ اس نے کڑھائی کے بھرواں گلے والے سرخ زمین کی قمیص اور ے پھولدار لاچہ نما شلوار پہنی ہوئی تھی۔ اس کی عمر 25 کے قریب تھی۔ بال کھلے اور ے تھے۔ آنکھیں کشادہ اور سرمئی تھیں۔ قد سرو تھا جبکہ رنگت ایسی جیسے میدے میں ال انڈیل دیا گیا ہو۔ اس قدر حسین و جمیل عورت کا یوں بے خودی کے عالم میں بھٹ ائیں کی جھونپڑی کی طرف بڑھنا اگرچہ کوئی خاص اچنبھے کی بات نہیں تھی کیونکہ بھٹ ائیں کے عقیدت مندوں میں گوٹھ کی عورتیں اور جوان لڑکیاں بھی شامل تھیں..... لیکن وقت بہرحال عورتوں کے آنے کا نہیں تھا۔ البتہ مرد وغیرہ آتے رہتے تھے۔ ان میں ادکا عورتیں بھی ہوتیں لیکن تنہا نہیں..... اپنے کسی گھر والے یا اپنی کسی رشتے دار بوڑھی ورت کے ساتھ آتیں۔

وہ عورت اپنے گردوپیش سے بے خبر جھونپڑی کی جانب بڑھی چلی جا رہی ی۔ بالآخر قریب پہنچ کر اندر داخل ہو گئی۔ بھٹ سائیں کی جھونپڑی میں داخل ہونے ے پہلے وہ اس بات سے یکسر بے خبر تھی کہ دو افراد کافی دیر سے اس کے تعاقب میں ے۔ یہ دونوں وڈیرے سالار خان کے چاکر بچل اور مٹھو تھے۔ ان دونوں کے چہروں پر ب سا خوف پھیلا ہوا تھا۔ دوران تعاقب انہوں نے اس پراسرار اور حسین عورت کے یان خاصا فاصلہ رکھا تھا تاکہ کہیں وہ عورت اپنے تعاقب سے باخبر نہ ہو جائے۔ یہی ہ تھی کہ ان دونوں نے چھوٹے چھوٹے جبل بھٹ کی آڑ لے کر ہی یہاں تک پہنچنے کی ت کی تھی اور اب وہ عورت بھٹ سائیں کی جھونڑی کے اندر داخل ہو چکی تھی۔

جب انہوں نے دیکھا کہ وہ عورت بھٹ سائیں کی جھونپڑی میں داخل ہو گئی ہے تو وہ دونوں بھی ہوشیاری کے ساتھ دبے پاؤں جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ ان دونوں نے اپنی یہ گربہ پیش قدمی جھونپڑی کی عقبی سمت کی تھی۔ جبل بھٹ خاصا اونچا ٹیلا اور خاصے وسیع ریتیلے رقبے پر پھیلا تھا۔ وہ دونوں جبل بھٹ کی ریتیلی ڈھلوان پر لیٹے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیٹے جھونپڑی کی عقبی دیوار کے بالکل قریب ہو کر سانس روکے اندر کی سن گن لینے لگے۔ اس لمحے وہ دونوں ہی اپنے اندر خوف کی لہر محسوس کر رہے تھے۔

"میرے سریجن! تو نے اپنی یہ کیا حالت بنا ڈالی ہے۔" اچانک جھونپڑی کے اندر سے ایک شکست خوردہ نسوانی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرا گئی جو یقیناً اسی حسین اور پراسرار عورت کی تھی۔

مٹھو اور بچل تجسس کی کیفیت سے زیادہ ایک عجیب سے خوف میں مبتلا ہوئے معاً دوسری آواز ابھری۔ یہ پرجلال مردانہ آواز بھٹ سائیں کی تھی۔ وہ اسی حسین عورت سے مخاطب تھا۔

"تو اپنا سکون کیوں حرام کرتی ہے سومری! جا..... آرام سے جا کر سو جا۔ یہاں آ کر خود کو دکھی نا کیا کر۔"

"نہیں میرے سریجن..... مجھے تو یہاں تیرے پاس آ کر سکون نصیب ہوتا ہے۔"

"تو میری آس چھوڑ دے سومری..... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ ہماری آس نراش میں بدل چکی ہے۔" بھٹ سائیں کی یاس زدہ آواز ابھری۔

"نہیں سائیں..... ایسا مت بولو۔ تمہارا دیدار بھی اب میرے لئے سارے جیون کا سکون بن چکا ہے۔ مجھے اس سکون سے محروم نہ کرو۔" سومری نام کی اس پراسرار عورت کی درد بھری آواز ابھری۔

باہر وہ دونوں ان کی باتوں میں کان لگائے بیٹھے..... مٹھو اور بچل کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ وہ یہ پراسرار منظر اور ان دونوں کی آپس کی گفتگو پچھلے کافی عرصے سے گھات لگائے دیکھتے اور سنتے آئے تھے مگر آج ان دونوں نے دل میں پکا تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ اس پراسرار عورت سومری کا کھوج لگا کر رہیں گے اگرچہ وہ سومری کو پہلے سے ہی اچھی طرح جانتے تھے لیکن یہ آج سے کئی سال پہلے کی بات تھی۔ پہلے والی سومری اور آج والی سومری میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مٹھو اور بچل کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ سومری کو دوبارہ بھی دیکھ پائیں گے جو کہ ان کے ناممکنات میں سے تھا۔ اچانک مٹھو نے بچل سے جارحانہ سرگوشی کی۔

"بچل..... تو تیار ہے..... گھس چلیں اندر جھونپڑی میں۔"

"ہاں..... میں تیار ہوں....." بچل کی آواز میں واضح طور پر لرزش تھی۔

اس کے بعد یہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھے اور درانہ وار جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئے پھر سامنے نگاہ پڑتے ہی دونوں جیسے سانس لینا بھول گئے۔ ایک لمحے کو تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ حقیقت تھا یا خواب؟

سامنے بھٹ سائیں اپنا سر جھکائے غریق عبادت تھا اور سومری نامی اس پراسرار عورت کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ مارے دہشت کے مٹھو اور بچل کے حلق سے چیخیں نکل گئیں اور وہ جس تیزی کے ساتھ جھونپڑی میں داخل ہوئے تھے اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ باہر نکل آئے۔

بھٹ سائیں نے دھیرے سے اپنا سر اٹھایا ان کے ہونٹوں پر بڑی پراسرار مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ساتھ ہی ایک کھنکتی ہوئی نسوانی آواز بھی جھونپڑی کے اندر ابھری تھی۔

☆.....☆.....☆

رات دبے پاؤں گزرتی چلی جا رہی تھی۔ باہر سناٹا بھی چیختا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ان دونوں کے سانس بری طرح پھولے ہوئے تھے جیسے بہت لمبی مسافت بغیر رکے طے کر کے آئے ہوں۔ یہ دونوں مٹھو اور بچل تھے۔ ان پر اب بھی خوف طاری تھا۔ وہ دونوں اس وقت حویلی کے ایک کمرہ خاص میں وڈیرے سالار خان کے سامنے تھے۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ساری پراسرار حقیقت وڈیرے سالار خان کو بتا چکے تھے۔ خود ایک لمحے کیلئے وڈیرے سالار خان کو بھی ان کی بات پر پہلے تو یقین نہ آیا تھا لیکن چونکہ مٹھو اور بچل اس کے خاص آدمی تھے اور سردار کے سامنے من گھڑت کہانی سنانے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی وڈیرے سالار خان کے کانوں تک بہت پہلے سے یہ پراسرار افواہ کسی نہ کسی طریقے سے پہنچتی رہتی تھی کہ سومری کو گوٹھ کے کچھ لوگوں نے بھٹ سائیں کی جھونپڑی میں آتے جاتے دیکھا ہے۔ یہی نہیں خود وڈیرے سالار خان کے یہ دونوں کارندے بھی سومری کی کئی بار جھلک دیکھ چکے تھے اور وڈیرے ہی کے ایما پر آج انہوں نے سومری کو دیکھتے ہی اس کا نہ صرف پیچھا کیا تھا بلکہ چھپ کر ان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دونوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔ سومری کو قریب سے دیکھنے کیلئے درانہ وار جھونپڑی کی
بھی جا گھسے تھے مگر اندر سومری کو غائب پا کر وہ دہشت زدہ ہو کر الٹے پیروں وا
چلے آئے تھے۔

"تمہاری نظروں کو دھوکا تو نہیں ہوا۔ کیا وہ واقعی سومری ہی تھی۔"

معاً..... کمرے کی پرسکوت اور اعصاب زدہ فضا میں وڈیرے سالار خا
سرگوشیانہ غراہٹ ابھری۔

"ہاؤ سائیں وڈا..... ہم دونوں نے نہ صرف اپنی ان گناہ گار آنکھوں
اسے دیکھا ہے بلکہ اس کی آواز بھی سنی ہے۔" مٹھو پر یقین لہجے میں وڈیرے سے
بولا۔

"مٹھو کی بات سن کر وڈیرے کے چہرے پر ایک بار پھر گمبھیر خاموشی
ہونے لگی۔ جو ان دونوں کی باتیں جھٹلا نہیں سکتا تھا کیونکہ گوٹھ کے دیگر لوگوں نے
ایسا منظر دیکھا تھا۔

وڈیرا شدید ذہنی دباؤ کی کیفیت سے دوچار نظر آنے لگا۔ اس کے بھاری
اور بارعب چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی بہت ہی بااختیار اور انتہائی طا
اثر و رسوخ رکھنے والا ایک جابر شخص ایک معمولی بات پر بے بس اور مجبور نظر آ رہا
اس کے گھنٹی مونچھوں سے ڈھکے ہوئے ہونٹ باہم پیوست تھے' گھنی بھنوؤں
آنکھوں میں قہر و غضب کی چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں اور نتھنے مارے اندرونی
غضب کے بار بار پھول اور پچک رہے تھے۔ پھر معاً وہ اپنی کھلتی' ابلتی کیفیت پر
ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور دانت پیس کر غصے سے کھولتے ہوئے انداز
بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے..... آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

وڈیرے کو گڑبڑا کر اٹھتے دیکھ کر مٹھو اور بچل بھی جلدی سے اپنی جگہ سے
کھڑے ہوئے۔ ان دونوں کے چہروں پر ابھی تک دہشت طاری تھی۔

☆.....☆.....☆

صحرا میں ویسے ہی رات جلدی اتر آتی ہے۔ اس وقت بھی چاروں طرف

گھپ تاریکی کا راج تھا۔ جب بھٹ پر بنی جھونپڑی کے اندر سے ایک سایہ باہر نکلا۔ یہ
بھٹ سائیں تھا۔ اس نے ململ کا والا رلی اور لمبا چغہ پہن رکھا تھا۔ وہ ننگے تلے قدموں
کے ساتھ ریت پر ایک طرف کو چلا جا رہا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ آبادی سے تھوڑی اور
دور نکل آیا۔ یہاں قبرستان تھا..... ماحول پر ویران تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ قبرستان کا
ماحول بڑا پراسرار نظر آ رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ قبرستان کے اندر جا بجا کیکر اور سریں
کے درخت پھیلے ہوئے تھے۔

اس سے گھور تاریکی میں قبرستان میں داخل ہونے کا تصور ہی محال تھا لیکن
بھٹ سائیں بڑے آرام سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے چار فٹ کچی دیوار کے
احاطے کے ایک طرف لگے ٹوٹے ہوئے پٹ والی چوکھٹ سے اندر داخل ہو گیا۔ کچھ دیر
پہلے آنے والی گیدڑوں اور کتوں کی منحوس آوازیں اب دم توڑنے لگی تھیں۔ البتہ کتوں
کے ایک مختصر ٹولے نے السائی ہوئی آنکھوں سے بھٹ سائیں کا راستہ روکنا چاہا مگر پھر
نجانے کیا ہوا وہ فوراً دم ہلا کے اپنی تھوتھنیاں قبرستان کی بھربھری مٹی سے چپکائے
خاموشی سے لیٹ گئے۔

بھٹ سائیں اپنی ہی دھن میں اپنے گردوپیش سے یکسر بے پروا آگے بڑھتے
چلے جا رہے تھے۔ پھر ایک مقام پر وہ رکے۔ یہاں چھتنار درختوں کی تعداد کم تھی۔ اس
لئے چاند کی روشنی ٹنڈ منڈ پیڑوں سے چھن چھن کر نیچے بنی عام سی قبر پر گویا شبنم فشاں ہو
رہی تھی۔ قبر پر کتبہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن قبر کے سرہانے کھدی ہوئی مٹی کو دیکھ کر ایسا لگتا
تھا جیسے یہاں کوئی چھوٹا موٹا سا کتبہ بار بار لگایا جاتا رہا ہو جو بعد میں ہواؤں یا پھر کسی
دوسری وجہ سے اکھڑتا رہا ہو۔ بھٹ سائیں مذکورہ قبر کے قریب خاموش کھڑے تھے۔
ان کی آنکھیں بند تھیں اور دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں بلند تھے۔ ہونٹ ہل رہے تھے۔
وہ فاتحہ خوانی میں مصروف تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد بھٹ سائیں نے اپنے باریش چہرے
پر دونوں ہاتھ پھیرے۔ اس نے خاموشی سے اپنے چغے کے اندر ہاتھ ڈال کر ایک
سلیٹ نما تختی نکالی۔ تختی پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ بھٹ سائیں ہولے سے خود کلامی کے انداز
میں بڑبڑایا۔

"مجھے پتہ تھا کہ کتبہ ہوا ہو چکا ہوگا۔ اس لئے تو ہر مرتبہ نیا کتبہ بنا لاتا ہوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں۔"

یہ کہتے ہوئے بھٹ سائیں نے آگے بڑھ کر قبر کے سرہانے وہ کتبہ ڈنڈی کے ذریعے گاڑ دیا۔ لوٹنے سے پہلے بھٹ سائیں ایک مرتبہ کتبے کی تحریر بلند ضرور پڑھا کرتا تھا سو اس مرتبہ بھی اس تحریر کو پڑھا۔

"مسماۃ سومری عمر 20 سال وڈیرے سالار خان کی بیٹی جو باپ کے ہا ہلاک ہوئی۔"

☆.....☆.....☆

سومری کی قبر پر کتبہ لگانے اور ہمیشہ کی طرح اس پر لکھی تحریر کو زیر لب پڑ کے بعد بھٹ سائیں نے رقت آمیز انداز میں ہولے ہولے بڑبڑانا شروع کر دیا۔

"آہ..... بدنصیب سومری..... اللہ سائیں تیری روح کو سکون بخشے اور اور تو بھٹکنے نہ پائے..... دیکھ سومری..... تو..... تو میرے پاس نہ آیا کر..... اس طر لوگوں میں بلاوجہ ہراس پھیلے گا۔ میں خود ہی یہاں آ جایا کروں گا۔ تو نے خود دیکھا کہ تیرے باپ کے دو خاص آدمیوں نے تجھے میرے پاس آتے دیکھ لیا ہے۔ حالا میں تجھے کہا کرتا تھا کہ جب بھی میرے پاس آنا پرچھائیں بن کر آنا۔ یوں پوری طر خود کو ظاہر نہ کر..... سومری..... تو..... تو کہاں ہے سومری..... آ..... مجھ سے کلام کر کیا..... کیا تو آ پڑیں سریجن سے بھی ناراض ہے۔" بھٹ سائیں اتنا کہہ کر سومری کی کو تکنے لگا۔

ہر سو گماں آمیز تاریک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اندھیری رات..... خوف زدہ کی مانند قبرستان کے پر ہیبت ماحول میں دھڑک رہی تھی۔

اسی وقت..... ایک یاس زدہ سی سسکاری ابھری۔ یہ آواز سومری کی قبر قریب ایک گھنے درخت سے آئی تھی۔ بھٹ سائیں نے ذرا چہرہ اٹھا کر سامنے درخ کی طرف دیکھا۔ وہاں اسے تاریکی میں ایک دودھیا سی جھلک دکھائی دی تھی۔ پھر ا ہی لمحے اس نے دیکھا وہ پراسرار دودھیا سایہ درخت کی آڑ سے نکل کر بھٹ سائیں بالکل قریب آ گیا۔ ایسے میں قبرستان کے ماحول پر غیر معمولی سکوت چھا گیا تھا۔ پتے کے کھڑکنے کی آواز تک نہیں ابھر رہی تھی۔

"لو آ گئی ہوں..... میرے سریجن....." اچانک اس نیلگوں مائل دودھیا سائے نے بھٹ سائیں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کے لہجے میں ٹوٹے دل کی کسک تھی۔ پھر اگلے ہی لمحے سایہ مکمل انسانی صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ یہ سومری تھی، وہی سومری..... جسے وڈیرے سالار خان کے دونوں ڈشکروں قادر بخش اور نہال خان نے بھٹ سائیں کی جھونپڑی میں جاتے دیکھا تھا مگر ان دونوں کے اندر داخل ہونے پر وہ غائب ہو گئی تھی۔ بھٹ سائیں نے اپنے چہرے سے بالوں کو پرے ہٹایا اور..... سومری کے مخمور سے روشن روشن چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ "سومری..... تو کیوں بھٹک رہی ہے۔ ایسا مت کر..... میرے دل کو آزار ہوتا ہے۔"

"تو بھی تو میری خاطر..... بیراگی بن گیا ہے۔ محمد ملوک سے بھٹ سائیں ہو گیا۔ وہ محمد ملوک جو کبھی ایک خوبرو اور گبھرو جوان تھا۔ دریائے سندھ کے چوڑے پاٹ کی طرح اس کی چوڑی چھاتی پر میں کبھی اپنا سر رکھے گھنٹوں کھوئی رہتی تھی۔ اب..... اب وہ بھٹ سائیں بن چکا ہے۔ اسے زمانے کا تو کیا خود اپنا ہوش بھی نہیں رہا ہے۔"

سومری نے ماضی کے دریچے کھولنے چاہے تو محمد ملوک نامی عرف بھٹ سائیں نے تڑپ کر درد آگیں لہجے میں کہا۔ "ماضی کی راکھ کریدنے کا اب کیا فائدہ سومری..... اب تو تو اس دنیا میں نہیں رہی پھر..... پھر ایسی باتیں کر کے جی کو جلانے کا کیا فائدہ....."

"محمد ملوک! کیا میرے لئے یہ کم ہے کہ میں مرنے کے بعد بھی تجھے اپنا دیدار کراتی ہوں۔ میں مر گئی تو کیا ہوا..... میری روح..... میری پرچھائیں تو تیرے آس پاس ہی بھٹکتی رہتی ہیں ناں۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں سومری..... تو میرے پاس نہ آیا کر..... میں خود یہاں تجھ سے ملنے آتا رہوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کو تیرے بارے میں کچھ پتہ چلے اور ماضی کا وہ دردانگیز باب کھل جائے..... تو نے دیکھ لیا کہ تیرے سنگدل باپ کے دو خاص آدمیوں کو تجھ پر شک ہو چکا ہے۔" بھٹ سائیں نے مجبور آواز کے ساتھ کہا۔

سومری نے زہر خند لہجے میں کہا۔ "اب میرا ظالم باپ مجھے قتل کرنے کے بعد اور کیا کر سکتا ہے۔ اس کے پاس اب کچھ نہیں رہا کرنے کو..... اگر اس نے تجھے بھی تنگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا محمد ملوک..... میں نہ صرف اپنے باپ کا بلکہ اس گوٹھ کے لوگوں کا جینا دوبھر کر دوں گی۔" سومری کے لہجے میں یکایک غیظ وغضب کی چنگاری کر آئی تھی۔ جس کی تپش سے اس کا حسین چمکتا ہوا چہرہ سیاہ پڑنے لگا تھا۔ یکلخت پڑتا وہ چہرہ ایک حسین عورت سے کسی چڑیل کا بھیانک چہرہ نظر آنے لگا۔ اسے دیکھ ایک لمحے کو خود بھٹ سائیں بھی لرز سا گیا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے سومری کا خوفنا چہرہ اعتدال پر آتا چلا گیا۔ اب وہاں ایک بار پھر حسین عورت کا چہرہ تھا۔ بھٹ سائیں نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر تک مزید گفتگو کرتے رہے اس کے بعد بھٹ سائیں قبرستان سے واپس لوٹ آیا۔

☆.....☆.....☆

"سائیں وڈا اس مردود ہاری میر محمد کا کچھ کرنا ہی پڑے گا ورنہ یہ آپ کے سارے کسانوں کا دماغ خراب کر دے گا۔" منشی جمعہ خان نے وڈیرے سالار خان سے کہا تو سامنے رلی بچھی چارپائی پر چارخانوں کا تہبند باندھے نیم دراز حقہ گڑگڑاتے ہوئے وڈیرے سالار خان کے چہرے پر گمبھیر تاثرات میں اضافہ ہونے لگا۔

اس وقت دور مغرب کی سمت ریتیلے ٹیلوں کے پیچھے سورج خاصا جھک آیا تھا فضا میں حبس کی کیفیت برقرار تھی۔ گرمی سہ پہر ہونے کے باوجود زوروں پر تھی۔ دونوں اس وقت حویلی کی قدیم عمارت سے ملحقہ بلند چھت والی اوطاق میں تنہا موجود تھے۔ اوطاق کی زمین کچی تھی جس پر تازہ پانی کا چھڑکاؤ کرنے سے ماحول قدرے خنک ہو گیا تھا اور اس میں سوندھی مٹی کی مہک رچی ہوئی تھی۔

منشی..... وڈیرے کی چارپائی کے سامنے والے مونڈھے پر براجمان تھا اور ہاری میر محمد کے خلاف کان بھرنے میں مصروف تھا۔ وڈیرے کو طویل اور پرخاموشی سوچ میں مبتلا پا کر وہ اپنا سر اوپر نیچے حرکت دیتے ہوئے مکاری سے بولا۔ "سائیں وڈا..... میر محمد خود کو ہاریوں کا وڈا..... مڑس سمجھتا ہے۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی بننے کا اسے شوق ہے۔ اسے اس کا مزہ چکھانا چاہئے۔"

"ہاؤ بابا ہاؤ..... ہم اس کے متعلق سوچ رہے ہیں۔" معاً وڈیرے نے کہا۔ "اس مردود کا واقعی کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"سائیں وڈا..... سوچنا کیا آپ کو ہر چیز کرنے کا اختیار ہے۔ آپ حکم تو کرو۔ میر محمد اور اس کے سارے خاندان کو جلا کر راکھ کر ڈالیں۔" منشی نے سفاک لہجے میں کہا۔

"نہیں..... صرف..... میر محمد کو راستے سے ہٹانا ہوگا۔" وڈیرے نے اچانک سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا اور اضطراری انداز میں ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کو ہونٹوں سے لگا کر جلدی جلدی کش لینے لگا۔ ایسا کرنے سے اس کی گھنی مونچھیں عجیب انداز میں پھڑپھڑانے لگیں۔ ادھر منشی وڈیرے کی بات سن کر مطمئن ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ خود بھی ہاری میر محمد سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کیونکہ جب میر محمد نے تمام کسانوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہوئے اپنے حقوق کی آواز بلند کی تھی تب سے خود منشی کا بھی دانہ پانی کٹ کر رہ گیا تھا۔ کہاں وہ بڑے دھڑلے کے ساتھ ہر بٹائی پر کمیشن کے نام پر غریب ہاریوں کا حصہ مارا کرتا تھا تو میر محمد کے درمیان میں آ جانے سے اب منشی جمعہ خان کو ایک دھیلا بھی نہیں ملا کرتا تھا۔ ظاہر ہے یہ بات حریص منشی جمعہ خان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اب جبکہ اسے اپنا مقصد پورا ہوتا نظر آ رہا تھا کیونکہ وڈے سائیں نے میر محمد کا کانٹا صاف کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا۔ منشی جمعہ خان جانتا تھا کہ میر محمد کے راستے سے ہٹنے کے بعد تمام ہاریوں کی کمر ٹوٹ کر رہ جائے گی..... اور..... وہ ایک بار پھر خود کو تنہا سمجھ کر مجبور و بے بس ہو کر حویلی اور اوطاق والوں کے آگے عاجزی کے ساتھ اپنا سر جھکا دیں گے۔

☆.....☆.....☆

دور کہیں مغرب میں سارے دن کا تھکا ماندہ سورج ٹیلوں کے عقب میں غروب ہونے کو تھا۔ دن ڈھلنے کو تھا لیکن باوجود اس کے فضا میں سارے دن چلنے والی بادسموم کی تپش موجود تھی۔

اپلوں سے تھپی ہوئی گارے مٹی کی کچی دیواروں والے ایک خاصے وسیع و عریض صحن میں پانی کا تازہ چھڑکاؤ کیا جا چکا تھا۔ صحن میں یہاں سے وہاں تک مرغیوں اور چوزوں کی قطاریں دانے دنکے چننے میں مصروف تھیں۔ اس طرف ہی چارہ کترنے کی آہنی مشین بھی زمین میں نصب تھی جدھر بدنما چھپر کے سائبان تلے دو بھینسیں اور تین

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بکریاں بھی بندھی ہوئی تھیں۔ صحن کے مغربی کونے میں ساتھ ساتھ بالکل سیدھے سادے انداز میں دو کمرے اور داہنی جانب ذرا کونے میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی بنی تھی۔

اس وقت کترمشین کے آہنی پہیے کی ہتھی پر ایک جوان رعنا کا مخروطی انگلیوں والا ہاتھ بڑی تیزی کے ساتھ پہیے کو گھما رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ چارے کا موٹھ آہنی دندان والے چوکور خانے کے اندر دھکیلنے میں مصروف تھا۔ اس کی عمر بمشکل سولہ سال تھی۔ رنگت صندلیں اور آنکھیں گہری کجراری سی..... دلنشیں ہونٹوں کے قریب سیاہ تل تھا جو اس کے چہرے پر موج تبسم کی سی کیفیت طاری کئے ہوئے تھا۔ ناگن کی طرح لمبی بالوں کی چوٹی..... جس پر شیشوں کا جھلمل اور چھن چھن کرتا پراندہ باندھا ہوا تھا۔ اس کی صحت اور حسین سراپا..... گوٹھ کی کھلی آب و ہوا اور خالص غذا کی غمازی کر رہا تھا۔ حسن کی دولت اس نے اپنی ماں میراں بی بی سے جبکہ قد اس نے اپنے باپ میر محمد سے لیا تھا۔ اس پیکر جمال کا نام سکھاں تھا اور یہ ہاری میر محمد کی بیٹی تھی۔

صحن کے وسط میں دور لی بچھی چارپائیاں پڑی تھیں جن پر ہاری میر محمد اپنے دو کڑیل جوان بیٹوں میر نواز اور احمد نواز کے ساتھ بیٹھا باتوں میں مشغول تھا۔ میراں بی بی پینتیس چالیس سالہ عورت تھی۔ وہ ان تینوں نوجوان بچوں کی ماں اور میر محمد کی بیوی تھی۔ وہ اس وقت رسوئی میں چائے بنا رہی تھی۔

"بابا سائیں..... یہ منشی جمعہ خان جو ہے..... یہ بڑا کمینہ انسان ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا تم اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہو۔" یہ بڑا بیٹا تھا۔ میر نواز..... جو اپنے باپ کو اس عمر میں جواں مردوں والے کام میں مشغول دیکھ کر متفکر رہتا تھا۔

"ہاؤ بابا ادا میر وٹھیک بولتا ہے۔" یہ چھوٹا بیٹا احمد نواز تھا جو اپنے بڑے بھائی کی تائید میں بولا تھا۔

"بابا..... یہ منشی ضرور بھوتار سائیں کو تمہارے خلاف بھڑکاتا رہا ہوگا۔ تمہاری وجہ سے اس مردود کا دانہ پانی جو ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر بھوتار سائیں کو اس نے تمہارے خلاف ورغلا دیا تو....."

"اڑے بھلے ورغلاتا رہے آپڑیں بھوتار سائیں کو میرے خلاف....." اچانک میر محمد نے اپنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بیٹے کی بات کاٹ کر جھٹکے دار لہجے میں کہا۔ "مجھے کسی کی پروا نہیں..... منشی ہم غریب ہاریوں کا ہمیشہ سے حق مارتا آیا ہے اور..... یہ سب وہ وڈے بھوتار کی شہہ پر ہی ایسا کرتا آیا ہے۔ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ وڈے بھوتار سائیں نے..... ٹیکس بھی ہمارے سر پر ڈالا ہوا ہے اور کھاد وغیرہ کا خرچہ بھی۔ یہ زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔ ہمیں اناج کا حصہ ہی کتنا ملتا ہے جو اس نے سارا خرچہ ہمارے ہی سر دے مارا۔"

"وہ تو صحیح ہے بابا..... لیکن بہرحال..... ہمیں کم از کم وڈیرا سالار خان سے جھگڑا نہیں مول لینا چاہئے۔ اس کی جوتی میں ہمارا پاؤں کس طرح سما سکتا ہے۔" میر نواز نے باپ کو مفاہمت سکھائی اور اس سے پہلے کہ میر محمد کوئی جواب دیتا..... ایک بڑی سی ٹرے میں میراں بی بی چائے کے تین بڑے بڑے پیالے لئے آ گئی۔ اس کے کانوں میں بھی یہ گفتگو پڑ رہی تھی اور قریب پہنچتے پہنچتے اس نے بڑے بیٹے کی گفتگو کے آخری الفاظ سن لئے۔ لہٰذا وہ بھی چائے کا ایک ایک پیالہ تینوں کو تھماتے ہوئے بیٹے کی بات کی تائید میں اپنے شوہر سے بولی۔ "میرو پٹ..... صحیح کہہ رہا ہے۔ سکھاں کے پیو..... وڈے سائیں سے دشمنی پالنا اچھی بات نہیں..... تم نے سارے گوٹھ کے غریب ہاریوں کو اوطاق سے حق دلانے کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا۔"

"اڑے بابا..... تم لوگ تو ایسے میرے پیچھے پڑ گئے ہو جیسے میں نے کلہاڑی اٹھا کر حویلی پر حملہ کر دیا ہے۔" ہاری میر محمد بیزاری کے ساتھ بولا اور اس کے بعد پھر کسی میں اس سے دوبارہ سمجھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ میر محمد نے چائے کا پیالہ ختم کیا اور پھر اجرک کاندھے پر دھر کر گھر سے باہر نکل گیا۔ اندر صحن میں دونوں بیٹے ماں کا چہرہ تکنے لگے۔ اتنے میں سکھاں بھی اپنے حصے کا کام ختم کر کے رسوئی سے اپنی چائے لئے ان کی چارپائیوں کے قریب آ گئی اور وہ ماں سے بولی۔ "امڑ..... بابا ہم سے کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔"

"اڑی چری..... بھلا تیرا پیو بھی ہم سے ناراض ہو سکتا ہے۔ ہمیں دیکھ کر تو وہ جیتا ہے۔" اس کی ماں میراں بی بی نے فخر آمیز غرور سے کہا۔ اس کے لہجے سے برسوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے تجربے کی جھلک نمایاں تھی۔

''امڑی گودی..... ہم نے بابا سے غلط بات تو نہیں کی ناں۔'' چھوٹا بیٹا احمد نواز بولا۔ اسے بھی باپ سے بڑی محبت تھی مگر سب سے زیادہ قصور وار میر نواز خود کو سمجھ رہا تھا کہ اس نے ہی موضوع چھیڑ کر باپ کو ناراض کیا تھا۔

ابھی ان کے باپ کو گھر سے نکلے لمحوں بھر کی دیر ہوئی ہو گی کہ اچانک باہر بندوق چلنے کی زور دار آواز گونجی۔ جانے کیوں ان سب کے دل دھک سے رہ گئے۔ گھبرائے ہوئے معصوم دلوں کے خوابیدہ اندیشوں نے کڑیالے ناگ کی طرح پھن نکالا۔ ان سب کے چہرے دم بخود اور زبانیں چپک کر رہ گئیں۔ تب پھر ان کی ماں میراں بی بی نے پھٹی پھٹی وحشت زدہ آواز کے ساتھ بیٹوں سے چلا کر کہا۔ ''اڑے جاؤ باہر جا کر دیکھو..... اللہ سائیں..... میرے گھر والے..... میرے سر کے سائیں کی خیر کرنا۔''

باہر گلی میں شور سا بلند ہونے لگا تھا۔ ماں کی ہدایت پر میر نواز اور احمد نواز یکدم اٹھے اور اپنے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ ابھی وہ دروازے سے تھوڑا ہی دور تھے کہ اچانک باہر لوگوں کے شور کی آواز ان کے دروازے کے بالکل قریب سنائی دی اور پھر اگلے ہی لمحے دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ میراں بی بی اور سکھاں کا دل دھک سے رہ گیا۔ میر نواز اور احمد نواز کے بڑھتے ہوئے قدم جیسے زمین پر کیل ہو گئے۔ بالآخر میر نواز نے ہی ہمت کر کے دروازہ کھولا تو میر نواز نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دلخراش اور اندوہناک منظر دیکھا۔ لوگوں نے اس کے باپ میر محمد کی خون میں لت پت لاش کو کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

جب سے پورے گوٹھ میں بھٹ سائیں کی شہرت پھیلی تھی تب سے پیر کوڑیل شاہ کی شہرت کا سورج غروب ہونے لگا تھا۔ کوڑیل شاہ ایک ڈبہ پیر تھا۔ دبلا پتلا سیاہ رنگت اور چہرہ اس کا لومڑی کی طرح لمبوترا..... چندی چندی آنکھیں جن میں ہر وقت مکاری ہلکورے لیتی رہتی تھی۔ اس کی عمر پچاس پچپن کے پیٹے میں تھی۔ کوڑیل شاہ بے اولاد تھا۔ سکینہ سے اس کی شادی کو پچیس سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ بے اولاد جوڑوں کو

تعویذ گنڈے دینے والا خود ابھی تک اس نعمت سے محروم تھا۔ لوگوں کی عقل پر ماتم کے سوا اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ لوگوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ایسا شخص جو خود اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے وہ دوسروں کو اولاد کس طرح دے سکتا ہے۔ بہرطور لوگ معصوم اور سادہ لوح تھے۔ زیادہ نہیں سوچنا چاہتے تھے۔ روٹی اور بنیادی ضروریات زندگی سے آگے انہیں سوچنے کی مہلت ہی کہاں ملتی تھی۔

کوڑیل شاہ کا گھر آبادی سے ایک الگ تھلگ مقام پر تھا۔ دو کمرے تھے..... کچے..... ایک کو حجرے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ جس کا دروازہ باہر کی طرف اور ایک اندر گھر کے چھوٹے سے ناپختہ صحن میں کھلتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ بھٹ سائیں کی آمد سے پہلے ''صحرا میں کانٹا بھی درخت ہے'' کے مصداق کوڑیل شاہ کے تعویذوں' گنڈوں سے زیادہ اس کے چیلے چانٹوں کے پروپیگنڈے کا دخل تھا۔ وہ عام آدمیوں کے روپ میں خود کو اس کا مرید ظاہر کر کے کوڑیل شاہ کی خوب شہرت پھیلاتے تھے مگر جب لوگوں نے دیکھا کہ کوڑیل شاہ تعویذ وغیرہ کے بدلے نذرانے کے نام پر ان کا مال دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے جبکہ اس کے برعکس جبل بھٹ والا ''بھٹ سائیں'' بغیر نذرانے کے اور بغیر تعویذ گنڈے کے صرف ایک بار پرجلال آواز میں ان کی حاجت پوری ہونے کی نوید سنا دیتا ہے تو وہ جلد یا بدیر پوری ہو کر رہتی ہے۔

جب کوڑیل شاہ نے یہ دیکھا کہ دن بدن اس کے سائلین میں کمی اور بھٹ سائیں کے مریدوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے تو اس کے دل میں بھٹ سائیں کے خلاف بغض پیدا ہونے لگا اور اس کے دل و دماغ میں بھٹ سائیں کیلئے معاندانہ جذبات پرورش پانے لگے۔ ڈبہ پیروں کی طرح کوڑیل شاہ کے بھی دو عدد چیلے تھے۔ ایک مگو اور دوسرا بیلو.....

''پیر سائیں..... اب کیا ہو گا؟ اس جبل بھٹ والے فقیر نے ہمارا ڈبہ ہی گول کر دیا ہے؟''

یہ اربیلو تھا۔ بھینسے کی طرح موٹا اور جھکے جھکے شانوں پر تربوز جیسے سر والا..... جہاں بال گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھے۔ وہ اس وقت بھنگ گھوٹ رہا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ مگو بھی اس کے قریب ہی زمین پر بیٹھا تھا۔ یہ ایک کچی کوٹھڑی تھی۔ یہی کوڑیل شاہ کا حجرہ بھی تھا۔ یہاں صرف فرشی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ البتہ کوڑیل شاہ کے بیٹھنے کیلئے ایک قدرے اونچا مستطیل نما کچی اینٹوں کا چبوترا بنا ہوا تھا جہاں دری اور گاؤ تکیہ رکھا ہوا تھا۔ کوڑیل شاہ اس وقت اس کے ساتھ پشت ٹکائے بیٹھا پریشان سا نظر آ رہا تھا۔ باقی اس کے دونوں چیلے اربیلو اور مگو چبوترے کے قریب ہی دری پر نیچے بیٹھے تھے۔

یہ شام کا وقت تھا۔ فضا میں گہرا سکوت ساری تھا۔ ایک وقت ہوتا تھا جب کوڑیل شاہ کا یہ حجرہ حاجت مندوں سے بھرا رہتا تھا مگر لوگوں کو جب "اصل نقل" کا احساس ہوا تب سے اربیلو اور مگو کا کام بھنگ گھوٹنا اور کوڑیل شاہ کا بھنگ پینا رہ گیا تھا۔ لوگ تو جیسے ادھر کا راستہ ہی بھول گئے تھے۔

اپنے گرو گھنٹال کو خاموش اور متفکر پا کر اربیلو سے رہا نہ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گرو کی مسند پر کس نے لات ماری تھی؟ لہٰذا اس کا حل تلاش کرنا ضروری تھا۔

اربیلو کی دیکھا دیکھی مگو نے بھی اس ضمن میں لقمہ دینا ضروری سمجھا وہ بولا۔

"اس جبل بھٹ والے فقیر نے ہمارا ڈبہ گول کیا ہے تو ہم بھی اس کا ڈبہ گول کر دیں گے۔" مگو ذرا جوشیلا واقع ہوا تھا۔ اس کی بات کوڑیل شاہ کے دل کو لگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اربیلو کی بات کے بجائے مگو کی بات سن کر پریشان کن خیالات کے حصار سے نکلنے پر مجبور ہوا تھا لہٰذا اس کی طرف دیکھ کر بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"مگر کیسے.....؟"

"سائیں..... اس کیلئے ہمیں باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔" مگو پرخیال لہجے میں بولا۔

"کرو بابا تم دونوں ہی کچھ کرو۔ اربیلو..... بھنگ تیار ہو گئی ہے تو دے ایک گلاس۔" کوڑیل شاہ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

اربیلو نے فوراً "حاضر سائیں" کہتے ہوئے جلدی سے ایک بڑے سے جست کے گلاس میں بھنگ کا کونڈا الٹ کر گلاس اوپر تک بھر دیا اور مؤدبانہ انداز میں آگے بڑھ کر کوڑیل شاہ کو تھما دیا۔ مگو کے برعکس اربیلو..... جوش کے بجائے ہوش سے کام لیتا تھا۔ تاہم جارحانہ فطرت بھی مگو سے کم نہیں رکھتا تھا لہٰذا جب اس نے اپنے

گرو گھنٹال کے سوال پر مگو کو خاموش پایا تو اپنی رائے دینے کی غرض سے بولا۔

"سائیں..... ہمیں سب سے پہلے جبل بھٹ والے اس فقیر کی اصلیت جاننے کی کوشش کرنی چاہئے کہ آخر یہ آیا کہاں سے اور کہاں کا رہنے والا ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس کا جوانی میں یہ روپ دھارنا کھٹکتا ہے۔ وہ فقیر سے زیادہ بیراگی لگتا ہے۔"

"اڑے بابا..... اربیلو..... تیری بات مجھے سمجھ میں کم ہی آتی ہے..... ذرا کھل کر بات کر ایسے تیری شروع والی بات میرے بھی دل کو لگی ہے۔" پیر کوڑیل شاہ نے ذرا الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سائیں..... یہ نوجوان لڑکا ہے جس نے کسی بیراگی فقیر کا روپ دھار رکھا ہے۔ اسے پیری فقیری سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تو گوٹھ کے لوگ اس کا بے نیازانہ رویہ دیکھ کر اس کے مرید بننے لگے ہیں۔ میں بھی ایک دن اس کی جھونپڑی میں گیا تھا تو میں نے اسے سائلین سے بیزار ہی پایا تھا۔" اربیلو کا لہجہ لمحہ بہ لمحہ پراسرار ہوتا جا رہا تھا لیکن کوڑیل شاہ کی چندی چندی آنکھیں پھیلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے چیلے کی بات بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جب اربیلو ذرا سانس لینے کیلئے رکا تو کوڑیل شاہ نے یکدم کہا۔ "ہاں..... ہاں..... آگے بتاؤ تمہاری بات میرے دل کو لگ رہی ہے۔"

"میں اور مگو پہلے بھٹ سائیں کے ماضی کا راز کریدنے کی کوشش کریں گے۔" اربیلو نے پھر کہنا شروع کیا۔ "میرا دل کہتا ہے کہ اس کی ماضی کی راکھ کریدنے سے اس کی اصلیت ہم پر آشکارا ہو جائے گی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے ماضی کی دال میں کچھ کالا کالا ہے۔"

"واہ ڑے..... اربیلو..... بڑی دور کی کوڑی لایا ہے ڑے تو۔" کوڑیل شاہ خوشی سے بولا۔ "بس تم دونوں اسی وقت اپنی کھوج میں لگ جاؤ۔"

"برابر سائیں برابر....." اربیلو اور مگو نے بیک وقت پرخیال انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا اور کوڑیل شاہ کی چھچھوندر ایسی آنکھوں میں مکارانہ چمک اور گہری ہوتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

حسب معمول اس وقت بھٹ سائیں کی جھونپڑی کے اندر اور باہر سائلین کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خاصی تعداد موجود تھی۔ یہ بات درست تھی کہ بھٹ سائیں..... کسی پیری فقیری کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ جب بھی سائلین اس کی جھونپڑی کو گھیر لیتے تھے تو وہ مجبوراً ان کے دکھڑے سن کر دعا کر دیا کرتا تھا۔ اس کی دعاؤں کے طفیل اگر کسی کی دلی آرزو پوری ہو جاتی تو وہ بھٹ سائیں کو ڈرتے جھجکتے کوئی نذرانہ پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ بھٹ سائیں اس کو قہر بار نظروں سے گھورتا اور بری طرح جھڑک دیتا تھا۔ درحقیقت اس کے ایسے بے نیازانہ رویے نے لوگوں کی بڑی تعداد کو اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ بھی حقیقت تھی کہ بھٹ سائیں کی دعائیں بھی پوری ہو کر رہتی تھیں۔ اس وقت بھی بھٹ سائیں اپنی جھونپڑی میں کھجی کی چٹائی پر آنکھیں موندے جذب کی کیفیت میں دوزانو بیٹھا دائیں ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے گھمانے میں مصروف تھا۔ جھونپڑی کے اندر سائلین میں سے ہی کسی نے دو تین اگربتیاں جلا کر اٹکا دی تھیں۔ جس کی وجہ سے اندر روحانی سی مہک رچی ہوئی تھی۔ اندر جگہ کم ہونے کی وجہ سے سائلین ایک ایک کر کے اندر آتے اور بڑے دلگیر انداز میں اپنا دکھڑا سناتے اور بھٹ سائیں کے سامنے بڑی عاجزی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر حاجت پوری ہونے کی درخواست کرتے۔

"بھٹ سائیں..... مرشد تیرے کو صدا آباد رکھے میڈی معصوم دھی (بیٹی) کو کالے یرقان نے آ لیا ہے۔ بڑا علاج کروایا..... کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ میں گوٹھ کا رہنے والا بھی نہیں ہوں مگر تیری شہرت اور نام سن کر تیرے پاس آ گیا ہوں۔" ایک سائل نے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے جب اپنا دکھڑا سنایا تو بھٹ سائیں نے یکدم آنکھیں کھولیں' جلالی نظروں سے سائل کو گھورا اور بارعب آواز میں جھڑک کر بولا۔ "بے وقوف..... شہرت والا..... اور بڑے نام والا صرف اللہ ہے..... اس کی ذات لازوال ہے میں تو اس کا ایک گناہ گار بندہ ہوں۔"

بے چارہ سائل تھوڑا سا گھبرا گیا لیکن بھٹ سائیں کی بات سن کر وہ مزید متاثر نظر آنے لگا۔ اس کے دل میں بھٹ سائیں کی یہ کسر نفسی اس کا مزید گرویدہ بنانے لگی۔ ایسے میں سائل بھٹ سائیں کے قدموں میں جھک گیا اور رقت آمیز لہجے میں گڑبڑا کر بولا۔ "بیشک سائیں' بیشک..... بڑے نام والی ذات صرف اوپر والے کی ہے

سائیں تم اس کے قریب ہو ہم گناہ گار ہیں۔ ہمارے لئے دعا تو کر سکتے ہو ناں سائیں۔"

"اڑے چریا..... اللہ سائیں تو ہر دل میں موجود ہے۔ تمہاری شہ رگ سے بھی نزدیک۔ تم لوگ من تو اجالا کر کے دیکھو۔ اپنے دل سے جھوٹ اور منافقت مٹا دو پھر دیکھو ہر شخص اپنی جگہ پیر ہے۔" بھٹ سائیں نے تسبیح والا ہاتھ بلند کرتے ہوئے جذب کی کیفیت میں کہا اور آنکھیں موند کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بدبدانے لگا۔ اس کے بعد سامنے بیٹھے سائل پر پھونک مار دی۔ جھونپڑی کے داخلی حصے میں اپنے طور پر مامور فی ڈیوٹی سنبھالے ہوئے دو دربانوں نے بھٹ سائیں کو مخصوص کیفیت میں دیکھ کر سائل کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ اس طرح سائل آتے گئے اور بھٹ سائیں کی وعظ دعائیں سمجھتے ہوئے لوٹتے رہے۔ انہی میں کوڑیل شاہ کے وہ دونوں چیلے اربیلو اور منگو بھی جو خاموشی سے کھڑے تھے۔ جب یہ حاضری اپنے اختتام کو پہنچی اور بھٹ سائیں کی جھونپڑی کے اندر باہر کوئی بھی ذی نفس نظر نہ آیا تو یہ دونوں اپنے چہروں پہ معصومیت اور اداسی کا خول چڑھائے جھونپڑی میں داخل ہوئے۔

اندر بھٹ سائیں عالم مراقبہ کی سی کیفیت میں آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ یہ دونوں جھجکتے ہوئے اس کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑے کھڑے ہو گئے۔ اثنائے راہ بھٹ سائیں نے اپنی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور جلالی لہجے میں جھڑکتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو تم..... جاؤ یہاں سے..... وقت ختم ہو گیا ہے۔"

"بھٹ سائیں..... ہم کب سے یہاں آپ کے دیدار کے منتظر تھے۔ ہم نے سوچا سب لوگ چلے جائیں گے تو آخر میں آپ سے ملیں گے۔ ہم آپ کے پاس کوئی سوالی کی حیثیت سے نہیں آئے ہیں۔" اربیلو نے ہاتھ جوڑتے ہوئے چہرے پر عاجزی بکھیرتے ہوئے کہا۔

"پھر کس لئے آئے ہو؟ اپنا مقصد بتاؤ اور جاؤ یہاں سے۔"

"بھٹ سائیں..... ہمیں آپ سے اور کچھ نہیں لینا ہے۔ بس آپ ہمیں..... یہاں اپنے پاس..... اپنے قدموں میں جگہ دے دیں۔" اربیلو نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھٹ سائیں کو جیسے سانپ نے ڈس لیا۔ وہ یکدم آنکھیں پھاڑے جلالی انداز میں ان دونوں کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔ ”چلے جاؤ یہاں سے..... میں کسی کو یہاں نہیں رکھ سکتا۔ مجھے کسی کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ..... نکل جاؤ یہاں سے.....“

”بھٹ سائیں..... ہمیں ادھر ہی رہنے دو ہماری جندگیاں سنور جائیں گی۔“

”اڑے بابا..... میں نے کہا نا مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں کرانی اپنی خدمت جاؤ..... جاؤ.....“ بھٹ سائیں نے اس پر غصیلے لہجے میں کہا اور ایک ہاتھ سے انہیں وہاں سے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

اربیلو اور مگو نے ایک نظر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد خاموشی کے ساتھ جھونپڑی سے باہر نکل گئے۔

دور ریتیلے ٹیلوں کے عقب میں سورج کا آتشیں گولہ لڑھک رہا تھا۔ اربیلو اور مگو کے چہروں پر مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ بھٹ سائیں کی ٹوہ لینے کی غرض سے پہلے خدمت گار کی حیثیت سے اس کے ہمراہ رہیں گے تاکہ اس کے معمولات زندگی کا جائزہ لے سکیں مگر ان کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوا تھا۔

”اب کیا کریں..... یار اربیلو..... اس نے تو ہمیں صاف جواب دے دیا۔“ مگو نے مایوسانہ لہجے میں چلتے چلتے کہا۔

”مجھے پتہ تھا..... بھٹ سائیں کسی صورت میں بھی ہماری بات نہیں مانے گا۔“ ریت پر آگے قدم بڑھاتے ہوئے اربیلو نے گہرے لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟“

”بھٹ سائیں..... ایک چالاک انسان ہے۔ وہ نہیں چاہتا ہوگا کہ کوئی اس کی پراسرار سرگرمیوں سے آگاہ ہو۔“ اربیلو نے کہا۔

”تب تو یہ کارروائی ہمیں چھپ کر خفیہ طور پر کرنی پڑے گی؟“ مگو بولا۔

اربیلو نے فوراً اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں..... ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ آج رات ہم دوبارہ ادھر آئیں گے۔“

یہ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے کافی آگے نکل آئے تھے۔ شام کے

سائے دراز ہونے لگے تھے۔ جھونپڑی پیچھے رہ گئی تھی۔ چہار سو عجیب سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اسی طرح چلتے چلتے یہ دونوں ٹھٹک گئے۔ ان کی سماعتوں سے ایک عجیب آواز ٹکرائی تھی۔ بے واضح طور پر سننے کیلئے وہ دونوں رک گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اچانک انہیں وہ آواز سنائی دی۔

”چھن..... چھن..... چھنن..... چھنن..... کی باریک مگر..... دل پر پراسرار سی کیفیت طاری کرتی ہوئی یہ آواز گھنگھروؤں کی محسوس ہوتی تھی۔ جیسے کوئی پیروں میں گھنگھرو باندھے چل رہا ہو۔ جانے کیوں ان دونوں کے دل انجانے خوف سے تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگے۔ اس پراسرار آواز کا ”مخرج“ نظروں سے اوجھل تھا اور یہی بات ان دونوں کیلئے خوف کا باعث بن رہی تھی۔ یہی سبب تھا کہ ان دونوں نے اس آواز کو وہم پر محمول کرتے ہوئے پھر اپنے قدم آگے بڑھا دیئے۔

پھر جب وہ ایک چھوٹے ریتیلے ٹیلے کے قریب سے گزرنے لگے تو اچانک پرسکوت فضا میں ”چھن چھنا چھن..... کی تیز آواز ابھری اور دوسرے ہی لمحے اربیلو اور مگو ٹھٹک کر رک گئے۔

ان کے سامنے اچانک ہی ایک حسین و جمیل عورت زرق برق لباس میں ملبوس کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور ایسی ہی تیز چمک اس کی آنکھوں سے بھی مترشح تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھوں سے سرد مہری ہویدا تھی۔ مگو اور اربیلو کی تو گھگھی بندھ گئی مگر پھر دوسرے ہی لمحے اربیلو اور مگو جیسے اس عورت کو پہچان گئے۔ اب ان کے چہرے سے اور زیادہ خوف مترشح نظر آنے لگا۔

اسی وقت اس پراسرار عورت نے ان دونوں کی طرف گھورتے ہوئے قہر بار لہجے میں کہا۔ ”تم دونوں..... بھٹ سائیں کی ٹوہ لینا چھوڑ دو..... ورنہ تمہارا بہت برا انجام ہوگا۔“ اس کی آنکھوں سے قہر کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔

خوف و دہشت کے باعث مگو اور اربیلو سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

”تم دونوں شاید مجھے پہچان گئے ہو۔“ لگتا ہے اس بار عورت نے ان کی کیفیت سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”پہچانو گے کیسے نہیں..... میری لاش کو تو سارا گوٹھ دیکھنے آیا تھا مگر مجھے ظالم ہاتھوں سے بچانے کی کسی میں بھی ہمت نہیں ہوئی تھی تو اب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مرنے کے بعد ہمیں کیوں تنگ کیا جا رہا ہے۔ باز آ جاؤ ورنہ میں پورے گوٹھ کا
کا جینا دوبھر کر دوں گی۔ یہ دیکھو..... میں کیا بن چکی ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس عورت نے اپنا ریشمی کامدار لاچا ٹخنوں سے ذرا اوپر کیا تو
اربیلو کی سہمی ہوئی نظریں جب اس عورت کے پیروں پر پڑیں تو دہشت کے مارے
ان کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ عورت کے پاؤں الٹے تھے۔

نجانے کس طرح مگو اور اربیلو نے اپنی ہمت مجتمع کی اور اپنے حلق
دہشت زدہ چیخیں نکالتے ہوئے ایک طرف کو دوڑ پڑے۔ ان کے عقب میں خاص
تک پچھل پائی کے قہقہوں نے تعاقب کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ریگزار میں رات اتر آئی تھی۔

بھٹ سائیں شکستہ جھونپڑی والے جبل بھٹ پر گہرا سکوت طاری تھا۔ ہا
بھرے ٹمٹماتے آسمان پر طباق چاند کی طلسماتی روشنی ہر سو عجیب سا سحر طاری کیے ہو
تھی۔ چٹکی ہوئی چاندنی کی خشک روشنی میں دو سائے حرکت کرتے نظر آئے۔ دو
چھوٹے ٹیلے کی آڑ میں دبکنے کے سے انداز میں کھڑے تھے۔ اچانک ان کے با
قریب سے زرق برق لباس میں سومری نامی وہی حسین و جمیل عورت عالم بے خودی
چلتی ہوئی نظر آئی۔ جب وہ عورت ذرا آگے نکل گئی تو وہ سائے ٹیلے کی اوٹ سے
اور محتاط روی کے ساتھ سومری کے پیچھے ہو لئے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ دونوں کا
سے سومری کے تعاقب میں ہوں۔ یہ دونوں مٹھو اور بچل تھے۔ وڈیرے سالار خان
انہیں آج ایک ایسا کام انجام دینے کی ہدایت کی تھی جسے کرنے سے وہ بری طرح
رہے تھے مگر حکم حاکم، مرگ مفاجات کے مصداق انکار کرنے کی ان میں جرات
حالانکہ ان دونوں نے وڈیرے سالار خان کو پرزور لہجے میں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ
سومری ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کا بھوت ہے یا بے چین روح۔

مگر وڈیرے کو کہاں ان باتوں پر یقین تھا۔ اس نے بری طرح دونوں
جھڑک دیا تھا اور سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس عورت کو ہر حالت میں قابو کر کے اس
سامنے حاضر کر دیں۔ حکم عدولی کی صورت میں وڈیرے نے ان دونوں کو سخت تر

سے دوچار کرنے کی دھمکی دی تھی۔ بہرطور..... اب مٹھو اور بچل نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ
سومری یا اس کے بھوت کا پہلے تعاقب کر کے اس کا اصل ٹھکانہ دیکھنے کی کوشش کریں
گے پھر اس کے بعد اس پر قابو پانے کی کوشش کی جائے گی۔

سومری اپنے تعاقب سے بے خبر بھٹ سائیں سے ملنے کے بعد سبک
قدموں کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری
تھا۔ مدھم چاندنی میں اس کا چہرہ مزید پراسرار لگ رہا تھا۔

ادھر مٹھو اور بچل..... بہ جبر و اکراہ لرزتے کانپتے ہوئے سومری کے تعاقب
میں چلے جا رہے تھے۔ اچانک جب سومری صحرائی میدان سے نکل کر ایک شکستہ سی بل
کھاتی پگڈنڈی پر ہو لی تو اس کا تعاقب کرتے ہوئے مٹھو نے بچل کا کاندھا دباتے
ہوئے کہا۔ "اڑے یار بچل..... یہ تو قبرستان کی طرف جا رہی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ
واقعی چھوٹی وڈیرنی کا بھوت ہے..... بھاگ چل....."

"ہاں یار..... بات تو تیری غلط نہیں ہے۔" بچل نے اس کی تائید کرتے
ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "پر یار..... وڈیرے سائیں کو کس طرح یقین آئے گا ہماری
بات پر..... وہ تو سمجھ رہا ہے کہ یہ چھوٹی وڈیرنی (سومری) نہیں ہے بلکہ..... کوئی ڈھونگ
ہے۔"

"چل تجوڑا..... اور ہمت کر لیتے ہیں۔"

اب چاند کی مدھم روشنی میں قبرستان کے آثار صاف دکھائی دینے لگے تھے۔
ایک عجیب سی دھند چھائی ہوئی تھی۔ قبرستان کے پرہیبت ماحول پر..... وہ راستہ پتلی بل
کھاتی پگڈنڈی کی طرح قبرستان کی چار فٹ اونچی شکستہ کچی دیوار سے اندر جا رہا تھا۔

سومری اندر داخل ہو چکی تھی۔ رات کے اس سمے..... اور وہ بھی روح کے
تعاقب میں..... قبرستان کے اندر داخل ہونے کا تصور ہی مٹھو اور بچل کو ہولائے دے رہا
تھا مگر ان کے آگے بھی موت تھی اور پیچھے بھی موت..... کیونکہ وڈیرے سالار نے آج
ان دونوں کو سومری کے اصل ٹھکانے کا پتہ چلانے کیلئے اٹل حکم دے رکھا تھا۔ آج ان
دونوں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ "شاہ" کی نوکری بھی کتنی محال ہوتی ہے جس کا ہر حکم "حکم
مرگ" کا درجہ رکھتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بہرطور سومری ایک سائے کی طرح شکستہ اور ٹوٹی ہوئی قبروں کے درمیان راستے سے ہوتی ہوئی ٹھیک اپنی کتبے والی قبر کے سرہانے والے درخت کے نیچے پہنچ کر کھڑی ہوگئی۔

مٹھو اور بچل نے اسے دور سے کھڑے دیکھ لیا تھا۔ ان کا اندازہ درست ثابت تھا۔ یہ سومری کی ہی بے چین روح تھی۔ دونوں اپنے خوف و دہشت سے دھڑکتے دل پر بمشکل قابو پائے ایک ٹنڈ منڈ درخت کے عقب میں کھڑے سومری کی روح کو دیکھ رہے تھے۔

اگلے لمحے انہوں نے سومری کی روح کو سفید دھویں میں تحلیل ہوتے دیکھا۔ ان دونوں کی حالت ابتر ہونے لگی۔ یہ بات اب شک و شبہے سے بالاتر ہو چکی تھی کہ سومری کی بے چین روح بھٹ سائیں سے ملنے آیا کرتی تھی۔

"اب بھاگ چل..... میرا تو کلیجہ خوف سے منہ کو آ رہا ہے۔" بچل نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا۔

مٹھو جو غیر یقینی انداز میں سامنے قبر کی طرف تکے جا رہا تھا جدھر سومری کو اس نے دھویں میں تحلیل ہوتے دیکھا تھا۔ بچل کی بات سن کر وہ ذرا چونکا اور پھر جیسے خوف کے مارے اس پر بھی کپکپی طاری ہونے لگی..... اور پھر وہ دونوں پلٹ کر اب تقریباً دوڑنے والے انداز میں بھاگنے لگے۔ چہار سو پر ہیبت سناٹا طاری تھا۔ آس پاس پھیلی ہوئی قبروں کے پھولے ہوئے پیٹ پر ٹنڈ منڈ درختوں کی جٹاؤں جیسی "داڑھیاں" جھولتی ہوئی بڑا پراسرار منظر پیش کر رہی تھیں۔ غرض ہر سو دل دہلا دینے والا سکوت طاری تھا۔

دونوں دہشت زدہ دل کے ساتھ سوچنے لگے کہ اس قدر خوفناک ماحول میں آ کس طرح گئے تھے مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اب باقاعدہ دوڑنے لگے تھے۔ بدحواسی اور خوف سے انہوں نے راستوں کا تعین بھی نہ کیا اور قبروں کو پھلانگنے لگے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے عقب میں کوئی دوڑتا ہوا آ رہا ہو مگر ان دونوں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنے عقب میں گردن موڑ کر دیکھتے۔ بس وہ جلد سے جلد قبرستان کے اس پر ہیبت ماحول سے نکل جانا چاہتے تھے۔ بے تحاشا دوڑتے ہوئے

انہیں ایک لرزہ خیز انکشاف ہوا۔ جس کے تصور سے ہی دونوں دہشت زدہ ہو کر یک دم رک گئے۔ ان دونوں کے سانس بری طرح پھولے ہوئے تھے۔ وہ چاروں طرف مدھم چاندنی میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف میلوں دور تک قبریں ہی قبریں پھیلی ہوئی ہوں۔

"مم..... مٹھو..... یہ قبرستان اتنا بڑا تو نہیں ہے۔ اس کی حد ختم کیوں نہیں ہو رہی۔" بالآخر بچل نے دہشت زدہ آواز میں مٹھو سے کہا۔ مٹھو کیا جواب دیتا خود اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ تب ایک بار پھر انہوں نے دوڑ لگا دی۔ مگر قبرستان تھا کہ شیطان کی آنت کی طرح طویل سے طویل تر اور گنجان ہوتا چلا جا رہا تھا۔ دونوں پسینے پسینے ہونے لگے تھے۔ خوف و دہشت کے مارے اب ان کی ٹانگوں میں بھی جان نہیں رہی تھی۔ پھر اچانک وہ ایک جگہ ٹھٹک کر رک گئے اور دہشت کے مارے ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ جدھر سے چلے تھے ادھر ہی آ پہنچے تھے۔ سامنے سومری کی قبر صاف نظر آ رہی تھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے قبر کے سرہانے کے قریب درخت کے عقب سے کوئی حرکت کرتا نظر آیا۔

مٹھو اور بچل کی وحشت زدہ نظریں جب اس سائے پر پڑیں تو وہ اس سائے کے مکروہ چہرے کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر گئے۔

☆.....☆.....☆

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خوف اور دہشت کے مارے وہ دونوں اپنی جگہ گڑھ کر رہ گئے تھے مگر پھر جلد ہی
خوف پر جان بچا کر بھاگ نکلنے کی تحریک غالب آ گئی پھر مٹھو اور بچل نے پلٹ کو دوڑ لگا دی۔
آسمان پر ٹکے طباق چاند کا رخ روشن شاید آوارہ بدلیوں کی زد میں آ گیا تھا
اسی لئے ہر سو مہیب اندھیارے بھوتوں کی طرح پھیل چکے تھے۔ ادھر یہ دونوں مارے
خوف کے اندھا دھند دوڑے چلے جا رہے تھے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے ان لوگوں
کے قدم قبروں پر بھی پڑ رہے تھے دفعتاً عقب میں نسوانی قہقہوں کی گونج سنائی دینے
لگیں۔ اب تو ان کی ٹانگوں میں دہشت سے لرزش اتر آئی۔ بچل آگے تھا اور اس کے
پیچھے مٹھو۔

وہ نسوانی پراسرار قہقہے پورے قبرستان میں گونجتے محسوس ہونے لگے تھے۔
مٹھو کا پاؤں ایک ٹوٹی ہوئی قبر پر پڑا جو اس کے وزن سے مزید اندر کو دھنس گئی جس کے
سبب مٹھو قبر کے اندر جا پڑا۔ بے اختیار اس کے حلق سے دہشت کے مارے چیخ نکل
گئی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ مردے کے اوپر جا پڑا ہو وہ مردے کا ڈھانچہ تھا۔ انتہائی
ناگوار بدبو کا بھپکا مٹھو کے نتھنوں سے ٹکرایا اور اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہونے
لگا۔ اس نے اٹھنے کی سعی کی تو اچانک اسے ڈھانچہ کڑکڑاتا محسوس ہوا۔ مٹھو کو یوں
جیسے وہ ڈھانچہ اسے اپنی ''استخوانی'' گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا ہو۔ خوف اب جان
بچانے کے جنون میں بدل چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مٹھو دیوانہ وار اور انتہائی پھرتی کے
ساتھ اٹھا تو وہ ڈھانچہ بھی اس کے ساتھ بغلگیر ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا ایک مصیبت گلے کا
ہار بن چکی تھی۔ اب تو مٹھو کا بھی خوف کے مارے برا حال ہوا۔ اس نے ڈھانچے کی
استخوانی بازوؤں سے خود کو آزاد کرانا چاہا مگر ناکام رہا۔ مٹھو کا پھر بھی نہیں تھا۔ وہ برابر

دوڑنے کی جستجو میں لگا رہا اور خود کو مردے کی استخوانی گرفت سے بھی چھڑانے کی کوشش
کرتا رہا۔ بالآخر وہ کامیاب ہو گیا کیونکہ اگلے لمحے ڈھانچے نے اسے چھوڑ دیا مگر جب
مٹھو ڈھانچے کو پھلانگ کر آگے بڑھانے لگا تو اچانک ڈھانچے نے اس کے پیروں کو پکڑ
لیا۔ نتیجتاً وہ منہ کے بل چلاتا ہوا زمین پر آ رہا مگر وہ گرتے ہی سائیکل چلانے کے انداز
میں اپنی ٹانگیں چلانے لگا' ٹھیک اسی وقت چاند آوارہ بدلیوں سے طلوع ہوا تو چاروں
طرف پراسرار سی چاندنی پھیل گئی۔ مٹھو ذرا دیکھنے کے قابل ہوا۔ وہ پشت کے بل
بھربھری زمین پر پڑا تھا۔ اس نے دیکھا ڈھانچہ اس کی ٹانگوں کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ مٹھو
اسے واضح طور پر دیکھ کر مزید دہشت زدہ ہو گیا۔

اسی لمحے تیز ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں جو بین کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ مٹھو
نے پوری جان کا زور لگایا اور ڈھانچے کی گرفت سے خود کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو
گیا۔ تیز و تند ہواؤں کا شور پراسرار سیٹیوں کی طرح گونجتا محسوس ہو رہا تھا۔ مٹھو خود کو
آزاد کراتے ہی بڑی پھرتی کے ساتھ اٹھا اور سرعت کے ساتھ اٹھ کر دوڑ لگا دی۔ وہ
اندھا دھند دوڑے چلا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اسے بچل پر بھی غصہ آ رہا تھا جو اسے تنہا چھوڑ
کر جانے کہاں بھاگ گیا تھا۔

قبرستان کا پورا ماحول اس وقت ہیبت ناک بنا ہوا تھا۔ ایسے میں ایک عام
انسان کا اس پر ہیبت و پراسرار ڈراؤنے حالات کا شکار ہونا دماغ ماؤف کرنے کیلئے کافی
تھا مگر مٹھو نے اب تک کمال ہمت سے اپنے مختل ہوتے حواسوں پر قابو پا رکھا تھا لیکن
اب اس کی کیفیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر وہ مزید تھوڑی دیر تک ایسے ہی فاتر العقل
اور ڈراؤنے واقعات سے دوچار رہا تو کسی وقت بھی بدحواس ہو سکتا تھا۔

ادھر قبرستان کی حدود تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اچانک
جب ایک جھنڈ دار درخت کے قریب سے دوڑتے ہوئے گزرنے لگا تو ایک نیلگوں
دودھیا سایہ نکل کر اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس سائے کی عجیب بات یہ تھی کہ
اس کا چہرہ بالکل واضح تھا اور جسے مٹھو آن واحد میں پہچان کر شدت خوف سے کانپنے لگا۔
وہ سومری کی بے چین روح تھی جو اسے قہر ناک نظروں سے گھور رہی تھی۔ مٹھو
کو اس کی آنکھوں میں شعلوں کی لپک محسوس ہو رہی تھی اور چہرہ انتقام سے سرخ ہو رہا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ مٹھو کو سومری کی شعلے اگلتی نگاہیں اپنے پورے وجود میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا تھا اور حرکت کرنے سے بھی لاچار ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سومری کی آتش بار نگاہوں نے اسے پتھر بنا ڈالا ہو۔

پھر اچانک سومری کا چہرہ بھیانک ہوتا چلا گیا۔ اس کے چہرے پر لاتعداد لکیروں کا جال سا پھیلتا چلا گیا جیسے دراڑیں پڑ گئی ہوں۔ آنکھوں کی وضع قطع یکدم غیر انسانی ہونے لگی۔ رنگت چہرے کی سیاہ پڑتے پڑتے انتہائی ڈراؤنی ہو گئی اور باچھوں سے دو لمبے دانت خون میں آلودہ نظر آنے لگے۔ مٹھو کا تو جیسے سانس ہی رک گیا۔ دہشت سے اس کی آنکھیں پھیل کر رہ گئی تھیں۔ ٹھیک اسی لمحے سومری کا ایک ہاتھ فضا میں بلند ہوا تو وہاں چاند کی روشنی میں لمبے پھل والے چمکدار چھرے کی سفاک جھلک نظر آنے لگی۔ دوسرے ہی لمحے سومری کے حلق سے ایک غیر انسانی چیخ برآمد ہوئی اور وہ چھرے والا ہاتھ تیزی کے ساتھ نیچے آیا۔

مٹھو کے حلق سے برآمد ہونے والی کربناک چیخ نے آس پاس کے ماحول کو دہلا کر رکھ دیا۔ چھرے کا سفاک پھل مٹھو کے عین دل کے مقام پر ترازو ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

بچل پر اس قدر دہشت سوار تھی کہ اسے ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کا ساتھی مٹھو اس کے عقب میں نہیں تھا۔ یہ موقع ہی ایسا تھا کہ صرف اپنی جان بچانے کی فکر کے سوا اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ اسے مٹھو کی کربناک چیخ ضرور سنائی دی تھی اور تب اس کے قدم جامد ہو کر رہ گئے۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرح تیز تیز چل رہی تھی۔ چہرے پر وحشتوں کا ڈیرا تھا۔ مٹھو بہرحال اس کا ساتھی ہی نہیں بلکہ بچپن کا دوست بھی تھا۔ اسے اب پتہ چلا تھا کہ وہ اس کے عقب میں نہیں تھا۔ اس نے کھڑے کھڑے خوف زدہ نظروں سے اپنے عقب میں چاروں طرف دیکھا مگر اسے اندھیروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ تاہم اب قبرستان کا ماحول پرسکون ہو گیا تھا۔ نسوانی قہقہوں کی بازگشت معدوم ہو چکی تھی۔ چٹکی ہوئی پراسرار چاندنی ٹنڈ منڈ اور کوتاہ قامت پیڑوں سے چھن چھن کر ماحول کو کسی قدر روشن کیے ہوئے تھی کہ خوف و دہشت میں جکڑے ہوئے ہونے کے باوجود بچل کے جی میں آئی کہ وہ واپس مڑ کر اپنے ساتھی

مٹھو کو تلاش کرے جانے وہ کس مصیبت کا شکار ہو چکا تھا لیکن جب اس نے مڑ کر سناٹوں کی طرف دیکھا تو اس میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسی لمحے ایک بار پھر اچانک فضا میں نسوانی قہقہوں کی آوازیں گونجنے لگیں اور ساتھ ہی تیز ہواؤں کے جھکڑ بھی چلنے لگے۔ بچل کا اب کھڑے ہونا محال تھا۔ اس نے ایک بار پھر دوڑ کی لگا دی۔ اسے یہ بھی خوف دامن گیر تھا کہ آیا قبرستان کی نہ ختم ہونے والی طلسماتی حدود سے زندہ سلامت نکل بھی پائے گا۔ یونہی بھٹکتا رہے گا۔ مٹھو کا جانے کیا حشر ہوا تھا اس خیال نے بھی اسے دہشت زدہ کر رکھا تھا۔

بہرطور وہ اندھا دھند دوڑا چلا جا رہا تھا تب اچانک اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب اسے سامنے مدہم روشنی میں قبرستان کے احاطے کی ٹوٹی ہوئی کچی دیوار نظر آئی۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ رفتار سے دوڑنے لگا پھر ذرا ہی دیر بعد بچل قبرستان کی دیوار پھلانگ چکا تھا۔ اب اس کا رخ آبادی کی طرف تھا۔

☆.....☆.....☆

بدنصیب ہاری میر محمد کی خون میں لت پت لاش صحن کے وسط میں چارپائی پر پڑی تھی۔ پورا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ کیا مرد کیا عورتیں چارپائی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ میر محمد کی بیوی میراں بی بی اپنے شوہر کے سرہانے غم سے نڈھال بیٹھی بار بار اپنا سر چارپائی کے پائے پر مارے جا رہی تھی۔ کچھ عورتیں اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس کی جوان بیٹی سکھاں کا بھی ماں سے مختلف حال نہ تھا۔ رو رو کر اس کی معصوم آنکھوں کے سوتے بھی خشک ہو چکے تھے اور زندہ لاش کی طرح نظر آنے لگی تھی۔ ادھر میر محمد کے دونوں بیٹے میر نواز اور احمد نواز کا بھی اگرچہ غم کے مارے برا حال تھا مگر اس غم میں آتش انتقام اور غیظ و غضب کے شعلے بھی فروزاں تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی آنکھیں شدت غم سے بھیگی ہوئی تھیں۔ انہیں پوری طرح احساس تھا کہ ان کے باپ کے قتل کی بہیمانہ واردات کس کے ایما پر ہوئی تھی۔ ان کے دماغ اور آنکھوں میں فقط ایک ہی چہرہ ثبت ہو کر رہ گیا تھا اور وہ چہرہ وڈیرے سالار خان کا تھا۔ دونوں بھائی اچھی طرح جانتے تھے یہ حرکت اس کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے باپ میر محمد کو حق کی راہ پر چلنے کی سزا دینے والا وڈیرا سالار خان کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اگرچہ دونوں بھائی اکثر باپ کو اس بات پر ٹوکا بھی کرتے تھے کہ وہ وڈیرے سے اس قسم کی بحث میں نہ الجھے۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ اب وہ حیثیت باپ کی لاش کی صورت میں ان کے سامنے تھی..... گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ لوگوں کا تانتا تھا کہ کم ہونے کو نہیں آ رہا تھا۔ آہ وفغاں کی گونج سے دل دہل رہا تھا۔

ایسے میں ایک عمر رسیدہ بزرگ نے بآواز بلند متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اڑے بابا میت کو کفنانے دفنانے کا بھی بندوست کرو گے یا نہیں؟ عصر کی نماز تک یہ کام انجام دے ڈالو تو اچھا ہے۔“

اس کے کہنے کی دیر تھی کہ سب سے پہلے کچھ عورتیں میراں بی بی اور اس کی بیٹی سکھاں کو چارپائی سے ہٹا کر اندر کمرے میں لے گئیں۔ اب کھلے صحن میں صرف مرد باقی رہ گئے تھے۔

ایسے میں ایک اور جہاندیدہ شخص نے کہا۔ ”یہ قتل کی واردات ہے ہمیں اس وقت سب سے پہلے متعلقہ تھانے کی پولیس کو خبر کرنا ہوگی۔“ پھر وہ بدنصیب میر محمد کے قریب ہی سوگوار کھڑے دونوں بیٹوں میر نواز اور احمد نواز سے مخاطب ہو کر بولا۔

”کیوں بچو! صحیح کہہ رہا ہوں نا بابا..... تمہارا کیا خیال ہے؟“

”ہاں چاچا میرل! تمہاری بات ٹھیک ہے۔“ میر نواز نے اپنی رقت پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا اور پھر اسی وقت ایک جوان العمر آدمی کو متعلقہ تھانے کی طرف دوڑا دیا گیا۔ تھانے کی عمارت زیادہ دور نہیں تھی لہٰذا تھوڑی ہی دیر بعد پولیس وہاں آن پہنچی اور ضابطے کی کارروائی میں مصروف ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

”پیر سائیں یہ جبل بھٹ والا بھٹ سائیں پٹھے پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دے رہا۔“

مگو نے سامنے اونچے چبوترے پر براجمان سائیں کوڑیل شاہ کو بتایا۔ مگو کے برابر بیٹھے اربیلو نے بھی لب کشائی کی۔ ”سائیں! مجھے تو آپ کی بات درست ہی معلوم ہوتی ہے یہ بھٹ سائیں ضرور کوئی بہروپیا ہے۔ اس کا اصل روپ کوئی اور ہے جبھی تو یہ اپنے ساتھ کسی کو رہنے کی اجازت نہیں دیتا' ورنہ خدمت گار یا خدام کے بغیر کیسی پیری فقیری.....“

”اڑے نالائقو! میں نے پھر کس لئے تم دونوں کو اس کے پاس بھیجا تھا؟ تمہیں اس کی خفیہ نگرانی کرنی چاہئے تھی۔“ سائیں کوڑیل شاہ نے انہیں ڈپٹ کر کہا۔

”وہ تو ہم کر ہی رہے تھے پیر سائیں.....“ مگو نے جلدی سے کہا۔

”لیکن وہ پچھل پائی.....“

”اڑے بکواس کرتے ہو تم' ضرور تمہارا وہم ہوگا۔“ کوڑیل شاہ نے دونوں کو پھر گھڑکی دی۔

مگو اور اربیلو نے حجرے میں لوٹتے ہی اپنے گرو گھنٹال کوڑیل شاہ کو اپنی آج کی کارگزاری کے ساتھ ساتھ اس الٹے پیروں والی حسین وجمیل عورت کے متعلق بھی بتا دیا تھا مگر جسے کوڑیل شاہ تسلیم کرنے سے سرِ بہ سر انکاری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب مگو نے دوبارہ اس پچھل پائی کا حوالہ دیا تو کوڑیل شاہ نے قدرے درشتی کے ساتھ ایک بار پھر اس کی بات جھٹلا دی تھی اور مگو بیچارہ چپ ہو کر رہ گیا۔ پھر لمحہ بھر پر سوچ خاموشی کے بعد کوڑیل شاہ نے ایک لمبی ہنکاری بھری اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

”ہوں..... لگتا ہے اب یہ کام مجھے خود ہی کرنا پڑے گا۔“ مگو اور اربیلو ہاتھ باندھے خاموش کھڑے رہے۔

☆.....☆.....☆

کوڑیل شاہ بھی اپنی دھن کا پکا تھا۔ وہ اگلے دن شام کو ہی ایک بدحال مسافر کے بھیس میں نوجوان مجذوب بھٹ سائیں کی جھونپڑی میں پہنچا۔ وہاں حسب معمول حاجت مندوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ مکار کوڑیل شاہ خاموشی سے جھونپڑی کے باہر کھڑے لوگوں کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔

آخر جب شام کے سرمئی اندھیرے رات کی تاریکی میں مدغم ہونے لگے اور جھونپڑی کے اندر اور باہر کوئی بھی شخص موجود نہیں رہا تو کوڑیل شاہ اپنے چہرے پر سکینیت طاری کئے جھونپڑی کے اندر داخل ہو گیا اور اندر قدم رکھتے ہی تھکے ماندے مسافر کا تاثر دینے کیلئے زور زور سے سانس لینے لگا اور بے دم ہو کر بھربھرے فرش پر گر گیا اور لگا ہانپنے..... اس کے عین ذرا سامنے ایک کھجور کی چارفٹ لمبی اور دو فٹ چوڑی چٹائی پر سائیں بڑی حیرت کے ساتھ اس بدحال شخص کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حیرت کے علاوہ پریشانی کا عنصر بھی غالب تھا۔

کوڑیل شاہ اپنی پوری مکاری کے ساتھ ایک تھکے ہارے مسافر کا سواگ رچانے میں مصروف تھا مگر ساتھ ہی دزدیدہ نظروں سے بھٹ سائیں کے چہرے کی طرف بھی دیکھے جا رہا تھا شاید اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ بھٹ سائیں کو اسے دیکھ کر غصہ تو نہیں چڑھ رہا مگر اسے یہ دیکھ کر ذرا حوصلہ ہوا تھا کہ بھٹ سائیں اسے اب ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کوڑیل شاہ نے اس سے پہلے کبھی بھٹ سائیں کی شکل نہیں دیکھی تھی البتہ اپنے چہیتوں مگو اور اربیلو سے بھٹ سائیں کے متعلق اتنا ضرور سنا تھا کہ وہ ایک نوجوان مجذوب تھا بلکہ آدم بیزار اور تارک الدنیا کہنا زیادہ مناسب تھا۔ لہٰذا کوڑیل شاہ نے جب اپنی چندی چندی آنکھوں سے بھٹ سائیں کا تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی تو وہ اسے کہیں سے بھی پیر فقیر نہیں لگا۔ کوڑیل شاہ کی جہاندیدہ نظروں نے بھٹ سائیں کے جٹاؤں ایسے بکھرے بالوں والے چہرے سے ایک مضطرب الحالی نوٹ کی تھی..... ایسے میں اچانک بھٹ سائیں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر قریبی صراحی سے آب خورے میں پانی انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا جسے کوڑیل شاہ نے فوراً لے کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا اور غٹا غٹ سارا پانی پی گیا۔ وہ ایک پیاسے مسافر کی بھرپور ایکٹنگ کر رہا تھا' ساتھ ہی ساتھ کن انکھیوں سے بھٹ سائیں کے چہرے کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا' بالکل غیر محسوس انداز میں۔

تاہم ایسے میں کوڑیل شاہ نے نڈھال سی آواز میں پینے کیلئے مزید پانی مانگا۔ کوڑیل شاہ بڑا کائیاں شخص تھا۔ وہ بھٹ سائیں کی قربت کسی اور طریقے سے حاصل کرنا چاہتا تھا..... جانتا تھا کہ "چاکری" یا خدمت گار اور معتمد خاص کے نام سے ہی بھٹ سائیں کو بڑی خار چڑھتی تھی۔ بھٹ سائیں نے اسے دوبارہ پانی پلایا تو کوڑیل شاہ نے آستین سے اپنی باچھیں صاف کرتے ہوئے بھٹ سائیں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری وڈی مہربانی ..... میں بہت دور سے آ رہا ہوں' کسی نے مجھے پانی تک کا بھی نہیں پوچھا تھا۔" یہ کہتے ہوئے مکار کوڑیل شاہ نے اس بار اور بغور بھٹ سائیں کے چہرے کا جائزہ لیا تو اچانک جیسے کوڑیل شاہ کو اپنے اندر ایک جھماکا سا محسوس ہوا۔ اسے جانے کیوں بھٹ سائیں کی صورت شناسا سی دکھائی دے رہی تھی

ذہن پر پیہم زور دینے کے باوجود یہ یاد نہ کر سکا کہ بھٹ سائیں کو اس نے پہلے کہاں اور کب دیکھا تھا۔

"مجھے بھوک بھی لگی ہے اگر تھوڑی روٹی ہو تو....." کوڑیل شاہ نے بدستور اس کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز رکھتے ہوئے مگر نڈھال سی آواز میں کہا۔

اس کی بات سن کر بھٹ سائیں کے چہرے پر ایک لمحے کو الجھن سی تیر گئی کیونکہ اس کے پاس کھانے کیلئے صرف ایک چاولوں کے آٹے کی روٹی اور ساگ تھا جسے ذرا دیر پہلے ہی کھا چکا تھا۔ اسے دکھ ہونے لگا کہ کاش ذرا دیر کیلئے اپنی بھوک مار لیتا تو روٹی اس تھکے ہارے مسافر کے کام آ جاتی۔

دوسرے ہی لمحے اس نے مسافر سے کہا۔ "تو ٹھہر ذرا میں ابھی تیرے لئے کچھ کھانے کو لاتا ہوں' لگتا ہے تو بڑی مسافت طے کر کے آیا ہے۔"

"ہاں میں بہت دور سے آیا ہوں۔" کوڑیل شاہ نے تھکی تھکی آواز میں کہا مگر پھر دوسرے ہی لمحے مکارانہ معصومیت سے بولا۔ "نہیں پیر سائیں! رہنے دو بس پانی پی لیا' بہت ہے..... مجھے بس آج کی رات یہاں گزار لینے دو' میں کل صبح سویرے آگے نکل جاؤں گا۔"

"خبردار مجھے پیر سائیں مت کہنا۔" معاً بھٹ سائیں نے جلالی کیفیت میں کہا اور کوڑیل شاہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا مگر وہ جواباً خاموش رہا۔ ایسے میں بھٹ سائیں دوبارہ نرم لہجے میں بولا۔

"کوئی بات نہیں تو یہاں رات گزار لے مگر میں تجھے بھوکا پیٹ نہیں سونے دوں گا۔" یہ کہہ کر جب بھٹ سائیں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو اچانک جھونپڑی کے باہر "چھن چھن چھنانن" کی پراسراری سی آواز ابھری جسے سن کر کوڑیل شاہ بری طرح ٹھٹک گیا۔ اس نے دیکھا اس آواز پر بھٹ سائیں بھی ذرا پریشان سا نظر آنے لگا پھر اگلے ہی لمحے جھونپڑی کے اندر عجیب سی خوشبو کا جھونکا در آیا۔ کوڑیل شاہ نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ کافور اور لوبان کی ملی جلی مہک تھی پھر اسی لمحے کوئی جھونپڑی کے اندر داخل ہوا۔ وہ ایک حسین و جمیل عورت تھی۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ایک بڑی سی ٹرے تھی' معاً وہ معنی خیز پراسراریت سے کوڑیل شاہ کی طرف تکے جا رہی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ ادھر کوڑیل شاہ اس حسین و جمیل عورت کو دیکھ کر جیسے سانس لینا بھول گیا۔ ایسا تھا کہ اس پری پیکر عورت کے حسن سے ہکا بکا رہ گیا تھا بلکہ اس کے گم صم ہو جانے کی کوئی اور تھی مگر اس کے منہ سے تو مارے دہشت کے کچھ برآمد ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہیں بھوک لگی ہے نا..... لو میں تمہارے لئے کھانا لے آئی ہوں..... لو۔" معاً اس پری وش عورت نے چند قدم کوڑیل شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کی ٹرے آگے بڑھائی تو کوڑیل شاہ خوف کے باعث کپکپا کر رہ گیا۔ اس کی دہشت زدہ نظریں عورت کے بدستور پراسرار مسکراہٹ بھرے چہرے پر جیسے جم کر رہ گئی تھیں۔

"تت..... تت..... تم..... تم سومری ہو! سائیں سالار خان کی بیٹی؟" نجانے کس طرح کوڑیل شاہ کے کپکپاتے لبوں سے الفاظ برآمد ہوئے۔ شاید اس حوصلے کی اس مجسم کا دخل بھی تھا جس نیت سے وہ یہاں آیا تھا۔ اس کی بات سن کر عورت بلاشبہ سومری تھی تیکھی نظروں سے اس کی طرف گھورنے لگی۔ اب اس کے چہرے ہی نہیں آنکھوں سے بھی قہر و غضب کے شرارے پھوٹنے لگے تھے۔ لہٰذا جب اس نے اپنے حنائی لبوں کو حرکت دی تو اس کے حلق سے اس بار غیر انسانی سی کھرکھراتی آواز ابھری جیسے اس کے اندر کوئی اور بول رہا ہو۔

"ارے بدبخت انسان! میں تجھے پہچان گئی ہوں اور یہ بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ تو یہاں کس نیت سے آیا ہے..... تم..... تم لوگوں نے مجھے زندہ نہیں رہنے دیا اب مرنے کے بعد بھی چین سے نہیں رہنے دیتے۔" یہ کہتے ہوئے سومری نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹرے کوڑیل شاہ کے اوپر الٹ دی۔ ٹرے الٹنے کی دیر تھی کہ کوڑیل شاہ کے دامن میں لاتعداد چھوٹے چھوٹے سنپولئے اور کراہیت آمیز کیڑے مکوڑے رینگنے لگے۔ نتیجتاً کوڑیل شاہ مارے دہشت کے بوکھلا کر اپنا دامن جھاڑنے لگا اور چیختا چلاتا ہوا بھٹ سائیں کی جھونپڑی سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے عقب میں سومری کے قہقہوں نے کافی دور تک اس کا پیچھا کیا گیا۔

☆.....☆.....☆

تین دنوں بعد ہاری میر محمد مرحوم کے گھر کے سامنے سے اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کے سوگ میں صف ماتم اٹھا دی تھی۔ سوم اور قل شریف بھی ہو چکے تھے۔ کئی

دنوں تک گھر میں چولہا بھی نہیں جلا تھا۔ پاس پڑوس سے کھانا آتا رہا تھا لیکن کب تک.....؟ یہ ایک تلخ حقیقت ہے مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا..... کار حیات کا بھی تقاضا نبھانا تھا لہٰذا کچھ روز بعد ماں، بیٹی نے رسوئی سنبھال لی۔ طبعی موت کا غم زیادہ نہیں ہوتا یا اس کے جھیلنے کا اثر اتنا طویل نہیں ہوتا البتہ غیر طبعی موت اور وہ بھی قتل ایسے اچانک حادثوں کے غم طویل ہوتے ہیں، کچھ یہی سبب تھا کہ گھر کے در و دیوار سے غم واندوہ جیسے چمگادڑوں کی طرح چمٹ کر رہ گئے تھے..... خاموشی سی خاموشی تھی..... ہر ایک، ہر کوئی ایک دوسرے سے نظریں چراتا ہوا محسوس ہوتا تھا کہ کہیں دوسرے کی چشم تر کا غم باہم مل کر بحر غم نہ بہا دے..... اسی لئے ہر کوئی اپنے اپنے کاموں میں مگن رہتا تھا۔

ہاری میر محمد کے بہیمانہ قتل کی اگرچہ متعلقہ تھانے میں رپورٹ درج کرا دی گئی تھی مگر تھانے کی پولیس کو غیر دانستہ نہیں بلکہ دانستہ اب تک ٹامک ٹوئیاں ہی مارتے ہوئے پایا گیا تھا اور تفتیش کسی نہ ختم ہونے والے قسط وار ناول کی طرح جاری تھی۔

دراصل جب دونوں بھائیوں احمد نواز اور میر نواز نے تھانے جا کر اپنے باپ کے قتل کی رپورٹ درج کروائی تھی تو تھانے کے انچارج انسپکٹر عالی جاہ نے بڑے مکارانہ انداز میں ان سے پوچھا تھا۔

"ہاں بابا کس نے قتل کیا ہے، میرا مطلب ہے کسی پر تم دونوں کو شبہ ہے؟"

انسپکٹر عالی جاہ حسب معمول ایک توند مار کہ شخص تھا..... شاملاً جنوباً پھیلے ہوئے جثے کی وجہ سے اس کی پتلون ہر وقت نیچے کھسکتی رہتی تھی جسے وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو بلٹ میں ڈال کر اوپر کھینچتا رہتا تھا..... وہ ایک چالیس سالہ شخص تھا..... چہرے سے ہی حرام خوری کی عادت کا پتہ چلتا تھا۔

بہرطور اس کی بات سن کر دونوں بھائی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے تب پھر بڑے بھائی میر نواز نے ہی جرات سے کام لے کر کہا۔ "سائیں..... ہمیں وڈیرے سائیں کے آدمیوں پر شک ہے۔"

"ہاؤ بابا تو پھر ڈرتا کیوں ہے، صاف صاف بولو نا وڈیرے سائیں کے آدمیوں پر شک ہے یا وڈیرے سائیں پر..... گھما پھرا کر بات کیوں کرتا پڑا ہے بھوکرا....." انسپکٹر عالی جاہ نے بڑی مکاری سے میر نواز کے چہرے کی طرف گھورتے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔ میر نواز ایک لمحے کو گڑبڑا سا گیا۔

اس کے چھوٹے بھائی احمد نواز نے انسپکٹر عالی جاہ کے مکارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے چہرے کی طرف سرد نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"وڈیرے سائیں کے آدمیوں سے ہماری مراد وڈیرا سائیں ہی ہے وڈیرے کے کہنے پر ہی اس کے آدمیوں نے ہمارے بابا جانی کا قتل کیا ہے۔"

انسپکٹر عالی جاہ کے چہرے پر یکدم مسکراہٹ غائب ہوگئی اور اپنی چندی چندی آنکھیں سکیڑے احمد نواز کو گھورنے لگا پھر اس نے استہزائیہ انداز میں وہاں اپنے دائیں بائیں موجود سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "اڑے بابا دیکھتے ہو اس چھوکرے کو کتنا بہادر ہے یہ..... لوگ تو وڈیرے سائیں کا نام تک زبان پر ویسے ہی نہیں لاتے اور یہ دیکھو اس پر قتل کا الزام لگا رہے ہیں۔"

اپنے افسر کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے دونوں سپاہیوں نے خوشامدانہ لہجے میں دانت نکالتے ہوئے کہا۔ "ہاؤ سائیں..... یہ تو واقعی بہادر چھوکرے ہیں۔ پھر جیسے حکم ہو آپ کا سائیں۔"

ان دونوں نے آخر میں عجیب سے انداز میں کہا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کا چہرہ تکنے لگے۔

"حکم کا تو تم لوگوں کو پتہ ہے بابا..... ان دونوں کو لے جاؤ ذرا مہمان خانے اور ان کی بہادری کو ذرا آزماؤ۔" انسپکٹر عالی جاہ نے اس بار سرسراتے ہوئے لہجے میں قریب کھڑے دونوں سپاہیوں سے کہا تو ان دونوں نے فوراً آگے بڑھ کر دونوں بھائیوں کو بازوؤں سے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر کمرے سے باہر لے جانے لگے۔

"کیا انسپکٹر سائیں! ہمیں کیوں پکڑ لیا ہے۔" میر نواز نے بدحواسی سے کہا۔

"خود ہی پتہ چل جائے گا بابا ذرا ان کے ساتھ جا کر سیر کر آؤ۔" انسپکٹر عالی جاہ نے سفاک نظروں سے اس کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں سپاہی میر نواز اور احمد نواز کو لے کر دوبارہ انسپکٹر کے کمرے میں داخل ہوئے تو دونوں کی حالت نڈھال تھی۔ ان کے چہروں پر نیل پڑے ہوئے تھے اور سر کے بال اس طرح الجھ کر بکھرے ہوئے تھے جیسے انہیں بالوں سے پکڑ کر بری طرح زدوکوب کیا گیا ہو۔ کپڑے بھی جگہ

جگہ سے پھٹ چکے تھے اور بیچارے دونوں بھائی بری طرح ہانپ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی نیم وا سی ہو رہی تھیں۔ انسپکٹر عالی جاہ اپنی دونوں ٹانگیں میز پر دھرے ہوئے کرسی پر بیٹھا ہاتھ میں ایک بڑی سی پلیٹ رکھے بھٹ تیتروں کا سالم پٹھور چبا رہا تھا اور اس کے سامنے والی کرسی پر وڈیرے سالار خان کا منشی جمعہ خان براجمان تھا۔

سپاہیوں کے داخل ہوتے ہی انسپکٹر سمیت منشی جمعہ خان بھی بیک وقت ان کی طرف متوجہ ہوا تو انسپکٹر عالی جاہ پلیٹ میز پر دھرتے ہوئے میر نواز اور احمد نواز سے مخاطب ہو کر سفاکانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہاں بابا اب کیا بولتے ہو وڈیرے سائیں کا "پہاڑا" پڑھو گے یا؟" اس نے تہدیدی انداز میں دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

یکدم دونوں بھائی اپنے کپکپاتے ہاتھ جوڑنے کے انداز میں لرزتی آواز میں بولے۔

"معاف کر دو انسپکٹر سائیں! ہم بھول گئے تھے..... ہم کو..... ہم کو معاف کر دو..... معاف کو دو سائیں۔ ہم کو....."

انسپکٹر عالی جاہ نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ سامنے بیٹھے وڈیرے کے منشی جمعہ خان کی طرف دیکھا اور پھر سپاہیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اڑے بابا! جاؤ ان دونوں کو پانی شانی پلاؤ اور گھنٹے کے بعد رخصت کر دو اور ہاں ان دونوں کو سمجھا دیا ہے کہ یہاں سے باہر جانے کے بعد انہوں نے کیا کہنا ہے؟"

"ہاؤ سائیں سمجھا دیا ہے اچھی طرح۔" پھر ایک سپاہی نے کہا اور پھر جیسے اپنی اہمیت ظاہر کرنے کی غرض سے میر نواز کو ٹھڈا مارتے ہوئے کہا۔ "اڑے بول کیا بولے گا بابا؟"

میر نواز مردنی سے لہجے میں بولا۔ "ہم دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا تھا اسی لئے پولیس نے ہمیں مارا۔"

"شاباش! جاؤ اب۔" انسپکٹر عالی جاہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا پھر فخریہ انداز میں منشی جمعہ خان سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کیوں بابا! کیسی لگی ہماری تواضع داری..... وڈیرے سائیں کو میرا اسلام کہنا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"واہ سائیں واہ..... آپ نے تو کمال کر دیا۔" منشی باچھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ "ان دونوں کو تو آپ نے الٹا پہاڑا پڑھا دیا۔ ویسے آپ اں سائیں وڈا بڑا خوش ہو جائے گا جب میں اسے یہ بتاؤں گا۔ ویسے سائیں وڈا آپ کو اپڑیں اوطاق میں یاد کر رہے تھے..... جشن پاڑیں کا بندوست کر رکھا ہے آپ کیلئے۔"

"اچھا! پھر تو ہم ضرور حاضر ہوں گے۔" انسپکٹر عالی جاہ جلدی سے سیدھا ہوتے ہوئے خوش ہو کر بولا۔ "سائیں کو میرا سلام کہنا اور کوئی خدمت ہو تو مجھے یاد کر لینا۔ ویسے یہ بھٹ تیتر لانے کا شکریہ۔"

"باؤ سائیں برابر..... برابر....." منشی اپنا سر دھنتے ہوئے بولا پھر انسپکٹر عالی جاہ سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

بچل اپنے ساتھی مٹھو کے انجام سے بے خبر ہانپتا کانپتا جب وڈیرے سالار خان کے سامنے پیش ہوا تو بے سدھ ہو کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ وڈیرا سالار خان اپنے چہیتے گماشتے کی یہ حالت دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔ وہ اس وقت تنہا اوطاق میں موجود تھا۔ ابھی ذرا دیر پہلے ہی وہ اپنے دوستوں کو رخصت کر کے فارغ ہوا تھا۔ اس نے دیکھا مٹھو غائب تھا۔

"اڑے اسے کیا ہو گیا ہے..... ہوش میں لا اس کو۔" وڈیرے سالار خان نے اپنے چاکروں سے کہا۔ وہ فوراً بچل کو ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگے۔

"اڑے وسایا! میں حویلی جا رہا ہوں اسے ہوش آ جائے تو مجھے گھنٹے بعد خبر کرنا۔" معاً وڈیرا سالار خان اپنے مونڈھے سے اٹھتے ہوئے ایک چاکر سے بولا۔

"حاضر سائیں وڈا....." چاکر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر مستعدی سے کہا اور پھر وڈیرا سالار خان چہرے پر الجھن لئے اوطاق سے باہر نکلتا چلا گیا۔ یہ اوطاق حویلی سے ملحقہ تھی۔ حویلی قدیم طرز تعمیر کا نمونہ تھی جس کے سامنے ایک وسیع احاطہ تھا جہاں ذرا فاصلے پر آٹھ آٹھ فٹ کے آہنی پولوں پر گلوب روشن تھے۔ احاطے کے ایک جانب پرانے ماڈل کی بڑی سی جیپ بھی کھڑی تھی..... چند اصیل نسل کے گھوڑے بھی بندھے ہوئے تھے۔

وڈیرا چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا ہوا حویلی کے اندر داخل ہوا۔ ایک تاریک راہداری سے گزرتے وقت اچانک بازو کے ایک کمرے سے اسے نسوانی سسکیوں کی آواز آتی سنائی دی۔ وہ ایک لمحے کو رکا اور پھر کمرے کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا' سامنے ایک بڑی سی قدیم طرز کی مسہری پر ایک پختہ العمر عورت کو روتے دیکھ کر بولا۔ "نوراں..... تو ابھی تک جاگ رہی ہے؟"

اس کی بات سن کر نوراں نامی اس عورت نے ایک نگاہ غم وڈیرے سالار خان کی طرف ڈالی پھر مسہری سے اٹھنے لگی تو وڈیرے کو اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی فریم شدہ تصویر نظر آ گئی۔ یہ اس کی بیٹی سومری کی تھی اور وہ نوراں' سالار خان کی بیوی اور سومری کی ماں تھی۔

"سائیں ..... میرے نصیب میں اب صرف جاگنا ہی تو باقی رہ گیا ہے۔" وڈیرے سالار خان کی بیوی نوراں نے انتہا غم سے بوجھل لہجے میں کہا۔ تصویر ہنوز اس کے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی۔ وڈیرے سالار خان کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ اپنے غصے کو دبائے ہوئے تھا لیکن اپنی بیوی کی بات پر اس کے اندر کا ابال بے اختیار باہر آ گیا۔ وہ قدرے درشت لہجے میں چند قدم آگے بڑھ کر بولا۔ "نوراں..... یہ کیا بچکانہ پن ہے' تمہیں اب یہ روش چھوڑنی ہو گی۔ تمہیں معلوم ہے پہلے ہی میری عزت تماشا بن کر رہ گئی ہے۔"

"مگر سائیں..... تم نے تو میری معصوم بچی کا قتل کر کے اپنی عزت کا مینارہ بلند کر لیا ہے۔ اب کونسی کسر باقی رہ گئی ہے۔" نوراں نے آنسو پونچھتے ہوئے شوہر سے کہا تو سالار خان کو اس کے غم زدہ لہجے میں چھپے طنز کی کاٹ صاف محسوس ہوئی تھی۔ یہی سبب تھا کہ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ غصے میں آ گیا پھر آگے بڑھ کر بیوی کے ہاتھ سے تصویر کھینچ کر دور اچھال دی جس سے شیشے کا فریم پختہ فرش پر گر کر چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

"تم بہت بکواس کرنے لگی ہو..... سومری کی اگر تم نے صحیح تربیت کی ہوتی تو آج یہ دن ہمیں نہیں دیکھنے پڑتے..... وہ اسی قابل تھی کہ اس کے ٹکڑے کر دیئے جاتے۔" وڈیرا سالار خان غصے کی شدت سے کانپنے لگا۔

اس کی غیظ آلود نظریں نوراں پر جمی ہوئی تھیں۔ شیشے کے ٹوٹے ہوئے فریم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی کرچیاں حزن و ملال کی تصویر بنی نوراں کی زخمی سماعتوں کو چھلنی کر گئیں اور وہ بے اختیار آگے بڑھ کر جھکتے ہوئے جب ٹوٹا ہوا فریم اٹھانے لگی تو اچانک وڈیرے سالار خان نے آگے بڑھ کر اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ نوراں بیچاری نے جھکے جھکے ہی شوہر کے پاؤں پکڑ لئے۔ وہ آہ و فغاں کرتے ہوئے غم سے چور لہجے میں بولی۔ ''ایسا ظلم نہ کر سائیں! تیرے کو اللہ سائیں کا واسطہ۔ کیا..... کیا مجھ سے تم..... تم رونے کا حق بھی چھین لو گے' مرشد سائیں کا واسطہ اپنا پاؤں ہٹاؤ۔''

''ہرگز نہیں.....'' وڈیرے سالار خان کا غصہ دوچند ہی ہوا جا رہا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اس پر بیوی کی داد فریاد کا مطلق اثر نہ ہوا اور وہ اس ٹوٹے ہوئے فریم کو مزید اپنے پاؤں تلے رگڑنے لگا۔

نوراں کے حلق سے ہچکیوں کی آوازیں اب آہ و فغاں میں بدلنے لگیں۔ ٹھیک اسی وقت کمرے میں آہٹ ابھری۔ وڈیرے سالار خان نے گردن موڑ کر آواز کی سمت دیکھا اور قدرے گڑبڑا سا گیا۔ سامنے اس کا جوان بیٹا رحمت اللہ خان موجود تھا۔ اونچا' لانبا قد' گندمی رنگ' گھنگریالے بال' بڑی بڑی چمکدار آنکھیں اور ان آنکھوں میں ہر سے ہلکورے لیتی ہوئی گم صم سی بے نام اداسی..... پچیس سالہ رحمت اللہ خان کے چہرے پر قدرے ناگواری کے آثار تھے۔ وہ یک ٹک اپنے باپ سالار خان کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کی نظروں میں جانے ایسا کیا تھا کہ سالار خان خاموشی سے' مگر غصے سے دانت پیستا ہوا کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

باپ کے کمرے سے نکلتے ہی رحمت اللہ خان فوراً آگے بڑھا اور انتہائی ملائمت کے ساتھ ماں کو تھام کر مسہری کی طرف لے آیا۔ اس نے اپنی مرحوم بہن سومری کی تصویر بھی اٹھالی تھی۔

''امڑ گودی..... یہ تصویر کیا بابا سائیں نے؟'' ماں نے آنسوؤں بھرا چہرہ خاموشی سے اثبات میں ہلا دیا۔

''تو فکر نہ کر میں پھر دوبارہ ادی سومری کی تصویر شہر سے فریم کروا کر لا دوں گا۔'' رحمت اللہ خان نے ماں کو تسلی دی۔

''نا پٹ نا..... تیرا بپو پھر ناراض ہو جائے گا۔'' اس کی ماں نے انکار میں سر

ہلاتے ہوئے کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا آخر بابا سائیں کو اب بھی چین نہیں آتا..... اب کیا وہ ہمیں بھی قتل.....''

''شش..... ایسا مت کہہ پٹ! میرا دل ہولنے لگتا ہے..... ایسا مت کہہ۔'' یہ کہتے کہتے نوراں اپنا سینہ پکڑ کر رہ گئی اور اس کی آنکھیں چڑھنے لگیں۔ سارا چہرہ پسینے سے تر ہونے لگا رحمت اللہ خان' ماں کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا اور چلا کو نوکر چاکروں کو آواز دے ڈالی۔

''اڑے کادو..... خیرن..... سکھاں..... خیرو..... کدھر مر گئے ہوڑے سب۔''

آن کی آن میں وہاں نوکروں کی فوج ظفر موج جمع ہو گئی۔ دو عورتوں نے نوراں کو سنبھالا۔

رحمت اللہ خان نے جلدی سے قریب دراز کے اندر سے گولیوں کی ایک چھوٹی شیشی نکال کر اس میں سے دو گولیاں آدھے گلاس پانی میں گھول کر گلاس ماں کے لبوں سے لگا دیا۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں سانس لے رہی تھی۔ رحمت اللہ خان کو اپنی ماں سے بہت محبت تھی..... یہی نہیں وہ اپنی بہن سومری سے بھی بہت پیار کرتا تھا۔ سومری اس سے ایک سال ہی تو بڑی تھی۔ حویلی کی تاریخ میں جب مزید ایک روایت کا اضافہ ہوا تو اس کے در و دیوار دہل کر رہ گئے تھے۔ سومری کو اس کے باپ سالار خان نے کلہاڑیوں کے وار کر کے ہلاک کر ڈالا تھا۔ ماں سکتے کی حالت میں آ گئی بعد میں رحمت اللہ خان نے شہر لے جا کر ماں کا علاج کروایا تھا تب کہیں جا کر اس کی حالت کچھ سنبھلی تھی تب سے بیٹے کا دل باپ کی طرف سے کھٹا ہو چکا تھا۔

نوراں کی حالت اب خاصی سنبھل چکی تھی۔ کمرے میں اب صرف سکھاں اور خیرن نامی ملازمائیں رہ گئی تھیں۔ سومری کی تصویر مسہری کے سرہانے ہی رکھی ہوئی تھی اور کسی کی نگاہ اس تصویر پر ابھی تک نہیں پڑی تھی ورنہ ایک بے جان تصویر کی آنکھوں سے لگی آنسوؤں کی بہتی جھڑی کو دیکھ کر یقیناً ان کی عجیب حالت ہو جاتی۔

☆.....☆.....☆

''بابا سائیں..... آپ نے امڑ گودی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ آپ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ بیمار ہیں۔'' ماں کی حالت قدرے سنبھلنے کے بعد رحمت اللہ خان اپنی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پرتپش کیفیات پر قابو پاتا ہوا سیدھا اپنے باپ کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

وڈیرے سالار خان نے گرم نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے جوان بیٹے سے الجھنے کی کم ہی کوشش کرتا تھا لیکن اس بار بیٹے کے ناگوار لہجے پر وہ بھی بھڑک اٹھا مگر پھر بس ضبط کا دامن تھامتے ہوئے قدرے برہمی سے بولا۔ ”یہ سارا تمہارا قصور ہے، جب تم جانتے ہو کہ میں سومری سے متعلق اس حویلی میں نہ کوئی تذکرہ پسند کرتا ہوں اور نہ ہی اس کی کوئی تصویر..... پھر تم نے کیوں سومری کی تصویر ماں کو بنوا کر دی تھی۔ اس طرح تو وہ اور بھی سارا سارا دن پڑی روتی رہتی ہے۔“

باپ کی بات سن کر بیٹے کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری اور وہ باپ کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولا۔

”بابا سائیں..... آپ کو شاید معلوم نہیں امڑ گودی کا سکتہ ادی سومری کی تصویر دیکھ کر ہی ٹوٹا تھا۔“

”تم دونوں ماں، بیٹا میری ایک بات کان کھول کر سن لو میرے سامنے سومری کا کوئی ذکر، کوئی تصویر نہ آئے، وہ مر چکی ہے اور میرے لئے جیسے پیدا ہی نہیں ہوئی تھی..... سمجھے.....؟“ یہ کہہ کر وڈیرا سالار خان غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے جانے لگا تو اچانک اس کے کانوں سے بیٹے کی آواز ٹکرائی۔ ”بابا..... ادی سومری مری نہیں..... اسے آپ نے قتل کیا تھا۔“

”رحمت اللہ! تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔“ باپ کو بھی جیسے غصہ آ گیا۔

”حد تو آپ نے ختم کر کے رکھ دی ہے بابا سائیں..... ادی سومری کا قتل کر کے۔“

”رحمت اللہ.....“ باپ عالم غیظ میں زور سے دھاڑا۔ اس کی شعلے برساتی آنکھیں بیٹے کے چہرے پر جم کر رہ گئیں تب ایسے میں منشی جمعہ خان نجانے کہاں سے آن دھمکا اور سالار خان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ رحمت اللہ کے چہرے پر بھی غم و غصے کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”سائیں وڈا..... جوان اولاد سے ناہی الجھنا چاہئے۔“ منشی جمعہ خان نے

وڈیرے سالار خان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ اسے اسی وقت اوطاق میں لے آیا تھا اور ٹھنڈے پانی کے دو گلاس پلانے کے بعد اس سے بولا تھا۔ وڈیرے سالار خان کے چہرے پر ہنوز برہمی کے آثار تھے۔ وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اپنی انگارہ آنکھوں کو گردش دیتے ہوئے بولا۔ ”منشی! میں تو بہت کوشش کرتا ہوں کہ اس سے میرا ٹاکرا نہ ہو مگر آج اس نے حد ہی کر دی۔“ پھر جیسے وہ اپنے آتش غیظ پر قدرے قابو پاتے ہوئے جمعہ خان سے بولا۔ ”تو بتا یہ بچل ہوش میں آیا..... اس نے کچھ بتایا؟“

”نہیں سائیں وڈا اس پر تو لمبی بیہوشی طاری ہے۔“ منشی نے بتایا۔

”وہ جیسے ہی ہوش میں آتا ہے تو چڑیل..... چڑیل..... کہہ کر دوبارہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔“

اس کی بات سن کر وڈیرے کی گھنی بھنوؤں تلے موٹی موٹی ابھری ہوئی آنکھوں میں الجھن سی تیرنے لگی پھر وہ ایک گہری ہنکاری بھر کر بولا۔

”مٹھو کا کیا بنا..... وہ بھی تو اسی کے ساتھ گیا تھا۔“

”اس کا بھی ابھی کچھ پتہ نہیں چل سکا سائیں بھوتار ویسے میں نے آدمیوں کو اس کی تلاش کیلئے دوڑا دیا ہے۔ آپ کو نیند آ رہی ہے تو آپ جا کر سو جاؤ سائیں..... صبح تک ساری تفصیل پتہ چل جائے گی۔“

”نہیں منشی.....“ وڈیرا اچانک منشی کی بات سن کر گونجدار لہجے میں بولا۔ خلا میں غیر مرئی نقطے کو گھورتی ہوئی اس کی آنکھوں میں آتش انتقام کے شعلوں کی تپش تھی۔ ”جب تک میں محمد ملوک کو اپنے ہاتھوں سے کتے کی موت نہ ماروں تب تک مجھ پر سکون حرام ہے منشی! مجھ پر نیند حرام ہے۔ جا میرل سے کہہ کہ بوتل اور سوڈے کا بندوبست کرے۔“

منشی جمعہ خان وڈیرے کی لخت لخت بدلتی شعلہ فشاں کیفیت پر لرز گیا پھر دوسرے ہی لمحے وہ جیسے کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”سائیں وڈا..... ایک بات کہوں؟“

”ہاں بولو۔“

”سائیں وڈا مجھے تو لگتا ہے یہ بھٹ سائیں ہی محمد ملوک ہے۔“

☆.....☆.....☆

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

منشی جمعہ خان کی بات سن کر وڈیرے سالار خان نے ایک لمحے کو اس کی طرف گھور کر دیکھا پھر چونک کر بولا۔ ”یہ کیا کہہ رہا ہے ڑے تو‘ تجھے کیسے پتہ چلا؟“

”ہاؤ سائیں..... بس مجھے اس پر کچھ ایسا ہی شک ہے۔“ منشی جمعہ خان نے گول عدسوں والی عینک کے عقب میں الوؤں کی طرح اپنے دیدے گھماتے ہوئے کہا۔

”اڑے شک تو مجھے بھی ہے اسی لئے تو میں نے مٹھو اور بچل کو اس کے پیچھے لگا رکھا ہے۔ یقین کی بات کر..... کوئی ثبوت ہے بھی تیرے پاس.....؟“

اب بے چارہ منشی گڑبڑا سا گیا اور احمقوں کی طرح بغلیں جھانکنے لگا مگر پھر دوسرے ہی لمحے پرخیال لہجے میں بولا۔ ”سائیں وڈا..... فرض کرو اگر یہی بھٹ سائیں محمد ملوک نکلا تو..... تو کیا.....“

”وڑے تو کیا..... میں اسی وقت اس کے کلہاڑی سے ٹکڑے کر دوں گا بابا.....“ وڈیرا ایک دم چراغ پا ہو کر بولا۔

”لل..... لیکن سائیں.....“ منشی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ”وہ..... وہ..... تو اب پورے گوٹھ کے لوگوں کیلئے مرشد کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔“

وڈیرا ایک دم طیش کے مارے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور منشی جمعہ خان کی طرف قہر بار نظروں سے گھورنے لگا۔ جمعہ خان کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی تاہم وہ ہاتھ جوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وڈیرا غصے میں بھنا ضرور گیا تھا مگر اس کی گھنی مونچھوں میں چھپے ہوئے ہونٹ اندرونی ابال سے کانپنے لگے تھے اور نتھنے بھی پھول پچک رہے تھے۔

”سس..... سائیں..... غلطی ہو گئی..... دراصل میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اگر

ہی نامراد محمد ملوک ہے تو اسے ختم کرنے کا ہمیں کک..... کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈنا ہو گا۔“ وڈیرے کو غیظ و غضب کے عالم میں پا کر منشی جمعہ خان نے گھگھیاتے ہوئے گویا اپنی گلوخلاصی کرنے کی غرض سے اصل بات کہہ ڈالی۔ وڈیرا اس کی بات سن کر پھٹ پڑا۔

”اڑے بابا! تو ہم کیا کسی سے ڈرتے ہیں..... ہم خود گوٹھ والوں کو اس بھٹ سائیں کا اصل چہرہ دکھا کر سب کی آنکھوں کے سامنے ”کارو“ کر کے عبرتناک موت ماریں گے۔ آخر کو اس خبیث انسان نے ہماری عزت کو روندا ہے‘ اگر کسی نے میرے آگے آنے کی کوشش کی تو اسے بھی نہیں چھوڑوں گا میں۔“

فرط غیظ سے وڈیرے کا وجود کپکپانے لگا تھا۔ آنکھوں سے قہر و غضب کی چنگاریاں پھوٹنے لگی تھیں۔ وہ بار بار اپنی ابلتی کھولتی کیفیات پر بمشکل قابو پانے کیلئے اپنے ہاتھ کی مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

منشی جمعہ خان کی تو جان نکلی جا رہی تھی مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وڈیرا جب اپنے اشتعال انگیزی پر قابو پا لے گا تو بالآخر اسی کی بات کو ہی فوقیت دے گا اس لئے دست بستہ ہاتھ جوڑے اس کے آتش غیظ کے سرد ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

وڈیرے کی خاموشی کے بعد جب وڈیرے کا پارہ اترنے لگا اور وہ اپنے مخصوص مونڈھے پر براجمان ہو گیا تو پھر ایک گہری سانس خارج کر کے قدرے معتدل لہجے میں منشی سے بولا۔

”اڑے بابا! بول کوئی بات سمجھانا چاہتا ہے میرے کو.....؟“

منشی جمعہ خان اسی بات کا منتظر تھا فوراً بولا۔ ”ہاؤ سائیں..... میرا مطلب تھا سائیں اگر یہ بھٹ سائیں جس پر مجھے شک ہے کہ وہ محمد ملوک ہی ہے تو اسے ختم کرنے کا ہمیں کوئی اور طریقہ سوچنا پڑے گا۔“

”کھل کر بول ذرا.....“ وڈیرا کھرکھراتی آواز میں بولا۔

”سائیں..... اگر یہ بھٹ سائیں واقعی محمد ملوک ہے تو اس نے بڑی مکاری اور چالاکی سے اس دنیا سے بیزار فقیر کا روپ دھارا ہے..... یہی نہیں گوٹھ اور آس پاس کے ”ت“ کے علاقوں کے لوگوں کو بھی اس نے اپنا معتقد بنا لیا ہے۔ اگر ہم نے اس پر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سیدھی کارروائی کرتے ہوئے اسے قتل کرنا چاہا تو لوگوں میں ہمارے خلاف نفرت اور اشتعال پھیلے گا۔ میں چاہتا ہوں ہم یہ کام نہایت راز داری سے کرتے ہوئے اس کا پتہ صاف کر ڈالیں۔"

منشی جمعہ خان نے اپنی بات ختم کی تو وڈیرا اپنے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے پرخیال لہجے میں بولا۔ "ہوں..... بات تو تیری بارہ آنے درست ہے لیکن ایک بات منشی....."

"حکم کرو سائیں۔"

"یار! یہ بھٹ سائیں بھلا محمد ملوک کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ مردود تو اپنا منہ کالا کرکے اسی روز روپوش ہو گیا تھا جب ہم نے اپنی دھی سومری کو قتل کیا تھا پھر بھلا یہ دوبارہ یہاں کیا لینے آئے گا سوائے اپنی موت کو دعوت دینے کے....."

"ہا سائیں..... یہی تو بات مجھے بھی الجھی ہوئی لگتی ہے۔"

"کم بخت یہ مٹھو اور بچل بھی کسی کام کے نہیں..... اتنے دن گزر چکے ہیں ابھی تک ان دونوں نے بھٹ سائیں کے بارے میں کوئی کھوج نہیں لگایا ہے..... پتہ نہیں کس چکر میں پڑ چکے ہیں..... مٹھو غائب ہے..... بچل کی دماغی حالت خراب ہو چکی ہے..... پتہ نہیں کیا کہانی ہے۔" وڈیرے نے الجھن آمیز پریشانی کے ساتھ کہا۔ منشی جمعہ خان خاموش نظروں سے وڈیرے کا چہرہ تکنے لگا۔

☆.....☆.....☆

"سائیں وڈا قہر ہو گیا۔"

"سائیں..... وہ..... وہ باہر....."

"اڑے بولتا کیوں نہیں ہے بابا ہوا کیا ہے.....؟" وڈیرے کو بالآخر اپنے اس چاکر پر غصہ آ گیا۔

یہ صبح کا وقت تھا اور وڈیرا حویلی سے سیدھا اوطاق میں آ بیٹھا تھا..... ایک طرف منشی جمعہ خان رجسٹر گود میں رکھے کچھ حساب کتاب میں مصروف تھا۔

وڈیرا زیادہ وقت اوطاق میں ہی گزارتا تھا اور ادھر ہی مہمان لوگوں اور ہاریوں وغیرہ کے معاملات سنا کرتا تھا۔ اس چاکر کی طرف اب منشی جمعہ خان بھی چونکے

ہوئے متوجہ ہو گیا تھا۔

"سائیں! وہ مٹھو....."

"کیا ہوا..... آ گیا وہ..... کدھر گیا تھا؟ بلا ذرا اندر میں خبر لوں اس کی....."

"سس..... سائیں! وہ تو نہیں آیا اس کی لاش آئی ہے۔"

"کیا بکتا ہے ڑے تو!"

"سس..... سائیں! میرا مطلب ہے مٹھو کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ وڈیرا ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی برماتی نظریں چاکر پر جم کر رہ گئیں۔ وڈیرے کو جیسے چاکر کی بات پر یقین نہیں آیا لہٰذا وہ اسے کچھ کہے بغیر گھورتا ہوا اوطاق سے باہر نکلا..... سامنے نگاہ پڑتے ہی بری طرح ٹھٹکا۔ سامنے چھپر نما بڑے سے سائبان تلے ایک کھری چارپائی پر مٹھو کی خون میں لت پت لاش پڑی ہوئی تھی۔

چارپائی کے گرد وڈیرے کے آدمی مغموم صورتوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس کے عقب میں منشی جمعہ خان بھی دوڑا چلا آیا تھا۔ سامنے نظر پڑتے ہی اس کے ہاتھ سے رجسٹر چھوٹ گیا۔

"اڑے بابا! یہ کس کی اتنی جرات ہوئی میرے آدمی کو لٹانے کی۔" وڈیرا گرجدار لہجے میں دھاڑا۔ جواباً لوگوں کے چہروں پر سناٹا چھایا رہا۔ گوٹھ کے دیگر لوگوں کا بھی وہاں مجمع لگتا جا رہا تھا۔

"اڑے کوئی بتاتا نہیں ہے مجھے..... کس نے اپڑیں موت کو آواز دی ہے' میرے آدمی کا خون کر کے.....؟"

وڈیرے کے دوبارہ دھاڑنے پر ایک آدمی نے کپکپاتے لہجے میں بتایا۔

"کس..... سائیں وڈا! ہمیں معلوم نہیں..... مٹھو کی لاش ہمیں قبرستان سے ملی ہے' میرو گورکن نے ہمیں اطلاع دی تھی۔"

"منشی....."

"حاضر سائیں وڈا....." منشی جمعہ خان باریک تار کی طرح جھنجھنا کر لرزیدہ آواز میں بولا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اڑے اسی وقت قادرے کھوجی کو قبرستان بھیج..... وہ کھرا (پیر کے نشانات) ڈھونڈے۔" وڈیرے سالار خان نے غصے سے پھنکتے ہوئے کہا۔

"برابر سائیں وڈا..... میں ابھی جاتا ہوں۔" منشی جمعہ خان یہ کہہ کر دوڑا۔

اس کے بعد وڈیرے نے آگے بڑھ کر چارپائی پر پڑی مٹھو کی لاش کو دیکھا۔ اس کا گلا کٹا ہوا تھا' صاف نظر آ رہا تھا کہ مٹھو کے گلے پر تیز دھار آلے سے چیرا لگایا گیا ہے۔

"اڑے کادو..... اس کے کفن دفن کا بندوست کر..... بابا ٹکڑا (جلدی)" وڈیرے نے قریب کھڑے اپنے ایک آدمی سے کہا تو وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولا۔

"سس..... سائیں وڈا! اس کی تھانے رپٹ؟"

"اڑے بھاڑ میں گیا تھانہ..... یہ ہمارا معاملہ ہے پولیس کا کام نہیں..... ہم خود اس سے نمٹے گا۔" وڈیرے نے قہر آلود لہجے میں کہا اور پھر دوبارہ کادو نامی شخص کو کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی اور اس نے اسی وقت لاش کو اٹھوانے کا کہا اور وڈیرا غصے میں مٹھیاں بھینچتا ہوا اوطاق میں آ گیا۔

☆.....☆.....☆

گوٹھ تھا ہی کتنا بڑا..... محض چند سو نفوس لہٰذا مٹھو کے بہیمانہ قتل کی خبر آگ کی طرح آناً فاناً پھیل گئی چونکہ قتل کی یہ خبر ہاری میر محمد کے قتل کے دو روز بعد ہی کا سانحہ تھا اس لئے افواہوں نے اشتعال انگیزی کو مزید ہوا دی اور لوگوں نے مٹھو کے قتل کے ڈانڈے ہاری میر محمد کے قتل سے ملا دیئے۔

چند عجیب و غریب افواہیں یہ بھی گردش کرنے لگی تھیں کہ مٹھو کالا جادو کرنے کی غرض سے قبرستان گیا تھا اور وہاں کسی بدروح نے غصے میں آ کر اس کا گلا کاٹ ڈالا تھا کیونکہ مٹھو کی لاش ایک شکستہ قبر کے اندر سے ملی تھی۔

مٹھو کی تدفین ہو چکی تھی۔ قادر بخش المعروف قادرے کھوجی نے اسی وقت کھرا اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر حیرت انگیز طور پر وہ ناکام ہو گیا تھا حالانکہ اس کا یہ جدی پشتی پیشہ تھا اور اس کیلئے یہ بات مشہور تھی کہ یہ تو زمین پر رینگتی چونٹیوں کی قطاروں کے نشانات دیکھ کر ان کے سوراخوں کا پتہ لگا لیتا تھا کہ چونٹیوں کی کون سی قطار کس سوراخ

میں داخل ہوئی ہے۔

اپنی اس ناکامی پر وہ خود بھی حیران تھا حتیٰ کہ وہ اپنی اس ناکامی سے اس قدر دلبرداشتہ اور شرمسار ہوا کہ اس نے یہ پیشہ ہمیشہ کیلئے ترک کر دینے کی قسم کھا لی۔

☆.....☆.....☆

"سائیں بھوتار..... یہ کام ان دونوں بھائیوں کا ہی ہو سکتا ہے..... انہوں نے اپنے باپ میر محمد کے قتل کا پلاند (بدلہ) لیا ہے۔" مٹھو کی تجہیز و تکفین کے چند گھنٹوں کے بعد منشی جمعہ خان سرگوشیانہ لہجے میں وڈیرے سالار خان سے کہہ رہا تھا۔ اس وقت ان دونوں کے سوا اور کوئی اوطاق میں موجود نہ تھا۔

"ہوں....." اس کی بات سن کر رلی بچھی چارپائی پر نیم دراز وڈیرے سالار خان نے ایک لمبی اور پر رعونت ہنکاری بھری۔

"اگر یہ درست ہے تو میں ان دونوں بھائیوں کو خونخوار اونٹوں کے طویلے میں پھینک دوں گا۔" وڈیرے نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "مگر منشی میرا دل نہیں مانتا کہ ایسی جرات یہ دونوں بھائی کر سکتے ہیں۔"

"سائیں بھوتار! سچ پوچھو تو میرا دل بھی نہیں مانتا کہ میر نواز اور احمد نواز بدلہ لینے کی خاطر ہمارے مٹھو جیسے خاص ماڑوں (آدمی) کا بھی خون کر دیں۔" منشی نے پرسوچ لہجے میں کہا پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

"سائیں! اگر یہ بچل کچھ بتانے کے قابل ہو جائے تو ہو سکتا ہے کچھ پتہ چل سکے کہ مٹھو کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا کیونکہ یہ دونوں آپ کے حکم کے مطابق بھٹ سائیں کی ٹوہ لینے میں مصروف تھے۔"

"منشی! پہلے مجھے یہ بتا کہ ہمارے کس آدمی نے ہاری میر محمد کو ٹھکانے لگایا تھا؟" وڈیرے نے دھیمی آواز میں کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"پریل نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا سائیں....." منشی نے بھی ہولے سے کہا۔

ابھی منشی نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ایک چاکر نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"سائیں بھوتار! وہ تھانے دار صاحب آئے ہیں۔"

اس اطلاع پر وڈیرے نے قدرے چونک کر منشی کی طرف دیکھا۔ منشی جمعہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خان وڈیرے کو چونکتے دیکھ کر فوراً سرگوشیانہ انداز میں وڈیرے سے بولا۔

"سائیں..... مٹھو کے قتل کا الزام دونوں بھائیوں پر ہی تھوپنا۔"

وڈیرے نے معنی خیز انداز میں دھیرے سے اپنے سر کو جنبش دی اور چاکر کی طرف دیکھتے ہوئے مخصوص انداز میں اپنا سر ہلا دیا۔ وہ اشارہ سمجھ کر واپس پلٹ گیا۔

پھر اگلے ہی لمحے متعلقہ تھانے کا انچارج انسپکٹر عالی جاہ ہاتھوں کے انگوٹھوں سے اپنی پتلون کو اوپر کھینچتا ہوا اندر داخل ہوا اور پھر نیاز مندانہ انداز میں وڈیرے کو سلام کر کے بولا۔ "اپڑیں مان وارے (معزز) سائیں کے سر کی خیر ہووے..... سلام سائیں۔"

"بسم اللہ بابا..... بسم اللہ! بھلی کرے آیو۔" وڈیرے سالار خان بھی اپنی بان کی چوڑی چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر معانقے کے بعد وڈیرے نے سامنے موڑھے پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اڑے بابا! یہ کیا ہو گیا..... ہمارے ہیرے جیسے یار مٹھو کو ان دونوں بھائیوں نے بیدردی سے قتل کر دیا۔" وڈیرے نے شکایتی لہجے میں بات شروع کی۔

"سائیں..... میں نے تو ان دونوں کو تھانے میں بڑی پھینٹی شینٹی لگائی تھی اور اپڑیں باپ کے قتل کے سلسلے میں آپ کے نام کا پہاڑا ہی بھلا دیا تھا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"دیکھ لے بابا انہوں نے بدلہ لے لیا..... وہ بھی ہم سے یعنی وڈیرے سالار خان سے....." وڈیرے کے لہجے میں رعونت آمیز خفگی تھی۔

"وڈیرا سائیں..... آپ سے ایک غلطی ہو گئی۔" انسپکٹر عالی جاہ نے گویا اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے وڈیرے سے کہا۔

وڈیرا پھیلی ہوئی آنکھوں سے انسپکٹر کو گھورتے ہوئے مستفسر ہوا۔ "اڑے بابا کیسی غلطی.....؟"

"سائیں آپ نے تھانے بغیر رپورٹ لکھائے مٹھو کی تدفین کر ڈالی۔ اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں کروایا؟" وڈیرا اس کی بات سن کر شاہانہ انداز کے ساتھ بولا۔ "اڑے بابا انسپکٹر صاحب! یہ سارا اپنا علاقہ ہے ہم نے سوچا پولیس کو زحمت نا ہی دیں۔"

"سائیں..... یہ آپ ہی کیلئے بہتر تھا۔ اس طرح آپ کی قانونی پوزیشن بہتر ہو سکتی تھی۔"

"اڑے بابا تو جو اپڑاں یار ہے..... اب بھی تو میر نواز اور احمد نواز کے خلاف چالان درج ہو سکتا ہے۔" وڈیرے نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر قریب بیٹھے ہاتھیں پھیلائے منشی جمعہ خان سے بولا۔ "اڑے منشی....."

"حاضر سائیں وڈا....."

"اڑے جا بابا اپڑیں انسپکٹر صاحب کیلئے کچھ "چاں پاڑیں" کا بندوست کر۔"

"ہا سائیں برابر..... ابھی گیا۔"

"سائیں..... اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔" منشی کے کمرے سے نکلتے ہی انسپکٹر عالی جاہ نے چندی چندی آنکھوں سے وڈیرے کی طرف دیکھ کر اوپری دل سے کہا ورنہ "چاں پاڑیں" کے نام سے اس کی توند میں لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وڈیرے کی "چاں پاڑیں" کس نوعیت کی ہوتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد منشی واپس آیا تو اس کے عقب میں دو چاکر ہاتھوں میں دو ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئے..... ایک ٹرے میں وائن کی بوتل اور دو پیگ دھرے تھے جبکہ دوسری دھواں اڑاتی ٹرے میں بھٹ تیتروں کے سالم پھور رکھے ہوئے تھے جن کی اشتہا انگیز خوشبو نے حرام خور انسپکٹر عالی جاہ کی توند میں کھلبلی مچا دی اور وہ ٹرے پن سے ان لوازمات کی طرف دیکھنے لگا۔

دونوں ڈشیں انسپکٹر عالی جاہ کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پر رکھ دی گئیں۔

انسپکٹر عالی جاہ نے جھپٹ کر پہلے وائن کی بوتل سے ایک پیگ اپنے لئے بنایا اور دوسرا وڈیرے کیلئے اور پھر ایک وڈیرے کی طرف بڑھایا تو وڈیرا کسر نفسی سے بولا۔

"اڑے..... ڑے بابا..... انسپکٹر صاحب! آپ کیوں تکلیف کرتے ہو؟"

"تکلیف کیسی سائیں..... ویسے میں ذرا ہارڈ پیگ پیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے پیگ کی چسکی بھری۔

"ہاں بابا تو پھر آج ہی چالان بنا لو ان دونوں بھائیوں کے خلاف بلکہ میں تو کہتا ہوں ان دونوں کے ابھی اور اسی وقت گرفتاری کے احکامات جاری کر دو۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"حاضر سائیں! ایسا ہی ہوگا..... آپ کیوں فکر کرتے ہو۔" انسپکٹر نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے سعادت مندی سے کہا اور وڈیرا معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سر کو اوپر نیچے جنبش دینے لگا۔

☆.....☆.....☆

سائیں کوڑیل شاہ جب سے بھٹ سائیں کی جھونپڑی سے خوف زدہ ہو کر دم دبا کر بھاگا تھا تب سے اس کی حالت عجیب ہو گئی تھی مگر ساتھ ہی وہ اندر سے خوش بھی تھا..... اس پراسرار واقعے نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں اور آئندہ کیلئے اس کی راہیں کھول دی تھیں چونکہ وہ خود سفلی علوم اور کالا جادو سیکھنے کا خواہاں تھا اس کیلئے اس نے طویل اور کڑی ریاضتیں بھی کی تھیں اور راتوں کو وہ سفلی علوم کے حصول کی خاطر اطراف کے گوٹھوں کے مختلف قبرستانوں اور ویرانوں کی خاک بھی چھانا کرتا تھا..... ان سفلی علوم کے ذریعے زیادہ تر بھٹکی ہوئی روحوں کو قابو کرنے اور ان سے مرضی کے مطابق کام لینا ہوتا تھا۔

وہ اپنے تئیں خوش تھا کہ آج اس نے بھٹ سائیں کی جھونپڑی میں جا کر بڑا پالا مارا تھا۔ ایک اہم اور پراسرار راز اس کی آنکھوں کے سامنے آشکارا ہوا تھا۔ بھٹ سائیں کو بھی اپنی ہی طرح سفلی علم کا گرویدہ سمجھنے لگا تھا جس نے ایک حسین و جمیل لڑکی کی روح کو قابو کر رکھا تھا اور روح بھی کس کی..... وڈیرے سالار خان کی بڑی بیٹی سومری کی۔

سائیں کوڑیل شاہ نے سومری کے باپ کے ہاتھوں قتل ہونے سے پہلے سومری کو وڈیرے کی حویلی میں ہی دیکھا تھا۔ جب ایک دن وڈیرے کا آدمی اسے حویلی بلانے آئے تھے۔ سومری کو اس وقت دورے پڑا کرتے تھے اور اسے (سائیں کوڑیل کو) سومری کا جن بھگانے کیلئے بلایا گیا تھا۔ اس لئے آج جب سائیں کوڑیل نے بھٹ سائیں کی جھونپڑی میں وڈیرے سالار خان کی مقتول بیٹی سومری کی روح کو دیکھا تو اسے فوراً پہچان گیا مگر اب اسے اپنے آپ پر شدید غصہ آ رہا تھا کہ وہ اتنا بزدل کیوں ثابت ہوا تھا کہ خوف زدہ ہو کر بھاگ آیا۔ اسے سومری کی بدروح کے سامنے ڈٹ جانا چاہئے تھا۔

اب کوڑیل کو اس بات کا پورا یقین ہو چلا تھا کہ بھٹ سائیں صرف دکھاوے کا پیر فقیر بنا ہوا ہے ورنہ درون خانہ اس کی حقیقت سفلی علوم کے ماہر کی سی تھی۔ اسی لئے وہ کسی کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا تھا مبادہ اس کے راز سے لوگ واقف نہ ہو جائیں۔

"پیر سائیں..... آپ نے تو کمال کر دیا..... ویسے اب تو آپ کو ہماری بات کا یقین آ گیا ہو گا ناں کہ ہم نے بھٹ سائیں کی جھونپڑی کے آس پاس جس خوبصورت عورت کو دیکھا تھا وہ ایک روح ہی تھی۔" اس کے سامنے بیٹھے دونوں چیلوں اربیلو اور مگو میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں یہ بات واقعی صحیح ہے..... تم نے بالکل ٹھیک کھوج لگایا تھا۔" سائیں کوڑیل کو اپنے دونوں چیلوں کی بات رکھنی ہی پڑی جس کے بعد اربیلو اور مگو اپنی تعریف سے اکڑ گئے۔

"سائیں اور کوئی حکم ہو تو بتاؤ؟"

"یار! ایک بات سمجھ میں نہیں آتی یہ بھٹ سائیں آخر ہے کون اور کہاں سے آیا ہے؟" سائیں کوڑیل خلا میں کسی غیر مرئی نقطے پر اپنی پرسوچ نظریں مرکوز کرتے ہوئے پراسرار لہجے میں بولا۔

"سائیں..... اب اس کی کیا ضرورت ہے پتہ لگانے کی؟" اربیلو نے قدرے بیزاری سے کہا۔ "اصل کام تو ہو گیا ہے..... اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے ہم نے....."

"اڑے بابا اور کیا کرنا ہے..... تم دونوں ٹوہ میں لگے رہو اور اب یہ پتہ لگانے کی کوشش کرو کہ اس بھٹ سائیں نے اور کتنی روحوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ ضرور وہ اریب قریب کے ویرانوں میں سفلی ریاضت کرنے بھی جاتا ہو گا۔" سائیں کوڑیل نے کہا۔

اربیلو اور مگو نے سہمی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کے بشروں سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ ان دونوں کو بدروحوں والا کام بڑا کٹھن محسوس ہو رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بالآخر دونوں اپنے گروگھنٹال سائیں کوڑیل کے آگے ملتجیانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولے۔ ”پیر سائیں..... ہمیں کوئی اور کام دے دو مگر اس روحوں والے چکر سے ہمیں بڑا ڈر لگتا ہے۔“

ان دونوں کے بیک وقت داد و فریاد کرنے پر سائیں کوڑیل فوراً بولا۔ ”اڑے اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے..... تم دونوں کوئی معمولی شخص کے آدمی ہو؟ کسی کی کیا مجال کہ پیر سائیں کوڑیل کے چیلوں کا کوئی ذرا بھی کچھ بگاڑے..... میں تم دونوں پر پڑھ کر پھونک دوں گا..... ہر بلا تم سے دور رہے گی۔“

اس کی بات سن کر اربیلو اور مگو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بیک وقت دونوں کے دل میں یہ بات آئی کہ وہ سائیں کوڑیل کو اس کا جواب دیں کہ سائیں پھر آپ کیوں اس رات بھٹ سائیں کی جھونپڑی سے سومری کی بدروح کا نظارہ کر کے دم دبا کر بھاگے تھے مگر ان میں یہ جرات نہ ہو سکی۔ ناچار حکم حاکم مرگ مفاجات کے مصداق دونوں بے چاروں نے اپنے سر جھکا دیئے۔

☆.....☆.....☆

گرمیوں کا موسم رخصت ہو چلا تھا۔ یہ گوٹھ چونکہ نیم صحرائی علاقے پر مشتمل تھا اس لئے یہاں گرمیوں اور سردیوں دونوں کا ہی پورا پورا غلبہ رہتا تھا۔ سردیوں میں راتیں کہر آلود ہوتی تھیں اور پورا ماحول دبیز دھند میں لپٹا رہتا تھا حتیٰ کہ صبحیں بھی کہرے میں لپٹی رہتی تھیں مگر اس دن صبح کو کہرا سویرے ہی چھٹ گیا تھا اور گوٹھ کے کچے گھروں کی منڈیروں پر چمکیلی اور خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اور ہاری میر محمد مرحوم کے کچے گھر کا شکستہ صحن جہاں ایک جھلنگا سی چارپائی پر میر محمد کی بیوہ مثل زندہ لاش کے پڑی ہوئی تھی حالانکہ اس کی عمر اتنی زیادہ بھی نہ تھی لیکن شوہر کی ناگہانی اور بے وقت کی حادثاتی موت نے اسے وقت سے پہلے ہی بوڑھا اور کمزور کر ڈالا تھا..... بڑھاپا اور بیماری تو ویسے ہی لازم و ملزوم ہیں۔ اس پر مستزاد اگر غم بھی لگ جائے تو دیمک کی طرح روح کو بھی چاٹ جاتا ہے۔

بیچاری ایک کونے میں پڑی اب زندگی کے دن ہی پورے کر رہی تھی۔ صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دوسرے چارپائی پر میر نواز اور احمد نواز بیٹھے ناشتے کے

نام پر چائے' پاپے کھانے میں مشغول تھے۔ ان کی جوان بہن سکھاں اپنے دونوں بھائیوں کو ”ناشتہ“ دینے کے بعد خود بھی رسوئی میں بیٹھی چائے اور پاپے کھا رہی تھی۔

ایک طرف کونے میں چھپر کے نیچے ایک بھینس کھولی کے قریب کھڑی جگالی میں مصروف تھی۔ اس کے اردگرد چارہ بکھرا ہوا تھا۔ جہاں کڑکڑاتی ہوئی مرغیاں دانے دنکے ٹونگ رہی تھیں۔ فضا میں ٹھنڈ کا اثر غالب تھا مگر تیز اور چمکدار دھوپ ہونے کی وجہ سے یہ ٹھنڈک بھی خوشگوار تاثر دے رہی تھی۔ دور کہیں آٹے کی چکی بھی اپنی مخصوص آواز کے ساتھ بیدار ہو چکی تھی۔ اچانک باہر سے کسی نے دروازہ زور سے کھٹکھٹایا۔

”کیر آ بابا.....“ (کون ہے بھئی) بڑے بھائی میر نواز نے چائے کے پیالے کی لمبی چسکی لے کر بآواز بلند دروازے کی طرف منہ کر کے پوچھا۔

”اڑے در کھولو..... پولیس آئی ہے۔“ دوسری طرف سے کسی نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا اور دونوں بھائیوں کا ماتھا ٹھنکا ہی نہیں رسوئی میں بیٹھی جواں سال سکھاں بھی ”پولیس“ کے نام سے اس طرح دہل کر رہ گئی جیسے باہر کوئی بلا کھڑی ہو۔

دونوں بھائی بیچارے حیران و پریشان چارپائی سے اٹھ کھڑے ہوئے..... سکھاں بھی چہرے پر سراسیمگی کے آثار لئے رسوئی سے باہر نکل آئی۔ دونوں بھائیوں کا ایک روز پہلے پولیس کی ”کارکردگی“ کا بڑا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اس کی آمد پر آپس میں کسی قسم کا تبادلہ خیال کئے بغیر فوراً دروازے کی طرف بڑھے اور کنڈی کھولی۔

دروازہ دھڑ سے کھلا تھا' قسمت اچھی تھی کہ ان کے چہرے دروازے کے دونوں پٹوں کی زد میں نہیں آئے۔

سامنے انسپکٹر عالی جاہ کرخت چہرے کے ساتھ نظر آیا۔ اس کے عقب میں پولیس کی بھاری نفری کھڑی تھی جیسے کسی نامی گرامی ڈاکوؤں کے خلاف آپریشن کرنے کیلئے آئے ہوں۔ یہ ”سماں“ دیکھ کر دونوں بھائیوں کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”اڑے لگاؤ ان کے ہتھکڑیاں اور ڈالو گاڑی میں..... جلدی بابا.....“ انسپکٹر عالی جاہ نے اپنے عقب میں کھڑے پولیس اہلکاروں سے کہا۔

بس پھر کیا تھا آناً فاناً ہکا بکا کھڑے دونوں سادہ لوح بھائیوں کو پولیس ہتھکڑی لگا کر جب موبائل میں بٹھانے لگی تو اندر کھڑی جواں سال سکھاں جسے اب اپنے سر سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چادر ہی نہیں بلکہ چھت بھی سرکتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی یکدم ہاتھ جوڑ کر دروازے پر آ گئی اور اس کے حلق سے برآمد ہونے والی سریلی بازگشت داد و فریاد کے انداز میں جب جلاد صفت انسپکٹر عالی جاہ کے کانوں سے ٹکرائی تو اسے یہ داد و فریاد سے زیادہ کسی رس بھرے گیتوں کے بول کی طرح محسوس ہوئی۔ وہ اپنی جگہ جم گیا اور کسی ربوٹ کی طرح پھیلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس ''سریلی نغمگی'' کی تصدیق کیلئے دروازے کی طرف گھوما تو اسے سکھاں کی صورت جیسے گڈری سے جھانکتا ہوا لعل نظر آیا اور اس مجسم سراپا حسن و معصومیت کے پر ہوس نظارے کیلئے اس کی آنکھیں جیسے ابل پڑیں..... اسے یقین ہی نہیں آیا کہ اس گارے مٹی کی چھت تلے ایسا مجسم حسن بھی موجود ہو سکتا ہے۔

''سس..... سائیں! میرے بھائیوں کو کیوں لے جا رہے ہو میرا تو ان کے سوا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔'' معصوم لبوں کی فریاد نے گویا حسن کو دو آتشہ بنا دیا۔ ادھر بوالہوس کو شاخسانہ ملا اور انسپکٹر عالی جاہ کے سیاہ بھدے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ دوڑ گئی مگر دوسرے ہی لمحے انسپکٹر نے پیکر حسن کا حصول آسان بنانے کیلئے روایتی سخت مزاجی سے کہا۔ ''تیرے ان دونوں بھائیوں نے خون کیا ہے چھوکری..... اور وہ بھی ڈیرے کے آدمی کا سمجھی.....''

''نہیں..... نہیں سائیں! میرے بھائی اتنا بڑا جرم نہیں کر سکتے..... آپ کو کسی نے جھوٹی خبر دی ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔'' حسن دل آراء کی اس بہتی گنگا نے انسپکٹر کے اندر ہلچل مچا دی۔ ''تو ٹھیک ہے پھر جو سچ ہے وہ تھانے آ کر بتا دینا۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر واپس مڑا اور موبائل میں جا بیٹھا۔ سکھاں کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

بھٹ سائیں کا آج موڈ بہت خراب ہو رہا تھا یہی سبب تھا کہ اس نے آج کسی بھی سائل کو اپنی پابوسی کی اجازت نہ بخشی۔ اس کے مرید اپنے پیر کے جلال سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ بضد رہنا پیر کے جلال کو مزید ہوا دینے کے مترادف تھا لہٰذا وہ سب آتے رہے اور بے نیل و مرام باری باری واپس لوٹتے رہے۔ بھٹ

سائیں کی اصل پریشانی سومری تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی اصلیت گوٹھ کے کسی فرد کے سامنے آشکارا ہو مگر ہوا وہی جس کا ڈر تھا۔ کوڑیل شاہ کو وہ اچھی طرح جانتا تھا جو سومری کی روح دیکھ کر خوف سے دم دبا کر بھاگا تھا یہی نہیں اس رات سومری نے بھٹ سائیں کو کوڑیل شاہ کے مقاصد سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اس کے (بھٹ سائیں) کے پاس کس لئے آیا تھا۔ یہ اور بھی برا ہوا تھا شکر خورے کو شکر مل گئی تھی اب وہ اس کے چرچے خوب کرے گا۔ دوسری اہم بات جو بھٹ سائیں کو پریشان کئے دے رہی تھی وہ سومری کا قہر و غضب تھا جس نے بالآخر یہ طے کر لیا تھا کہ اس کے محبوب (بھٹ سائیں) کو دوبارہ کسی نے ستانے یا ٹوہ لینے کی کوشش کی تو وہ آئندہ بھی اپنا ''خوفناک نظارہ'' پیش کر کے انہیں خوف زدہ کرتی رہے گی مگر بھٹ سائیں کو یہ تماشا منظور نہ تھا لہٰذا جب وہ سومری کو اس کے خوفناک ارادوں سے باز رکھنے کی خاطر رات کی بھیدوں بھری تاریکی میں قبرستان پہنچا اور سومری کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر اسے دھیرے سے پکارا تو نیلگوں دھوئیں کی شعاعیں سی بننے لگیں۔

''سومری..... ایسا نہ کر..... کیا تو مجھے پھر مصیبتوں میں دیکھنا چاہتی ہے؟'' بھٹ سائیں کی آواز میں لرزش تھی۔ نیلگوں مائل دھواں اب انسانی شبیہ اختیار کر چکا تھا۔

''یہی تو میں چاہتی ہوں کہ تمہاری مصیبتیں ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں۔'' انسانی شبیہ جو سومری کی شکل اختیار کر چکی تھی بولی۔ ''ملوک..... میں اپنے ظالم اور سنگدل باپ کو اچھی طرح جانتی ہوں جس نے اپنی جھوٹی شان کی خاطر اپنی بیٹی کے خون سے ہاتھ رنگ لئے وہ ایک دن تمہیں بھی نہیں چھوڑے گا..... میں چاہتی ہوں تم اپنے اصل روپ کے ساتھ میرے باپ کا سامنا کرو اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائے گا بس تمہیں دیکھ کر گرفتار ہے گا..... یہی میرا اپنے باپ سے انتقام ہو گا۔''

''لیکن سومری..... اس طرح تو پورے گوٹھ کا سکون برباد ہو جائے گا۔'' بھٹ سائیں نے کہا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہاں کے سادہ اور نادان لوگوں نے میرے معتقدوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ میرے اور تیرے باپ سالار خان کے جھگڑے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں پورا گوٹھ ہنگاموں کی زد میں آ جائے گا..... یہ معصوم اور بے گناہ لوگ جوش عقیدت میں مجھ پر اپنی جانیں بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔"

"میرے سریجن..... یہ میرے اختیار میں نہیں ہو گا۔" جواباً سومری نے سوگواری آمیز بے بسی سے کہا۔ "مجھے جس حالت میں بے گناہ قتل کیا گیا' وہ میرے اندر ایک بے قرار سی پھانس بن کر چبھ گئی ہے۔ یہ پھانس تبھی نکلے گی جب ظالم اپنے ظلم کی سزا بھگتے گا۔ تم خود بتاؤ میرے سریجن..... میں نے یا تم نے ایسا کیا گناہ کیا تھا' فقط ایک دوسرے کے دلوں میں محبت کی شمع ہی تو روشن کی تھی' ہماری پاکیزہ اور معصوم محبت کی تو فرشتے بھی گواہی دیں گے' ہم نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا جو ہمارے ضمیر پر بار بن جاتا۔ تم نے..... تم نے خود مجھ سے کہا تھا کہ ہمارا اور تمہارا ملن ناممکن ہے پھر تمہارے کہنے پر ہی میں نے تم سے ملنا ترک کر دیا تھا مگر میں..... میں دل کے ہاتھوں مجبور تھی..... تمہارا خیال دل سے نکالنے کی کوشش کی تو تمہارا نام میرے لبوں پر خود بخود آج جاتا اور ایک روز عالم خواب میں تمہارا نام بڑبڑانے پر میرے باپ نے طیش میں آ کر حالت نیند میں ہی قتل کر دیا۔" یہ بتاتے ہوئے سومری کی سسکیاں قبرستان کے پرہول ماحول میں گونجنے لگیں۔

سومری اور محمد ملوک (بھٹ سائیں) باتوں میں اس قدر مگن تھے کہ انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ ان سے تھوڑے فاصلے پر لئی کے ایک چھوٹے اور چھتنار پیڑ کے عقب میں کوئی چھپا ان دونوں کی گفتگو کو دل تھامے ہوئے سن رہا تھا۔ یہ سائیں کوڑیل تھا ایک انوکھے اور پراسرار راز کا اپنی کھلی آنکھوں سے نظارہ کرتے ہوئے وہ اس ٹھٹھرتی سردی کے باوجود سر سے پاؤں تک پسینے میں نہا گیا تھا۔ وہ ایک ناقابل یقین منظر دیکھ رہا تھا۔ اگر کوئی دوسرا انسان یہ خوفناک اور ناقابل یقین منظر دیکھ لیتا تو دہشت زدہ ہو کر وہیں گر جاتا مگر سائیں کوڑیل خود سفلی علوم کا ماہر تھا اور کالے جادو کے حصول کیلئے اس نے کتنے ہی عمل کئے تھے اور رات رات بھر ویرانوں میں جا کر چلہ کشی کی تھی مگر اب تک وہ ایک روح کی جھلک بھی نہ دیکھ سکا تھا لہٰذا یہ منظر اس کیلئے باعث اشتیاق اور حسب آرزو تھا۔

اسے بھی اب ہلکی ہلکی سی کپکپی محسوس ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ بھٹ سائیں

اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا جسے روحوں کو قابو کرنے کا سفلی علم آتا تھا مگر ایک بات کوڑیل کیلئے بڑی حیرت انگیز تھی وہ یہ کہ اس کا ان دونوں سے فاصلہ زیادہ تھا۔ بھٹ سائیں اور سومری کی باتوں کی آوازیں تو اس تک پہنچ رہی تھیں مگر وہ ان کا مفہوم نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ آخر آپس میں کیا باتیں کر رہے تھے بہرطور وہ تنے کی آڑ سے چپکا' ان دونوں پر برابر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

چہار سو دبیز کہرا چھایا ہوا تھا۔ چاند کی روشنی بھی ماحول کو ملگجی کئے ہوئے تھی..... ایک ہیبت ناک خاموشی سی چھائی ہوئی تھی ہر سو۔

معاً سائیں کوڑیل کو کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے سومری کی قبر کی طرف سے اب خاموشی چھا گئی ہو مگر دوسرے ہی لمحے اسے یوں لگا جیسے سردی کا احساس بتدریج بڑھتا جا رہا ہو..... کہر کی چادر بھی دبیز ہوتی جا رہی تھی۔ سائیں کوڑیل شاہ کا ماتھا ٹھنکا' اس کے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس نے فوراً لوٹنے کی خاطر قدم بڑھانے چاہے مگر وہ جیسے زمین میں گڑھ کر رہ گئے۔ اب تو اس کی سانس سینے میں اٹکنے لگی..... اس کے کانوں میں سومری کی روح کی دھمکی گونج رہی تھی کہ اگر دوبارہ اس نے کبھی ٹوہ لینے کی کوشش کی تو اسے زندہ نہیں چھوڑے گی۔

موت کے خوف نے اس کے منحنی سے وجود میں کئی گنا طاقت بھر دی مگر وہ قدم اٹھانے سے پھر بھی قاصر رہا۔ ادھر سردی اور کہر کی چادر گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ٹھیک اسی وقت فضا میں ایک ہولناک قہقہہ گونجا۔ سائیں کوڑیل نے فوراً ہی منتر جنتر بدبدانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے بمشکل اپنے خوف پر قابو پا رکھا تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ ایک خطرناک بدروح کے پنجے کا شکار ہونے والا ہے۔ ٹھیک اسی وقت ایک سمع خراش آواز فضا میں ابھری اور سائیں کوڑیل کے سردی کے مارے دانت بجنے لگے۔ اچانک اس نے سامنے دبیز کہر کی چادر کو ذرا چاک ہوتے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

سامنے انتہائی کریہہ صورت چڑیل کھڑی تھی۔ رنگت انتہائی سیاہ' کھچڑی سے بال' طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی ناک اور ہاتھوں کی انگلیوں کے لمبے لمبے ناخن..... چہرہ تکون' قدرے خمیدہ اور سب سے زیادہ جو شے اسے ڈراؤنا بنائے دے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی وہ اس کی بغیر بھنوؤں اور پلکوں کی سرخ انگارہ آنکھیں اور ناگن کی طرح لپ لپاتی ہوئی زبان تھی۔ سائیں کوڑیل کو تو جیسے سکتہ ہونے لگا مگر وہ بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے جنتر منتر کا ورد جاری رکھے ہوئے تھا۔ تب اچانک اس مکروہ صورت چڑیل نے اس کے قریب آتے ہی غیر انسانی اور بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔

"تجھے میں نے پہلے بھی منع کیا تھا ہمارا پیچھا چھوڑ دے لیکن تو خود کو بہت بڑا انتر باز سمجھتا ہے' لے اب اپنا انجام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔" یہ کہتے ہوئے چڑیل نے اپنا ایک مڑی ہوئی انگلیوں والا ہاتھ سائیں کوڑیل کی طرف بڑھایا جو دراز ہوتے ہوتے اس کے چہرے تک پہنچ گیا..... اب دو بڑے بڑے ناخنوں والی انگلیاں اس کی دونوں آنکھیں پھوڑنے کو قریب آنے لگیں۔ ادھر سائیں کوڑیل نے اپنے سا علم کا ایک منتر مکمل کرتے ہوئے اپنے اردگرد پھونک مار دی..... اس کریہہ صورت چڑیل کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کے تیز ناخنوں سے یوں چنگاریاں پھوٹیں جیسے وہ کسی غیر مرئی بجلی کی تار سے ٹکرا گئی ہوں۔ دفعتاً اس کے حلق سے سمع خراش چیخ ابھری جس سے آس پاس کا ماحول لرزا کر رہ گیا۔ سائیں کوڑیل نے اپنا عمل کامیاب ہوتے دیکھا اسے کچھ حوصلہ ہوا اور اب خوف کی جگہ ایک جوش آمیز جنون نے لے لی۔ وہ اب صورت میں اس روح کو اپنے قبضے میں کر لینا چاہتا تھا جو اس وقت ایک بھیانک چڑیل کے روپ میں تھی جس کے بارے میں سائیں کوڑیل شاہ کا خیال تھا کہ اسے بھ سائیں نے اپنا غلام یا مطیع بنا لیا ہے۔

چڑیل کے وار سے بچنے کیلئے سائیں کوڑیل نے چونکہ اپنے گرد غیر مرئی ح قائم کر لیا تھا مگر اس میں یہ قباحت تھی کہ وہ اپنے اس جادوئی حصار میں رہتے ہو اس چڑیل کے خلاف کوئی وار نہیں آزما سکتا تھا۔ اس لئے سائیں کوڑیل نے اسی عافیت سمجھی کہ چپکا کھڑا رہے۔

مگر ادھر وہ چڑیل کے روپ میں سومری کی بدروح اپنے دشمن نمبر ایک چھوڑنے کو کہاں تیار تھی۔ اس نے ایک بار پھر کریہہ انگیز چیخ ماری اور دوسرے ہی اس نے سائیں کوڑیل کی طرف اپنا مکروہ چہرے کا رخ کرتے ہوئے منہ کھول دیا کھلتے کھلتے اس کا منہ غار کی طرح ہو گیا..... اس کے اندر سے لپلپاتی ہوئی زبان

خوفناک اژدھے کی صورت میں باہر کو نکلی اور آگ کی پھنکاریاں مارتا ہوا اژدھا سائیں کوڑیل شاہ کی طرف بڑھنے لگا۔

سائیں کوڑیل نے یہ جو خوفناک منظر دیکھا تو اس کا رہا سہا حوصلہ پھر دم توڑنے لگا۔ نجانے کیوں اسے احساس ہونے لگا کہ عافیت اسی میں ہے کہ اس بدروح کو قبضے میں کرنے کے بجائے اس سے جان بچا کر بھاگ لیا جائے۔

ادھر اس چڑیل کی زبان کی صورت میں اژدھا فضا میں بل کھاتا ہوا سائیں کوڑیل کے قریب پہنچا اور پھر اس نے زور سے آگ کی پھونک ماری' شعلے لپکے اور دیکھتے ہی دیکھتے سائیں کوڑیل کے گرد آگ پھیل گئی۔ سائیں کوڑیل کا حفاظتی حصار جل کر راکھ ہو رہا تھا۔ اس نے جو اپنے غیر مرئی حفاظتی حصار کو اس طرح جلتے ہوئے دیکھا تو اس کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اس نے جلدی سے اپنے چغے میں ہاتھ ڈال کر ایک مردہ الو کی کٹی ہوئی گردن نکالی۔

سائیں کوڑیل نے اس پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور پھر وہ کٹا ہوا سر ہوا میں اچھال دیا..... فضا میں دور کہیں کسی الو کی سوگوار سی چیخ گونجی اور سائیں کوڑیل کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی الو کی کٹی ہوئی کھوپڑی فضا میں معلق ہو گئی پھر اگلے ہی لمحے الو کے کٹے ہوئے سر کی گول گول آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بہہ نکلی۔ اب الو کی وہ آنسو بہاتی کھوپڑی سائیں کوڑیل کے گرد معلق حصار میں لگی آگ کے اوپر گردش کرنے لگی اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں سے حفاظتی حصار میں لگی آگ بجھنے لگی۔ اس کے بعد الو کی کھوپڑی دوبارہ حصار سے باہر نکل کر چڑیل کی اژدھا نما شعلے اگلتی زبان کے اوپر معلق ہو کر اس پر آنسو برسانے لگی۔ اژدھے کے حلق سے ایک چنگھاڑ نکلی اور آن واحد میں اس نے اپنا بڑا سا منہ پھاڑ کر الو کی کھوپڑی کو نگل لیا۔

☆.....☆.....☆

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قبرستان کے پرہیبت ماحول میں عجیب پراسرار سی گونج طاری تھی۔ مکروہ صورت چڑیل کی لمبی زبان جو ایک خوفناک اژدھے کی صورت پھنکاریں مار رہی تھی' وہ الو کی کھوپڑی کو نگل کر کوڑے کی طرح ادھر ادھر لہرا رہی تھی۔

سائیں کوڑیل کے چہرے پر ایک بار پھر پریشانی کے آثار پھیلنے لگے تاہم اسے قدرے تسلی تھی کہ اس نے اپنے گرد جو حفاظتی حصار قائم کیا ہے وہ ابھی محفوظ تھا۔ وہ اب خاموشی سے کھڑا چڑیل کے اگلے وار کا منتظر تھا۔ ایسے میں اچانک اژدھے نے ایک کریہہ چنگھاڑ ماری اور پاگلوں کی طرح ادھر ادھر اپنا سر پٹخنے لگا۔ اژدھے کی حالت دیکھ کر سائیں کوڑیل کی چندی چندی آنکھوں میں مسرت جاگی۔ وہ جان گیا تھا کہ اژدھے کو مردہ الو کی وہ آنسو بہاتی جادوئی کھوپڑی کو نگلنا کتنا مہنگا ثابت ہونے والا تھا۔ دفعتاً اژدھا یوں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر گیا جیسے اس نے الو کی کھوپڑی کی بجائے کوئی خطرناک بم نگل لیا ہو۔

ادھر چڑیل کے حلق سے بھی بڑی خرخراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی تھی اور عجیب مضحکہ خیز انداز میں نیچے کو جھول گئی تھی۔ ایسے میں اچانک چڑیل نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا تو سائیں کوڑیل کی روح فنا ہو گئی۔ وہاں اب مدہم سی روشنی میں چمکتا ہوا چوڑے پھل والا خوفناک خنجر نظر آ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کریہہ صورت چڑیل نے اپنے حلق سے ایک بھیانک چیخ ماری اور اس خوفناک تیز پھل والے خنجر سے اپنی خون آلود زبان کاٹ دی۔

پھر کچھ دیر تک کوڑیل شاہ کو خونی نظروں سے گھورتی رہی۔ اس کے بعد خرخراتی آواز میں اس نے اسے مخاطب کیا۔ ”کوڑیل..... آج تو تو میرے ہاتھ سے بچ گیا مگر

ہر بار ایسا نہیں ہوگا اس لئے میں تجھے خبردار کرتی ہوں کہ میرا اور ملوک کا پیچھا چھوڑ دے ورنہ بڑی عبرتناک موت مرے گا میرے ہاتھوں..... جا اب دفع ہو جا.....“

چڑیل کوڑیل کو دھمکی دینے کے بعد کہر آلود تاریکی میں غائب ہو گئی۔ سائیں کوڑیل اپنی جگہ دم سادھے کھڑا رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

سکھاں کے گرد پاس پڑوس کی بہت سی عورتیں جمع تھیں جو کافی دیر سے اس کی دلجوئی میں مصروف تھیں۔ سکھاں کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ پولیس اس کے دونوں بھائیوں میر نواز اور احمد نواز کو جب سے گرفتار کر کے لے گئی تھی' بے چاری سکھاں نے بھائیوں کے غم میں رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔

صبح سے شام ہونے کو آئی تھی مگر اس نے ایک لقمہ بھی روٹی کا اپنے حلق سے نیچے نہیں اتارا تھا۔ آہستہ آہستہ سب عورتیں روایتی انداز میں اس کی تسلی تشفی کر کے رخصت ہونے لگیں۔ تاہم ان خدا ترس عورتوں نے اتنا ضرور کیا کہ ماسی مراداں نامی ایک عمر رسیدہ عورت کو اس کے پاس چھوڑ دیا تاکہ اکیلی جوان جہان لڑکی گھر میں خود کو تنہا محسوس نہ کرے۔ ماسی مراداں کا دنیا میں کوئی نہ تھا بس وہ اسی طرح دوسروں کے سہارے اپنا گزر بسر کرتی تھی۔

سکھاں کو اس سے کافی سہارا محسوس ہوا مگر دل غم سے بوجھل تھا۔ غبار اشکوں نے آنکھیں دھندلا دی تھیں۔ اس کا معصوم ذہن ناانصافی کی اس پرانی اور روایتی کتھا کو بھی تو سمجھنے سے قاصر تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس..... یہ تو جیہہ تھی بے انصافی اور روایتی جبر کی..... سکھاں کے معصوم ذہن میں اور تو کچھ نہیں آیا البتہ اس کے کانوں میں تھانے لے بھجنگ انسپکٹر عالی جاہ کے الفاظ ضرور گونجنے لگے جو اس نے اس کی داد و فریاد کے جواب میں اس سے کہے تھے۔ ”چھوکری..... اپنے دونوں بھائیوں کی بے قصوری ثابت کرنے کیلئے تھانے آ جانا۔“

سکھاں' جلاد صفت اور بدخصلت انسپکٹر عالی جاہ کے ان الفاظ کی معنی خیزی کو نہ سمجھ پائی تھی۔ اس نے تو ایک جال پھینکا تھا سکھاں جیسی معصوم اور سادہ لوح چڑیا کیلئے' اب یہ چڑیا اپنی سادگی میں عالی جاہ جیسے گھاگ شکاری کے جال میں پھنسنے کیلئے جا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی۔

شام کے سائے ابھی گہرے نہیں ہوئے تھے۔ سکھاں نے چادر سنبھالی' مائی مراداں سے کسی اور جگہ جانے کا بہانہ کر کے وہ سیدھی تھانے پہنچی۔ وہاں شاید مختار شکاری نے شکار کی متوقع آمد پر پہلے ہی سے گھات لگا رکھی تھی۔ لہٰذا جیسے ہی سکھاں تھانے کی عمارت میں داخل ہوئی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور بہ نفس نفیس اسے انسپکٹر عالی جاہ کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

انسپکٹر عالی جاہ ایک بدہیئت پہاڑ کی طرح میز کے پیچھے کرسی پر دبکا بیٹھا تھا۔ کمرے میں غیر معمولی تنہائی پیدا کر دی گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے جو دو سپاہی سکھاں کو لے کر یہاں پہنچے تھے انہیں فی الفور کمرے سے نکل جانے اور مخصوص اشاروں میں کچھ مزید ہدایتیں بھی دے دی گئی تھیں لہٰذا اب کمرے میں سکھاں اور انسپکٹر عالی جاہ کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ کمرے میں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سکھاں ہاتھ جوڑے انسپکٹر کی میز کے سامنے سراپا فریاد بنی کھڑی تھی اور انسپکٹر عالی جاہ کی تیز گھورتی ہوئی شکرے جیسی آنکھیں اس کے حسین و معصوم سراپے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"سس..... سائیں! مم..... میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں' میرے بھائیوں کو چھوڑ دو..... وہ..... وہ..... بے قصور ہیں۔" سکھاں عاجزی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر انسپکٹر عالی جاہ سے بولی۔

"اچھا....." اس کی نالہ و فریاد پر انسپکٹر عالی جاہ نے قہقہہ لگانے والے انداز میں اپنا منہ پھاڑا اور پھر ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کر بدستور اس کے چہرے پر اپنی تیز نظریں گاڑے اس کے قریب پہنچ کر معنی خیز لہجے میں بولا۔ "چھوکری..... تیرے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ تیرے دونوں بھائی بے گناہ ہیں؟"

اس کی بات سن کر بیچاری سکھاں تھوڑا گڑبڑا سی گئی پھر معاً ملتجی لہجے میں بولی۔

"ثبوت..... ثبوت تو میرے پاس نہیں ہے پر..... پر سائیں میں اپنے بھائیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں وہ کسی کا خون نہیں کر سکتے۔"

"ہر خونی قاتل کی بہن کا اپنے بھائی کے بارے میں یہی جواب ہوتا ہے۔" انسپکٹر عالی جاہ نے تھانیدارانہ انداز کا روایتی جملہ دہرایا۔

"میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں سائیں۔" یہ کہہ کر سکھاں سسکتے ہوئے اس کے پیروں پر جھک گئی اور رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "سائیں میرا ان بھائیوں کے سوا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ آ..... آپ کو رب سائیں کا واسطہ میرے بھائیوں کو چھوڑ دیں۔"

سکھاں کی بے چارگی اور آنسوؤں سے پر آنکھیں کسی بھی صاحب دل کا دماغ جھنجھوڑ دینے کیلئے کافی تھیں مگر اس ابلیس صفت پولیس انسپکٹر عالی جاہ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی تھی بلکہ وہ سکھاں کی قابل رحم ہیئت کذائی کو اور ہی نظروں سے دیکھ رہا تھا تب اس نے پیروں پر جھکی ہوئی سکھاں کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور جذبات کی پرتپش لرزش سے بولا۔ "چھوکری..... پیروں میں تیری جگہ نہیں ہے..... ادھر آ..... یہاں بیٹھ کرسی پر..... آ جا شاباش....."

بے چاری سادہ لوح سکھاں کو شکرا صفت عالی جاہ کے مکارانہ رویے نے حوصلہ دیا اور وہ اجرک کے کونے سے اپنی سرمگیں آنکھوں کے غمناک گوشے پونچھتی ہوئی کرسی پر جا بیٹھی۔

عالی جاہ اس کے قریب ہی میز پر سکھاں کی کرسی کے بالکل قریب بیٹھ گیا۔ اس کی سانسیں ناپاک عزائم کی تکمیل کے جوش تلے بے ترتیب ہونے لگی تھیں تب عالی جاہ نے اپنا دایاں ہاتھ سکھاں کے شانے پر رکھا۔ سکھاں کو ایک جھٹکا لگا۔ اس نے سوچا کہ آج تک کسی مرد نے اس کے سر پر ہی ہاتھ دہرا تھا۔ یہ شانے پر ہاتھ دھرنے کا کیا مطلب تھا تب پھر اس کے نسوانی وجدان نے اچانک اسے ہوشیار کیا۔

"سکھاں..... تیرے بھائیوں کو میں آج ہی چھوڑ دوں گا..... بس آج اور [illegible] تھوڑا سا....." عالی جاہ کی آواز بھراتی جا رہی تھی۔ سکھاں تڑپ کر اٹھی..... شکاری مغلوب الہوس ہو کر معصوم شکار پر جھپٹا۔

سکھاں نے جھکائی دے کر خود کو انسپکٹر عالی جاہ کی گرفت سے بچانے کی کوشش کی تو اس سعی میں اس کی چادر انسپکٹر عالی جاہ کے ہاتھ میں رہ گئی۔ سکھاں بیچاری ایک طرف لرزتی' کانپتی ہوئی متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "سس..... سائیں..... ی..... یہ آپ کیا کر رہے ہو؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اڑی تھوڑی دیر کی تو بات ہے..... آ جا پھر تیرے بھائیوں کو چھوڑ دوں گا ناں۔" جلاد صفت انسپکٹر عالی جاہ نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا اور پھر آگے بڑھ کر شکرے کی طرح سکھاں پر جھپٹا..... بے اختیار سکھاں کے حلق سے لرزتی' کانپتی ہوئی چیخ برآمد ہوئی۔ "نہیں..... نہیں..... سائیں! مجھ گریب کے ساتھ یہ ظلم نہ کرو۔" وہ ہاتھ جوڑ کر گھگھیائی۔

"اڑی بس کر ورنہ تجھے بھی اندر کر دوں گا۔" انسپکٹر عالی جاہ نے ابلتی ہوئی آنکھوں سے گھورا۔ اس پر شیطانیت پوری طرح سے حاوی ہو گئی تھی۔ اس نے سکھاں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ سکھاں نے پھر ایک زور دار چیخ ماری۔ اس کے کپڑے بھی مسک گئے تھے۔ وہ اس کے دست حیوانیت سے نکلنے کیلئے بے بس چڑیا کی تڑپنے لگی۔

"سس..... سائیں! تجھے مرشد سائیں کا واسطہ..... اللہ سائیں کا واسطہ..... مجھ گریب کو چھوڑ دے میں..... میں تیری دھیوں جیسی ہوں..... یہ قہر مت کر۔" وہ معصومیت بھرے انداز میں گھگھیائی مگر ابلیس صفت انسپکٹر عالی جاہ اب سکھاں جیسے "ترنوالے" کو چھوڑنے کیلئے کہاں تیار تھا۔ اس موقع کا تو وہ منتظر تھا۔ بالآخر اس نے سکھاں کو ایک جھٹکا دیا۔

سکھاں کے حلق سے زخمی چیخ برآمد ہوئی۔ ٹھیک اسی وقت انسپکٹر عالی جاہ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک پختہ العمر شخص اندر داخل ہوا۔ یہ انسپکٹر عالی جاہ کا اردلی محمد بخش تھا۔

"سائیں..... یہ آپ کیا کر رہے ہو؟" محمد بخش اپنے صاحب کو حالت شیطانیت میں دیکھ کر زور سے بولا۔

"اڑے تو جا یہاں سے۔ تیرا ادھر کیا کام..... اپنی ڈیوٹی سنبھال۔" انسپکٹر عالی جاہ اپنے اردلی کی "بے وقت" دراندازی پر اسے گھورتے ہوئے طیش میں بولا مگر محمد بخش اب اس کا ماتحت نہیں نظر آ رہا تھا۔ مجبور و بے بس اور اپنی عزت ہارتی ہوئی سکھاں کو وہ ایک بیٹی کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ اسے اس منظر نے پل بھر میں سب کچھ سمجھا دیا تھا لہٰذا وہ اپنی آنکھوں میں غصے کی لپک لئے آگے بڑھا۔ اپنے "افسر" کی پروا کئے بغیر..... انسپکٹر عالی جاہ کو پرے دھکیل کر سکھاں سے دور کر دیا اور اپنے کندھے پر دھری

بلی چیکٹ اجرک اتار کر سکھاں کے اوپر ڈال دی اور اس کے آگے ایک غیرت مند باپ کی طرح ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے غصے سے بل کھاتے ہوئے اپنے افسر انسپکٹر عالی جاہ کی طرف قہر بار نظروں سے گھورتے ہوئے غرا کر بولا۔ "سائیں! یہ آپ کو نہیں کرنے دوں گا' چاہے میری نوکری ہی کیوں نہ چلی جائے۔" پھر وہ سسکتی ہوئی سکھاں سے ملائمت بھرے لہجے میں بولا۔ "چل میری دھی..... تجھے گھر چھوڑ دوں۔" یہ کہتے ہوئے اردلی محمد بخش' سکھاں کے سر پر ہاتھ دھرے اسے کمرے سے باہر نکال لایا۔ انسپکٹر عالی جاہ بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح اپنی جگہ تلملا کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

"اڑی تو چری تو نہیں ہو گئی جو اپڑیں جوان جہان دھی کو یوں تھانے بھیج دیا..... پتہ ہے وہاں کیسے کیسے شیطان ہوتے ہیں۔" اردلی محمد بخش نے ماسی مراداں کو ذرے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ وہ سکھاں کو اپنے ساتھ لے کر سیدھا اس کے گھر کے دروازے پر پہنچا تھا اور دروازہ ماسی مراداں نے ہی کھولا تھا۔ اردلی محمد بخش نے اس بوڑھی عورت کو ہی سکھاں کی ماں سمجھا تھا۔

ماسی مراداں نے جو سکھاں کی یہ حالت دیکھی تو بے اختیار اپنے سینے پر دو ہتھڑ مار کر ہائے کرتی ہوئی بولی۔ "اڑی قہر ہو گیا تو کہاں چلی گئی تھی دھیئے! یہ..... یہ تیرے ساتھ....." تشویش زدہ لہجے میں وہ اپنا جملہ بھی مکمل نہ کر سکی اور بے اختیار آگے بڑھ کر سکھاں کو اپنے ساتھ لگائے اندر آ گئی..... محمد بخش دروازے پر ہی کھڑا رہ گیا مگر ماسی مراداں نے صحن میں سے آواز دے کر اسے اندر بلا لیا۔

"ادا..... اندر آ جا....."

محمد بخش کو ذرا تامل ہوا مگر پھر کچھ سوچ کر جھکی جھکی شکستہ سی چوکھٹ سے اپنا سر نیچے کئے اندر صحن میں آ گیا۔ ماسی نے پریشانی اور گھبراہٹ کے ملے جلے انداز میں محمد بخش سے پوچھا۔ "آپ بیٹھ ادا..... ادھر..... مجھے بتا تو سہی آخر ہوا کیا ہے.....؟"

"شکر کر مائی..... جو ہونے والا تھا وہ نہیں ہوا۔" اردلی محمد بخش نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ چارپائی پر بیٹھا نہیں تھا..... وہ ابھی تک ماسی مراداں کو سکھاں کی ماں سمجھے ہوئے تھا..... اس نے مختصراً ماسی مراداں کو سارے حالات سے آگاہ کیا تو ماسی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مراداں نے اپنا سر پیٹ لیا اور پھر سکھاں کو گلے لگاتے ہوئے محمد بخش سے ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔ ”ادا..... تو نے اس گریب لڑکی کی عزت بچا کر بہت وڈا کام کیا ہے..... اللہ سائیں تیرے کو اس کا وڈا اجر دے گا..... مرشد سائیں تیرے کو سدا آباد رکھے گا۔“

محمد بخش اس کے لہجے پر ذرا چونکا۔ ”کیا تو اس کی ماں نہیں.....؟“

تب ماسی مراداں نے اسے سکھاں اور اس کے حالات سے متعلق سب کچھ بتا دیا..... محمد بخش سارے حالات جان کر ونگ رہ گیا۔ اسے اب بیچاری سکھاں پر بے انتہا ترس آنے لگا۔

تب وہ آگے بڑھا اور بولا۔ ”تو آج سے میری دھی ہے خود کو اکیلا نہ سمجھنا..... میرا نام محمد بخش ہے لالو چکی والے کی گلی میں ہی میرا گھر ہے۔“

”چاچا سائیں..... آپ میرے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔ اللہ سائیں آپ کو خوش رکھے۔ پر اب وہ انسپکٹر پتہ نہیں آپ کو.....“ سکھاں نے پہلی بار لب کشائی کرتے ہوئے محمد بخش سے ازراہ ممنونیت کہا اور آخر میں تشویش ظاہر کرتے ہوئے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”اس کی تو فکر نہ کر..... وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“ محمد بخش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ملائمت سے کہا۔ ”وہ زیادہ سے زیادہ یہی کرے گا ناں کہ مجھے نوکری سے نکال دے۔ مجھے پھانسی تو نہیں چڑھا دے گا۔“ اتنا کہہ کر وہ ماسی مراداں اور سکھاں کو دوبارہ تھانے نہ جانے کی تنبیہ کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ جاتے جاتے اس نے انہیں یہ بھی تسلی دی تھی کہ وہ معمولی ملازم ضرور ہے مگر معمولی انسان نہیں ہے۔ ”تر“ (علاقے) کے ایک بااثر زمیندار سے اس کے مراسم ہیں۔ اس کے ذریعے وہ میر نواز اور احمد نواز کو جلد پولیس کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش کرے گا۔

☆.....☆.....☆

یہ اس سے اگلے دن دوپہر کا ذکر تھا۔ ماسی مراداں اور سکھاں تھوڑی دیر پہلے ہی کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس وقت سکھاں صحن میں ہی موجود تھی۔ بآواز اس نے پوچھا۔ ”کیر آ.....؟“ (کون ہے)

”میں ہوں محمد بخش کا بیٹا مراد بخش.....“ باہر سے ایک جوان آواز ابھری۔

”بابا نے مجھے ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔“ سکھاں چونکی..... اس نے مسرت سے سوچا کہ اس فرشتہ طینت شخص محمد بخش کا یہ بیٹا مراد بخش ضرور اس کے دونوں بھائیوں میر نواز اور احمد نواز سے متعلق کوئی خوشخبری لایا ہے۔ لہٰذا وہ دوڑ کر دروازے تک پہنچی اور اسے یکدم کھول دیا۔ سامنے اس کی ایک بانکے سجیلے نوجوان پر نگاہ پڑی اور اس کے لاشعور کو ایک جھٹکا لگا۔ ایکا ایکی اس کی آنکھوں سے اردگرد کے سارے منظر محو ہونے لگے۔ صرف ایک ہی منظر اس کی احاطہ نگاہ پر شوق میں سما گیا تھا۔ ایک شہزادہ جس کے خدوخال وہ تنہائیوں میں اندر ہی اندر بنتی رہی تھی۔ وہ سپنوں کا شہزادہ بالکل حقیقت کا روپ دھارے اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پاپلر کے درخت کی طرح لمبا چوڑا' دریائے سندھ کے چوڑے پاٹ کی جیسی اس کی چھاتی' گھنگریالے بال' پروجاہت نقوش' روشن اور چمکدار آنکھیں..... وہ بھی اس کو دیکھنے میں محو تھا۔ اس نے شلوار قمیص اور سر پر شیشے کے کام والی جاموٹ طرز کی سندھی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ کاندھوں پر اس کے اجرک تھی۔ دروازہ کھلتے ہی سکھاں پر جیسے ہی اس کی نظر پڑی تو گویا اس کی دنیا ہی تہہ و بالا ہو کر رہ گئی۔ ایسا کامل اور مجسم حسن اس کی نظروں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ ڈوب رہا تھا اور ابھر رہا تھا۔ گلنار سا گلابی چہرہ جسے معصومیت نے ملکوتی حسن بخش دیا تھا۔ نیچر جھیل جیسی آنکھیں جن میں موہنجوڈڑو کی سی اداسی تھی..... ستواں ناک' صراحی دار گردن' ناک تلے چاندی کا ابلق..... کریر کے درخت کی طرح دبلا پتلا مگر شاداب سراپا..... اس قتالہ جاں اور حسن جہاں کے مکمل حسن کا نظارہ دیکھنے کیلئے صدیاں ناکافی تھیں۔

وہ دونوں نگاہوں ہی نگاہوں میں گم..... ”میں' میں نہ رہا تو' تو نہ رہی“ کی تفسیر بنے نجانے کتنی دیر اسی طرح گم صم کھڑے رہے کہ اچانک اندر صحن سے ماسی مراداں کی آواز ابھری۔ ”اڑی سکھاں! کون آیا ہے تو خاموش کیوں کھڑی ہے؟“

اس آواز پر دونوں کا سکتہ ٹوٹا تب سکھاں نے گھبرا کر اپنے سر کی چادر درست کی اور گردن ذرا موڑ کر ماسی مراداں سے جواباً بولی۔ ”ماسی..... چاچا محمد بخش کا بیٹا آیا ہے' کوئی پیغام لے کر۔“ یہ کہتے ہوئے سکھاں نے ایک نگاہ پھر مراد پر ڈالی تھی۔

سکھاں کی سریلی' مدھر آواز مراد بخش کو اپنی سماعتوں میں رس گھولتی محسوس ہوئی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی۔

"اڑی چری پھر اسے باہر کیوں روک رکھا ہے..... اندر کیوں نہیں لاتی.....؟" ماسی مراداں کی کھڑکھڑاتی آواز ابھری۔ ایسے میں مراد کی باریک مونچھوں والے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ جواباً سکھاں کے حنائی لبوں پر بھی موج تبسم ابھرا اور پھر اس نے اپنے سر کے خفیف اشارے کے ساتھ مراد بخش کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

مراد بخش ایک قدم آگے بڑھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ سکھاں کے دل کے دروازے کو پار کر رہا ہو وہ گھر کی چوکھٹ پار کر کے اندر صحن میں آ گیا..... سامنے کھری چارپائی بچھی ہوئی تھی جس کے قریب ہی ماسی مراداں کھڑی شفقت بھری نظروں سے مراد بخش کو دیکھ رہی تھی۔

"آ..... آ..... پٹ..... بیٹھ جا ادھر..... تیرا پیو محمد بخش تو چاک (ٹھیک) ہے ناں؟" مراداں نے پوچھا۔

"ہاؤ ماسی..... وہ ٹھیک ہے۔" مراد بخش نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا اور وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا..... ایک جانب کو کھڑی سکھاں کو یہ گھبراتا ہوا نوجوان بھلا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دلکش لبوں پر مسکراہٹ تھی جبکہ سرمگیں نگاہوں کے ترچھے تیر مراد بخش کے چہرے پر کھبے ہوئے تھے۔

مراد بخش کو جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا تاہم اسے چارپائی سے اچانک اٹھتا دیکھ کر ماسی بولی۔ "اڑے پٹ مرادے! اٹھ کیوں گیا..... بیٹھ تو سہی۔"

"نہیں ماسی! میں ذرا جلدی میں ہوں..... پیو نے مجھے ایک پیغام دیا تھا۔" وہ جھجکتے ہوئے ماسی کی طرف دیکھ کر بولا۔ مگر اس کی نظروں کا مدار ہر بار بدل جاتا..... وہ بڑی مشکل میں تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کے دل کا چور آنکھوں کے راستے ماسی مراداں پڑھ لے۔ "کیا پیغام پٹ.....؟" بالآخر ماسی نے اس سے پوچھا۔

"ماسی..... وہ ابا گوٹھ پیارو کھوسہ کے ایک زمیندار حاجی ارصلاح خان سے ملا تھا۔ وہ بہت اچھا' شریف اور غریبوں کا ہمدرد زمیندار ہے۔" مراد بخش بتانے لگا۔ ادھر سکھاں گم صم کھڑی ایک شہزادے کے لہجے کی گونجدار دھمک کو اپنے دل میں کسی ضرب

جب کی طرح محسوس کر رہی تھی..... اس کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں جن کی حلاوت مراد بخش کو بھی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اپنی پیشانی عرق آلود ہوتی محسوس کرنے لگا تھا حالانکہ موسم سردی کا تھا۔

"میرا ابا اور زمیندار ارصلاح خان تھانے جا کر میر نواز اور احمد نواز کو چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ بابا نے امید تو دلائی ہے کہ کام ہو جائے گا۔"

"کیا..... کیا تم سچ کہہ رہے ہو.....؟ میرے بھائی جیل سے چھوٹ جائیں گے.....؟" اپنے بھائیوں کی رہائی سے متعلق اس امید افزاء بات پر سکھاں نے بے اختیار مسرت بھرے لہجے میں مراد بخش کی طرف دیکھ کر کہا تو مراد بخش کو جیسے اپنی سماعتوں میں شہد سے زیادہ مٹھاس گھلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے ایک نظر اس کے معصوم چہرے پر ڈالی اور بے اختیار دل اس پری وش سے ہم کلام ہونے کو آمادہ بہ شوق ہوا۔ وہ بولا۔

"ہاں..... میں سچ کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے پوری امید ہے کہ یہ کام آسانی کے ساتھ ہو جائے گا۔"

"اڑے پٹ..... تیرے پیو (باپ) محمد بخش کا احسان ہم کبھی نہیں اتار سکتے۔" ماسی مراداں ممنونیت بھرے جذبات سے بولی۔ "ادا محمد بخش تو واقعی ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر آیا ہے۔"

"نہیں ماسی..... اس میں احسان کی کیا بات ہے..... یہ تو بابا کا فرض تھا..... یقین کرو اگر میں بابا کی جگہ ہوتا تو..... تو اس ذلیل انسپکٹر کو تھانے میں ہی اچھی طرح سبق سکھاتا۔"

سکھاں اس کے لہجے کی گھن گرج پر دنگ رہ گئی۔ اس کڑیل جوان کے لب و لہجے سے تحفظ کا سا احساس ہو رہا تھا۔ سکھاں کو اندر ہی اندر ایک عجیب سے فخر کا احساس ہونے لگا۔ اس کی نگاہوں میں مراد بخش ایک محبوب محافظ کی حیثیت سے نظر آنے لگا۔

"اچھا ماسی..... اب میں چلتا ہوں۔"

وہ جانے لگا..... سکھاں بے چین ہو گئی..... ماسی مراداں نے جلدی سے کہا۔

"اڑے پٹ..... ٹھہر تو..... تیرے لئے چاں پاڑیں کا تو بندوبست کر لوں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"نہیں ماسی..... اس کی ضرورت نہیں..... بابا نے مجھے جلدی واپس لوٹنے کو کہا تھا۔ اچھا خدا حافظ....." مراد بخش نے سلام کیا اور لوٹتے سے غیر ارادی طور پر اس کی نظریں سکھاں کی نظروں سے ٹکرائیں۔ دو پیاسی نگاہوں کا ملاپ ہوا پھر تو جیسے سمندر چھلک پڑے مگر ابھی ان بحر جذبات کو ایک ذرا انتظار درکار تھا۔

"پھر کب آؤ گے.....؟" سکھاں کی بے چین نگاہوں نے پوچھا۔

"میرا تو یہاں سے جانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا۔" مراد بخش کی نگاہ شوق نے جواب دیا۔

"تو پھر ایک لمحے کو ذرا ٹھہر کیوں نہیں جاتے؟" سکھاں کی نگاہ الفت نے سوال کیا۔

"سماجی مجبوری آڑے آتی ہے۔ کیا تم چاہتی ہو ہماری معصوم اور پاکیزہ محبت بدنام ہو؟"

"ہرگز نہیں! میرے سرجن! ہرگز نہیں....."

"جاؤں اب میں.....؟"

"ہاں جاؤ..... اللہ حافظ....."

"اللہ حافظ۔"

☆.....☆.....☆

"اڑے منشی جمعہ..... یہ بچل' مٹھو کے بارے میں کچھ بتانے جیسا ہوا یا نہیں؟" وڈیرے سالار خان نے اپنے تہبند کو درست کر کے دونوں ٹانگیں چارپائی پر سکیڑ کر سامنے مونڈھے پر براجمان منشی جمعہ خان سے کھرکھراتی آواز میں پوچھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا سائیں وڈا..... بچل نے اس رات قبرستان میں ایسا کیا دیکھ لیا ہے کہ جب سے اپڑیں حواسوں میں ہی نہیں ہے..... بس چڑیا سا ہو گیا ہے' کچھ بتاتا ہی نہیں۔" منشی نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے یہ بھی گیا کام سے؟"

"لگتا تو ایسا ہی ہے سائیں وڈا....." منشی نے گول مول سا جواب دیا۔

"تو ایک کام اور کر منشی....."

"حکم کرو سائیں....."

"وہ ہے نا اپڑاں گل شیر....."

"ہاؤ سائیں....."

"اسے میرے پاس بھیج ذرا....."

"سائیں وڈا..... کوئی پیغام اسے دینا ہو تو مجھے بتا دیں..... میں اسے کہہ دوں گا۔"

"ہا..... یہ صحیح ہے..... تو ایسا کر اسے ذرا بھٹ سائیں کے پیچھے تو لگا دے..... یہ اپڑاں مٹھو تو گیا کام سے' بچل بھی ہونے نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"برابر سائیں..... ہو جائے گا یہ کام....."

اثنائے راہ ایک چاکر اندر آیا اور دست بستہ مؤدبانہ انداز میں وڈیرے سے بولا۔ "سائیں بھوتار..... وہ سائیں کوڑیل شاہ آیا ہے۔"

وڈیرا اس اطلاع پر بری طرح چونکا اور پھر سیدھا ہو کر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے گرجدار لہجے میں بولا۔ "اڑے بابا بھیج اس کو اندر..... باہر کیوں کھڑا کیا ہے..... ہل ونج (جا)۔"

تھوڑی دیر بعد سائیں کوڑیل اوطاق میں داخل ہوا۔ اس کے ہمراہ دو چیلے اربیلو اور گوبھی تھے۔

"بھلی کرے آیو پیر سائیں..... بسم اللہ..... بسم اللہ....." وڈیرے نے اپنے دونوں ہاتھ استقبال کیلئے پھیلائے' کوڑیل شاہ سے بغلگیر ہوا۔ اس کے عقب میں وڈیرے کا وہی چاکر بھی ہاتھ باندھے حکم کا منتظر تھا..... وڈیرا اپنے اس چاکر سے بولا۔

"اڑے بابا تکڑا..... اپڑیں پیر سائیں کے واسطے چاں پاڑیں کا بندوبست کر..... ہل ونج۔" وہ چاکر مؤدبانہ انداز میں اپنا سر ہلاتا ہوا اوطاق سے نکل گیا۔

"آؤ..... آؤ پیر سائیں..... ادھر بیٹھو..... آپ کا تو دیدار ہی مہنگا ہو گیا ہے۔ ہم کو حکم کرتے' ہم حاضر ہو جاتے۔ آپ نے کیوں تکلیف کی..... آپ کی آمد سر آنکھوں پر۔"

"نہیں بابا! ایسی بات نہیں آپ بھی ہمارے لئے محترم ہو سائیں..... بس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک ضروری بات کرنی تھی اس لئے خود سیدھا آپ سے بات کرنے آ گیا۔" سائیں کوڑیل' وڈیرے کے ایماء پر ایک اونچے پشتے والے مونڈھے پر براجمان ہو گیا اور وڈیرا چارپائی پر۔ دونوں چیلے اربیلو اور مگو زمین پر بچھی صاف ستھری رلیوں پر بیٹھ گئے۔ سائیں کوڑیل نے گلا کھنکار کر صاف کیا پھر وڈیرے کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ "وڈیرا سائیں..... آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی مگر....." اس نے اپنا جملہ دانستہ ادھورا چھوڑتے ہوئے ترچھی نظروں سے منشی جمعہ خان کی طرف دیکھا۔

وڈیرا سالار خان فوراً اس بات اور رخ نظر کا مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔

"پیر سائیں..... جس طرح تیرے یہ دونوں خاص آدمی ہیں' بالکل اسی طرح یہ منشی بھی اپڑاں خاص ماڑوں ہے' آپ بلا جھجک بات کرو۔"

"وڈیرا سائیں..... جس بات سے میں تیرے کو آگاہ کرنے آیا ہوں' وہ بڑی خاص نوعیت کی ہے اور اس کا پتہ میں نے دن رات ایک کر کے بڑی کڑی ریاضت کے بعد چلایا ہے۔" سائیں کوڑیل کا لہجہ اچانک پراسرار اور سرگوشیانہ ہو گیا تھا۔

اس کی بات سن کر وڈیرا سالار خان ایک لمحے کو ٹھٹکا۔ اسے اب سائیں کوڑیل کی پہیلیوں میں یہ گفتگو الجھن آمیز بے چینی میں مبتلا کر رہی تھی تاہم اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب اس نے محمد ملوک نامی چھوکرے کو اپنی بیٹی سومری سمیت "کارا" کر کے قتل کرنا چاہا تھا تو محمد ملوک نامی وہ نوجوان روپوش ہو گیا تھا پھر اس نے سائیں کوڑیل سے اس بارے میں مدد چاہی تھی کہ وہ اپنے "علم" کے ذریعے اس نوجوان کا پتہ چلائے۔ یہ بہت پرانی بات تھی۔ وڈیرا وقتاً فوقتاً اس کام کے بارے سائیں کوڑیل سے پوچھتا رہتا تھا مگر اسے ہنوز کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی مگر آج بالکل غیر متوقع طور پر سائیں کوڑیل کو اپنے اوطاق میں دیکھ کر وڈیرا سالار خان خوش ہو گیا تھا اور جان گیا تھا کہ سائیں کوڑیل ضرور کوئی خاص خبر لایا ہے کیونکہ اس کا اچانک آنا خالی از علت نہ تھا۔ اور جب سائیں کوڑیل نے وڈیرے سے خاص نوعیت کی خبر سنانے کا کہا تو وڈیرا جلدی سے باچھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ "ہاؤ..... ہاؤ سائیں بولو..... میں سن رہا ہوں اور..... مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آپ کو اس کام میں کتنی محنت کرنی پڑی ہے۔"

"اس چھوکرے محمد ملوک کا ہم نے پتہ چلا لیا ہے جسے تو نے آپڑیں بیٹی سومری کے ساتھ "کارا" کیا تھا اور جو بعد میں فرار ہو گیا تھا۔" سائیں کوڑیل نے جیسے اچانک انکشاف کیا۔

"اچھا سائیں! یہ تو بڑی بات بتا دی آپ نے..... مجھے ایک بار اس کمینے کا پتہ چل جائے' میں اسے خون میں نہلا دوں گا۔" وڈیرا عالم طیش میں دانت پیستے ہوئے بولا۔

"مگر وڈیرا سائیں اس بار اس چھوکرے کو ہلاک کرنا تیرے لئے اتنا آسان نہ ہو گا کیونکہ وہ بہت بڑی طاقت بن چکا ہے۔" سائیں کوڑیل کے سنجیدہ اور پراسرار لہجے نے وڈیرے سالار خان کو بری طرح چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ قدرے حیرت آمیز الجھن سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہو پیر سائیں.....؟"

"ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں..... وہ بہت بڑی طاقت اختیار کر چکا ہے۔ اس کے ساتھ اب تمہیں سوچ سمجھ کر نمٹنا ہو گا۔" سائیں کوڑیل مل نے کہا۔ اس کی نظریں خلا میں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔ ادھر وڈیرا سالار خان بدستور الجھن آمیز پریشانی کے ساتھ سائیں کوڑیل کا چہرہ دیکھنے لگا۔

پھر وہ بے چین لہجے میں سائیں کوڑیل سے بولا۔ "آخر پتہ تو چلے پیر سائیں کہ مردود ہے کدھر اور....." اس نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

سائیں کوڑیل متانت آمیز پراسراریت سے بولا۔ "بھٹ سائیں کے بارے میں تو جانتے ہو ناں.....؟"

"ہاؤ..... جانتا ہوں۔" وڈیرے کو اپنی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"وہی تو محمد ملوک ہے وڈیرا سائیں....."

"مجھے پہلے ہی اس مردود پر شک تھا کہ یہی محمد ملوک ہو گا۔" وڈیرا یہ کہتے ہوئے یکدم طیش میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور منشی جمعہ خان کی طرف ایک نظر ڈالی۔ وہ بھی وڈیرے کی طرف ایسی فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو "سائیں وڈا..... میری بات درست ثابت ہوئی ناں؟"

"اڑے منشی..... بابا جلدی کر..... میری دو نالی بندوق تو لے کر آ..... میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ابھی اسے خون میں نہلا کر آتا ہوں۔"

سائیں کوڑیل شاہ ہاتھ کے اشارے سے گمبھیر لہجے میں وڈیرے کو بیٹھنے کا کہتے ہوئے بولا۔"بیٹھ جاؤ وڈیرا سائیں.....اب تمہیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا ہوگا۔"

"پیر سائیں! مجھے اس کی پروا نہیں کہ پورے گوٹھ والے اس کے مرید بن چکے ہیں اور اگر میں نے محمد ملوک کے بھیس میں بھٹ سائیں کو ہلاک کر دیا تو پورے گوٹھ والے میرے خلاف ہو جائیں گے۔" وڈیرے نے نخوت آمیز طیش سے کہا۔غصہ اور آتش انتقام سے وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔

"اڑے بابا تو سمجھتا کیوں نہیں' پہلے میری پوری بات تو سن لے یا پھر میں چلا جاؤں.....؟" سائیں کوڑیل نے وڈیرے کی طرف دیکھ کر کہا تو وڈیرا سالار کچھ سوچ کر' چارپائی پر بیٹھ گیا۔تاہم اب بھی اس کا پورا وجود غصے کی زیادتی کے باعث مرتعش تھا۔

"یہ بات اگرچہ اپنی اپنی جگہ درست ہے کہ محمد ملوک بھٹ سائیں کے بھیس میں پورے گوٹھ والوں کیلئے روحانی شخصیت اختیار کر چکا ہے لہٰذا اس طرف سے بھی تمہیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا اب اس کے خلاف مگر اس کی اصل طاقت اب بھی تیرے کو پتہ نہیں اس لئے کہتا ہوں اگر تو نے ہوش کے بجائے جوش سے کام لیا تو خود اپڑاں نقصان کر بیٹھے گا وڈیرا سائیں۔"

"آخر پتہ تو چلے پیر سائیں.....اس کے پاس آخر ایسی کونسی طاقت آ گئی ہے جو....."

"تیری سوچ سے بھی بڑھ کر طاقت ور ہو چلا ہے.....اتنا کہ.....خود میں اگر اس پر ہاتھ ڈالنا چاہوں تو.....کئی بار مجھے سوچنا پڑے گا.....تو سمجھتا کیوں نہیں۔"

سائیں کوڑیل کی اس گفتگو سے پہلی بار وڈیرے کے چہرے پر غصے اور طیش کی جگہ الجھن نے لے لی تھی۔کوڑیل شاہ نے ایک طویل ہنکاری بھری پھر گمبھیر لہجے میں وڈیرے کو بتانے لگا۔

"محمد ملوک یعنی بھٹ سائیں کو کالے علم اور سفلی علم پر دسترس حاصل ہو گئی ہے اور اس نے اپنی جان کی حفاظت کیلئے ایک انتہائی طاقتور بدروح کو اپنا محافظ بنا رکھا ہے

اور وڈیرا سائیں تمہارے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ شیطانی طاقتوں کی حامل بدروح درحقیقت کون ہے۔"

"ک.....کون ہے وہ....." وڈیرے کے منہ سے بے اختیار نکلا..... وہ ہونقوں کی طرح کوڑیل شاہ کا چہرہ تکنے میں محو تھا۔اسے کوڑیل شاہ کی بات پر پورا یقین تھا کہ وہ غلط ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ خود اسے کالے علوم کے توڑ کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

"وہ شیطانی طاقتوں کی حامل بدروح.....تیری بیٹی.....سومری.....کی روح ہے جسے تو نے محمد ملوک کے ساتھ "کاری" کا الزام لگا کر خود اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا تھا۔" سائیں کوڑیل شاہ نے جیسے دھماکہ کیا۔وڈیرا سناٹے میں آ گیا اسے یوں لگا جیسے اوطاق کی بلند چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔

"پپ.....پیر سائیں یہ آپ کیا کہہ رہے ہو؟" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"صحیح کہہ رہا ہوں میں' بالکل بھلا میری بات غلط ہو سکتی ہے۔" سائیں کوڑیل وڈیرے کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے بولا؟ اور اضافہ کیا۔"میرے اس معاملے میں ہاتھ ڈالنے سے اب وہ بدروح میری بھی دشمن ہو گئی ہے اس لئے تو میں کہتا پڑا ہوں کہ بہت سوچ سمجھ کر اور ہوش و حواس میں رہتے ہوئے ہی.....ان دونوں سے نمٹنا ہو گا.....ورنہ تیری جلد بازی تیرے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے گی۔"

"برابر پیر سائیں برابر.....آپ جیسا کہو ویسا ہی ہو گا مگر یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی ہے کہ میری بیٹی سومری کی روح میری دشمن ہو گئی ہے۔

وڈیرے کے لہجے میں بچکانہ حیرت تھی جسے محسوس کرتے ہوئے سائیں کوڑیل طنزیہ مسکراہٹ سے بولا۔"کیوں تو نے اپڑیں دھی کو پھولوں کے ہار پہنائے تھے جو تیری دشمن نہیں ہو سکتی.....تو یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ تو نے بڑی بے دردی کے ساتھ اپنی بیٹی سومری کا قتل کیا تھا.....خیر.....اب چھوڑ ان باتوں کو' میرے آنے کا مقصد دراصل ایک یہ بھی تھا کہ میں تجھے خبردار کر دوں کہ اب تیری بیٹی کی روح ایک شیطانی طاقت بن چکی ہے۔یہ طاقت تیرے دشمن محمد ملوک یعنی بھٹ سائیں کے قابو میں آ چکی ہے اب تو اس سے کیا بدلہ لے گا انتقام تو اب یہ دونوں مل کو تجھ سے لینے والے ہیں مگر لگتا ہے شاید تجھے میری باتوں کا یقین نہیں آیا۔" سائیں کوڑیل نے گویا اپنی بات کی اثر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پذیری ''جانچنے'' کیلئے دانستہ آخر میں ایسا کہا اور بھانپتی نظروں سے وڈیرے سالار خان کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے آتش غیظ کا الاؤ سلگ رہا تھا مگر اب اس کی جگہ انجانے خوف کی کپکپاہٹ طاری ہوگئی تھی۔

''میرا مقصد' تجھے خوف زدہ کرنا نہیں ہے وڈیرا سائیں۔'' اپنی گفتگو کی خاطر خواہ اثر پذیری کا اندازہ کرنے کے بعد..... سائیں کوڑیل نے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کسی طرح ان دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے مگر تمہیں بہرحال محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' سائیں کوڑیل نے یہ کہہ کر جیسے وڈیرے سالار خان کی مشکل آسان کر دی۔ یہ سربہ سر اور حیرت انگیز حقیقت تھی کہ سائیں کوڑیل کی باتوں نے وڈیرے سالار خان جیسے باجبروت اور متکبر شخص کو خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ کوڑیل کی بات سن کر جلدی سے بولا۔ ''بابا پیر سائیں پھر تم ہی کچھ کرو بس کوئی ایسا علم پڑھو کہ سانپ بھی مر جائے' لاٹھی بھی بچ جائے۔ محمد ملوک کا بھی خاتمہ ہو جائے اور میرا انتقام بھی پورا ہو جائے ورنہ گوٹھ والے بھی سمجھ رہے ہوں گے' کہ وڈیرا سالار خان ابھی تک ایک ''کارو'' چھوکرے کو ہلاک نہیں کر سکا لیکن میں قتل کروں گا اسے اپنے ہاتھوں سے..... اور گوٹھ والوں کے سامنے اس کی لاش دکھاؤں گا تاکہ انہیں بھی پتہ چل جائے کہ ہماری عزت پر ہاتھ ڈالنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے؟''

''ہوں..... ایسا ہی کچھ کرتے ہیں۔'' سائیں کوڑیل نے ہنکاری لی۔ ''تم ایک کام کرو..... سائیں..... کسی طرح..... محمد ملوک کو اس صحرائی جھونپڑی سے اٹھوا لو اور پھر مجھے اطلاع کر دو میں فوراً چلا آؤں گا اور اسی کے ذریعے سومری کی بدروح کو بھی بآسانی قابو کیا جا سکتا ہے۔''

سائیں کوڑیل کی بات پر وڈیرے سالار خان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ فوراً بولا۔ ''یہ کام میں آج ہی کر ڈالوں گا۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' سائیں کوڑیل رخصت ہونے کیلئے اپنی جگہ سے اٹھا۔ ''جیسے ہی تم یہ کام کر ڈالو مجھے راتوں رات اطلاع کر دینا' میں چلا آؤں گا اور اس پر ایک خاص علم آزماؤں گا۔''

''چنگا..... چنگا.....'' وڈیرا سالار خان خوش ہو کر بولا۔ سائیں کوڑیل جا چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات سر پر آتے ہی اچانک دھواں دھار بارش شروع ہوگئی۔

سائیں کوڑیل..... وڈیرے سالار خان کی اوطاق سے واپس اپنے گھر لوٹا تو فاصا پرجوش تھا وہ اس بات پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا کہ اس نے بھٹ سائیں اور سومری کی بدروح سے متعلق پراسرار حقیقت سے پردہ اٹھا دیا تھا اور اب اس کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح سومری کی روح کو اپنے قابو میں کر لے..... کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک بار وہ بدروح اس کے قابو میں آ گئی تو وہ ناقابل شکست ہو جائے گا بلکہ اس روح کو اپنا غلام بنا کر اپنی مرضی کے مطابق اس سے کام لے گا۔ خوب مال و دولت اکٹھی کرے گا مگر وہ بھی جانتا تھا کہ سومری کی بدروح کو قابو کرنا کچھ آسان بھی نہیں بہرطور اسے اپنے علم پر بھی پورا بھروسہ تھا۔ گھر آتے ہی اپنے گھر کے پچھواڑے کچی کوٹھڑی میں جا بیٹھا۔ کمرے میں بالکل اندھیرا کر کے انگیٹھی جلا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ بدہیئت مکروہ ہونٹ متحرک تھے ذرا ذرا دیر بعد وہ فضا میں اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے ایک چٹکی بھرتا پھر سلگتی ہوئی انگیٹھی کے بھڑکتے ہوئے شعلے کمرے کی چھت تک پہنچ جاتے۔ یہ عمل وہ ذرا ذرا دیر بعد کر رہا تھا۔ باہر شرانے دار بارش جاری تھی۔ بادلوں کی ہیبت ناک گڑگڑاہٹ اور بجلی کی گرج چمک سے دل ہول رہا تھا۔ کچی کوٹھڑی کی دیواریں شعلوں کی حدت سے سرخ ہو رہی تھیں جس کوٹھڑی میں سائیں کوڑیل اپنے ''کام'' میں مصروف تھا اس کا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا تھا۔

اچانک باہر زور سے بجلی کے کڑکنے کی دل ہلا دینے والی آواز ابھری اور ٹھیک اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ سائیں کوڑیل اپنے جاپ میں محو تھا اس لئے دستک اس کے کانوں تک نہیں پہنچی مگر پھر دوسرے ہی لمحے دروازے پر دوبارہ اور سہ بارہ حتیٰ کہ لگاتار دستک ہونے لگی تو سائیں کوڑیل نے یک دم اپنی آنکھیں کھول دیں۔ سلگتی ہوئی انگیٹھی کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے شعلوں کی حدت سے اس کا کالا سیاہ چہرہ انتہائی ڈراؤنا نظر آ رہا تھا۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا تاہم وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

☆.....☆.....☆

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سائیں کوڑیل کو اس وقت کسی کی مداخلت بڑی گراں گزری تھی مگر وہ خود پر جبر کر کے دروازے کے قریب آیا اور قدرے تیز آواز میں بولا۔ ”کون ہے.....؟“

مگر اس کی آواز شاید باہر طوفان باد و باراں کے شور میں دب گئی تھی کیونکہ دوسری طرف سے خاموشی چھائی رہی تھی۔

”اڑے بابا بولتے کیوں نہیں..... کون ہے.....؟“ اس بار سائیں کوڑیل نے پہلے سے بھی بلند آواز سے قدرے بیزار ہو کر پوچھا تو دوسری طرف سے کسی کے یوں بولنے کی آواز ابھری جیسے وہ میلوں سفر طے کر کے آیا ہو۔

”دروازہ کھولو بابا! ہم مسافر ہیں..... بڑی مہربانی ہو گی..... اس طوفانی رات میں اپنے یہاں پناہ دے دو۔“

سائیں کوڑیل کو یہ سن کر بڑا طیش آیا لہٰذا وہ اسی لہجے میں غصے سے پھنکار کر بولا۔ ”جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے..... یہ کوئی سرائے ہے کہ رات کو ہماری نیند خراب کرنے آ گئے جاؤ آگے.....“

اس کے درشت لہجے پر دوسری طرف لمحے بھر کو خاموشی چھائی رہی' اس کے بعد وہی آواز ابھری۔ اس بار آواز عجیب و غریب لب و لہجے کی ٹھاری کر رہی تھی۔

”بابا..... ناراض کیوں ہوتے ہو..... اتنا تو ہم بھی جان گئے ہیں کہ تم اندر بیٹھے آگ تاپ رہے ہو اور کیوں تاپ رہے ہو' یہ بھی ہم جانتے ہیں..... اچھا کوئی بات نہیں بابا..... کوئی بات نہیں.....“

یہ سن کر سائیں کوڑیل کا ماتھا ٹھنکا..... اس کا منہ حیرت کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ ذرا دیر پہلے کی درشتگی بھاپ بن کر ہوا ہو گئی۔ اس نے بہ سرعت کنڈی کھول

کر دروازہ وا کیا..... سامنے دھواں دھار برستی تاریکی میں اسے دو جھکے جھکے ہیولے نظر آئے جو واپس لوٹ رہے تھے۔

بجلی یکبارگی چمکی تو اس کی چندھیا دینے والی تیز روشنی میں سائیں کوڑیل نے دیکھا کہ وہ دونوں کوئی عمر رسیدہ اور کمر خمیدہ مرد و عورت تھے۔ شاید میاں' بیوی جنہوں نے اپنے کاندھوں پر بقچیاں بھی اٹھا رکھی تھیں۔

سائیں کوڑیل نے فوراً انہیں آواز دی۔ ”اے ٹھہر جاؤ بابا.....“

اس کی آواز سن کر وہ دونوں عمر رسیدہ مسافر میاں' بیوی رکے اور پلٹ کر کوڑیل کی طرف دیکھا..... ٹھیک اسی لمحے بجلی کڑکی اور سائیں کوڑیل ان کا چہرہ دیکھ کر بری طرح ٹھٹک گیا..... ان دونوں پراسرار میاں' بیوی کے چہرے انتہائی ڈراؤنے تھے..... جھریوں بھرے سیاہ لمبوترے اور استخوانی چہرے..... گدھ کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں وحشت سی ناچتی ہوئی..... جٹادار بال۔

سائیں کوڑیل نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔ ”آؤ..... آؤ..... آ جاؤ.....“ وہ دونوں ضعیف میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف معنی خیز مسکراہٹوں سے دیکھتے ہوئے واپس پلٹے اور سائیں کوڑیل ان دونوں کو اندر لے آیا اور دروازہ بند کر دیا۔

”لے بالکے..... لگتا ہے تو کسی کالے منتر میں مصروف تھا..... کیا آتما شکتی حاصل کرنا چاہتا ہے؟ پر اس میں تو بڑا جیون کشٹ کرنا پڑتا ہے۔“ بوڑھے نے سلگتی ہوئی انگیٹھی کی طرف بغور دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ بوڑھا اردگرد بکھرے ہوئے جنتر منتر سے متعلق دیگر لوازمات خبیثہ کو بھی بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ صحن میں انسانی کھوپڑی' کچھ مردہ جانوروں کی ہڈیاں اور ان کے اندرونی جسم کے اعضاء بھی شامل تھے۔ ایک غلاظت بکھری تھی جو مجموعی طور پر اس تاثر کو ہوا دیتی تھی کہ یہاں سفلی علوم پر کام ہو رہا ہے۔

سائیں کوڑیل پراسرار بوڑھے کے معنی خیز تبصرے پر چونکا۔ اب وہ متاثر نظر آنے لگا تھا اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ بوڑھا کوئی اونچی چیز ہے ورنہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ کوٹھڑی کے اندر کیا ہو رہا تھا۔ تاہم سائیں کوڑیل نے ایک اور بات بھی محسوس کی تھی کہ یہ دونوں میاں بیوی شکل و صورت اور لب و لہجے سے کسی اور ہی علاقے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے معلوم ہو رہے تھے' مقامی ہرگز نہیں تھے۔ پہلا خیال اس کے ذہن میں خانہ بدوشوں کا ابھرا تھا۔

"آ..... آپ نے بالکل صحیح کہا مہاراج..... بس میرے جیون کی ایک ہی اچھا (آرزو) ہے کہ کسی طرح میں آتماشت ہو جاؤں۔" سائیں کوڑیل نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے دانستہ اس خانہ بدوش بوڑھے کے انداز میں اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اگر آ..... آپ کی دیا حاصل ہو جائے تو اپنے بھی پوہ بارہ ہو جائیں مہاراج....."

خانہ بدوش بوڑھے کے باریک ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ رقصاں ہو گئی یہ لوگ اب فرش پر بچھی رلی پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ بوڑھے نے اپنی بیوی سے کہا۔ "دیکھ لیا پوپری! تو نے..... کالے علم کی دھوم یہاں بھی کم نہیں..... تو کہتی تھی کہ مستونگ کی گپھاؤں سے نکلیں گے تو لوگ ہمیں پتھروں سے لہولہان کر ڈالیں گے۔"

سائیں کوڑیل اس کی بات سن کر چونکا۔ اس نے انگیٹھی میں سے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پہلی بار ان دونوں کا گہری نظروں سے جائزہ لیا تو اس کی روح تک کانپ گئی۔ "کوڑھ..... یہ دونوں میاں بیوی کیا کوڑھی تھے؟" ایک لرزیدہ خیال سائیں کوڑیل کے ذہن میں ابھرا تھا۔ اسے اب ان دونوں پراسرار عمر رسیدہ میاں بیوی کے چہرے اور ہاتھوں میں کوڑھ کے بڑے بڑے آبلے نما جلے داغ صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ انہوں نے شلوکے نما قمیصیں اور کھلے پائنچوں والے پاجامے پہن رکھے تھے۔ دونوں کو دیکھ کر ایک لمحے کیلئے دل میں کراہیت کا احساس ابھرتا تھا مگر سائیں کوڑیل کو جانے کیوں یہ دونوں میاں بیوی اپنے "کام" کے محسوس ہوئے تھے۔ اس نے بوڑھے کی بات سے اتنا تو اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ دونوں کسی قبیلے کے دھتکارے ہوئے افراد تھے۔ اور یہ بلوچستان کی پہاڑیوں یا مستونگ کی بے آب و گیاہ تاریک گپھاؤں میں رہتے تھے۔ اور اب ہجرت کر کے یہاں سندھ کے علاقے میں آ گئے تھے۔

"مہاراج!..... آپ یوں سمجھیں اب آپ اپنے قدردان کے پاس پہنچ گئے ہیں۔" اپنے خیالات جھٹک کر سائیں کوڑیل نے خوشامدی لہجے میں کہا۔ "مجھے لگتا ہے آپ میری مدد ضرور کریں گے مہاراج!....."

"ہا..... ہا..... بابا..... کیوں نہیں! ہم تیری مدد کریں گے..... ضرور کریں گے..... لگتا ہے تو بھی اپڑیں طرح سامری فن جانتا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"آ..... آپ بیٹھو آرام سے مہاراج!..... میں ابھی تمہارے واسطے مانی ٹکر لے کر آتا ہوں۔" سائیں کوڑیل نے کہا اور اندرونی دروازے کے ذریعے وہ اپنے گھر کے صحن میں آ گیا۔ یہاں برآمدہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اندر ایک ساتھ دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک میں اس کی بیوی عنایتاں محوِ خواب تھی۔ وہ اسے جگانے کیلئے اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

مراد بخش' سکھاں کے گھر سے لوٹا تو جیسے اس کی دنیا ہی بدل گئی تھی..... اپنے گھر کی واپسی تک سارے راستے وہ چشمِ تصور میں سکھاں کے معصوم' حسین سراپے کو سوئے ہوئے تھا۔ اسے آج پتہ چلا تھا کہ قوسِ قزح کے دھنک رنگ کیا ہوتے ہیں۔ کڑی دھوپ میں چھاؤں کیا معنی رکھتی ہے؟ بعد شب شبنمی شبنمی سحر نو دمیدہ کیا ہوتی ہے؟ دیدارِ محبوب سے پہلے اس کی زندگی کتنی بے رنگ اور روکھی پھیکی تھی۔ ایک چالو مشین کی طرح..... وڈیرے کے ٹریکٹر کی طرح..... موج دین کے ہل کی طرح..... سورج نکلنے سے ذرا دیر پہلے اور ڈوبنے تک کام ہی کام اور پھر واپس گھر..... غرض گھر سے کھیت اور کھیت سے گھر..... یکسانیت' بیزار کن زندگی..... مگر اب سکھاں نے اس کی ویران اور صحرا زدہ زندگی میں جیسے رنگ ہی رنگ بکھیر دیئے تھے۔ چاہت کے رنگ..... عالم دیوانگی' فرزانگی میں جب وہ اپنی ہی دھن میں اپنے تئیں ایک نئی و حسین اور رنگ بھری دنیا ایجاد کیے گھر پہنچا تو اس ستم ایجاد کی ستم کاری کچھ اس طور پر رونما ہوئی کہ گھر پہنچنے پر باپ محمد بخش نے اس سے پوچھا۔

"پٹ..... ماسی مراداں کو پیغام دے کر اسے تسلی تو کرا دی تھی ناں.....؟" تو مراد بخش ایک لمحے چونک سا گیا اور بھول گیا کہ ماسی مراداں کے پاس کیوں گیا تھا لہٰذا نروڑا کر اس کے منہ سے بے ربط سے الفاظ برآمد ہوئے۔

"آں..... ہاں..... کک..... کیا بابا..... ماسی مراداں کون.....؟"

اس کے باپ محمد بخش کا ماتھا ٹھنکا..... وہ گھور کر اپنے جوان اور کڑیل بیٹے کا کھویا کھویا چہرہ تکنے لگا۔ وہ اپنے بیٹے مراد بخش سے بہت محبت کرتا تھا اور کرتا بھی کیسے ناں..... بھری بے مہر دنیا میں صرف یہی ایک بازو تو تھا اس کا' جسے دیکھ دیکھ کر وہ صبح و شام جیتا تھا۔ بیوی تو عرصہ ہوا مر چکی تھی۔ مراد بخش وڈیرے کے فارم میں کام کرتا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دو کمروں کے ایک کچے گارے مٹی کے گھر میں دونوں باپ بیٹے رہتے تھے۔

"اڑے چھوکرا..... خیر تو ہے نا بخار تو نہیں ہو گیا تیرے کو..... ادھر آ ذرا....." محمد بخش نے کسی قدر تشویش آمیز لہجے میں کہا اور بیٹے کی پیشانی پر الٹا ہاتھ رکھ کر بخار کی حدت جانچنے لگا۔ محمد بخش کو بیٹے کی پیشانی واقعی تپتی محسوس ہوئی تھی مگر بخار کی حدت سے نہیں محبت کی حلاوت سے..... طرفہ تماشا یہ تھا کہ مراد بخش ابھی تک گڑبڑایا ہوا تھا..... سکھاں کا پیکر حسن ہنوز اس کے دل و دماغ میں محو رقص تھا۔ اس عالم فرزانگی میں وہ اپنے کمرے میں آ کر رلی بچھی چارپائی پر لیٹ گیا۔ محمد بخش حیران و پریشان اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

دو گھنٹے آرام کے بعد جب مراد بخش نیند سے جاگا تو ذرا خالی الذہن اور پرسکون سا نظر آنے لگا۔ باپ بیچارہ ابھی تک پریشان' پریشان سا پائنتی بیٹھا تھا۔

"بابا..... خیر تو ہے..... تم ادھر بیٹھے ہو.....؟ کیا میں نے تمہیں ماسی مراداں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟" اس نے چونکتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"توں اپڑیں سدھ میں کدھر تھا..... کچھ بتا ہی نہیں رہا تھا کہ تو نے ماسی مراداں سے کیا کہا؟" محمد بخش نے کہا۔

مراد بخش جیسے سب کچھ سمجھتے ہوئے ہولے سے مسکرا دیا پھر رسان کے ساتھ بولا۔ "ہاں بابا ..... میں نے ماسی مراداں کو تسلی کرا دی تھی اور تیرا پیغام بھی دے دیا تھا..... بیچاری دونوں ماں بیٹی خوش ہو گئی تھیں۔"

"ماں' بیٹی اڑے پٹ....." محمد بخش بولا۔ "ماسی مراداں سکھاں کی ماں نہیں ہے۔" یہ کہتے ہوئے بیٹے کو سکھاں سے متعلق ساری بات بتا دی اور جب مراد بخش کو یہ پتہ چلا کہ ذلیل انسپکٹر عالی جاہ نے سکھاں کی مجبوری سے کھیلنے کی کوشش کی تھی تو وہ بری طرح چونک گیا۔ فطری طور پر مراد بخش ایک ٹھنڈے دل و دماغ کا شخص تھا بلاوجہ کسی سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا لیکن سکھاں والے معاملے نے ایک لمحے کو اسے بھی طیش میں مبتلا کر دیا مگر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے کے علاوہ وہ اور کیا کر سکتا تھا۔ تاہم وہ جب باپ سے مخاطب ہو کر بولا تو غیظ کی تپش اس کے لہجے سے مترشح تھی۔ "بابا..... یہ تو کھلم کھلا زیادتی ہے..... قانون کے ایک محافظ نے تھانے میں اپنے کمرے کے اندر ایک ایسی مجبور اور مصیبت کی ماری کمزور لڑکی کی عزت کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی جس

بیچاری کا باپ بھی قتل ہوا اور اب بجائے پولیس اس کے قاتل کو پکڑتی الٹا سکھاں کے دونوں بھائیوں کو جھوٹے الزام میں دھر کر لے گئی۔ بابا!..... آپ نے واقعی ایک بہت بڑا نیکی کا کام کیا..... نوکری کی بھی پروا نہیں کی..... بہت اچھا کیا آپ نے..... مگر میرا تو خیال ہے اس شیطان کی شہر کے بڑے افسر کو شکایت کرنی چاہئے۔"

"ہاؤ پٹ..... دل تو میرا بھی یہی کرتا ہے۔" محمد بخش نے بھی برہم ہو کر کہا۔ "پر تو گڑتی (فکر) نہ کر..... اپڑاں زمیندار حاجی ارصلاح خان بڑا ہی غریب پرور اور نیک نفس انسان ہے۔ اس نے سکھاں کی مدد کا فیصلہ کیا ہے۔ کل تک وہ اپنی ذاتی مہانت پر اس کے دونوں بھائیوں کو چھڑا لائے گا تھانے سے..... بس دعا کر اس خبیث نے ان دونوں غریب بھائیوں کے خلاف چالان نہ بنا دیا ہو۔"

"ویسے بابا..... انسپکٹر نے تجھے اس نیک کام کی سزا تو دی ہو گی؟" ذہن کی فوری خیالی کے تحت اس کے بیٹے نے پوچھا۔

محمد بخش کے چہرے پر بڑی آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ابھی تک تو سزا نہیں دی..... پر مجھ پر وہ مردود ادھار کھائے بیٹھا ہے۔"

"میرا تو خیال ہے بابا تو اس کی نوکری پر تین حرف بھیج دے تجھے بھلا نوکری کی کیا ضرورت ہے میں ہوں ناں..... تیرا بیٹا کما رہا ہے تو مزے سے آرام کر۔"

بیٹے کی بات سن کر محمد بخش کا سینہ فخر سے پھول گیا اور وہ شفقت سے بولا۔ "اللہ سائیں تجھے لمبی عمر دے تو میری حیاتی ہے پھر میں بیکار بیٹھ کر بیمار پڑ جاؤں گا۔ ایسے بھی میں اس کا نوکر تھوڑا ہی ہوں..... سرکار کا نوکر ہوں..... پٹے والا (چپڑاسی) ہوں تو کیا ہوا' ہوں تو محافظ ناں..... میں دراصل اس شیطان کے کرتوتوں پر نگاہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ وہ پھر کسی مجبور لڑکی کی عزت پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔"

"مگر بابا..... تیری سنے گا کون..... وہ تیرا افسر ہے اور تو.....؟"

"تو مجھے کیا سمجھتا ہے ڑے؟" محمد بخش پیار سے بیٹے کے بال سہلاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"میری ایک آواز پر پورا گوٹھ ایسے شیطان خصلت افسر کے خلاف اکٹھا ہو جائے گا..... ابھی میری نیک نامی پر داغ نہیں لگا ہے اور یہ عزت اللہ سائیں کی دی ہوئی ہے کسی انسان کی نہیں....."

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہاؤ بابا سائیں..... تو ٹھیک کہتا ہے۔"

"اچھا ایک بات تو بتا پٹ!" محمد بخش بولا۔

"ہاں بابا..... پوچھو۔"

"یہ ماسی مراداں کے گھر سے واپسی پر تجھے کیا ہو گیا تھا..... عجیب بہکی بہکی باتیں کرنے لگا تھا..... کہیں اس بڑھیا نے تیرے کو صوفی بوٹی (بھنگ) تو نہیں پلا دی تھی؟"

مراد بخش' باپ کی بات سن کر جھینپ سا گیا پھر اس سے نظریں چراتے ہوئے سر کھجا کر بولا۔

"پتہ نہیں بابا..... مجھے کیا ہو گیا تھا شاید جن چڑھ گیا تھا۔"

محمد بخش نے بھی دھوپ میں بال سفید نہیں کئے تھے۔ اسے بعد میں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا جوان بیٹا کس کے خیال میں کھو گیا تھا۔ لہٰذا پیار سے اس کا کان کھینچتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"خوب جانتا ہوں تیرے اس "جن" کو میں..... اپڑیں بابا سے بھی دل کی بات چھپاتا ہے نالائق! اچھا بتا سکھاں اچھی لگی ہے تیرے کو؟" محمد بخش نے گھاگ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

مراد بخش نے جھکے جھکے سر کے ساتھ شرماتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں بابا....." یہ کہہ کر وہ پھر باپ سے نظریں نہ ملا سکا اور کوٹھڑی سے نکل بھاگا۔

"الو کہیں کا..... عورتوں کی طرح شرماتا ہے۔ اڑے میں تو تیری ماں کا رشتہ لینے دلیری کے ساتھ سیدھا تیرے نانا' نانی کے پاس جا دھمکا تھا۔" محمد بخش نے چلاتے ہوئے کہا اور دیر تک ہنستا رہا اور اپنا سر دھنتا رہا۔

☆.....☆.....☆

رات بھر گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش ہوتی رہی تھی۔ اگلے دن جل تھل ہو چکا تھا..... فضا میں سردی کی کاٹ میں بھی اضافہ ہو چلا تھا۔ دانت بجنے اور ہڈیاں کڑکڑانے لگی تھیں..... حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ریگزار بارش کا پانی پی چکے تھے تاہم کہیں کہیں ریت کے آبدار ذرے چمکتے نظر آ رہے تھے۔ اونچے جبل بھٹ پر جدھر بھٹ سائیں کی جھونپڑی تھی' گہری خاموشی کا راج تھا۔ وہی کیا آس پاس کا پورا ماحول

ہی ہولناک سکوت میں ڈوبا ہوا تھا..... دفعتاً جھونپڑی سے چالیس پچاس قدموں کے فاصلے پر..... ایک گرانڈیل انسانی سایہ نمودار ہوا جو گردوپیش پر چوکنی نظریں ڈالتا ہوا بالکل چوروں کے سے انداز میں آہستہ آہستہ بھٹ سائیں کی جھونپڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ پراسرار انسانی سایہ گل شیر تھا جسے وڈیرے سالار خان نے اپنے گرو گھنٹال سائیں کوڑیل کے ایما پر آج رات ہی بھٹ سائیں یعنی محمد ملوک کو اس کی جھونپڑی سے اٹھوانے کا پیغام بھیجا تھا۔ گل شیر کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اس لئے اس نے اس "آسان کام" کو اکیلے ہی سرانجام دینے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ یہ اس کی توہین تھی کہ وہ ایک مجذوب کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے اٹھائے حالانکہ منشی جمعہ خان نے گل شیر کو اس پراسرار حقیقت کے بارے میں بھی آگاہ کر دیا تھا کہ یہ مجذوب درحقیقت کوئی عام انسان نہیں ہے..... اس کے قبضے میں بدروحیں ہیں جو اس کی محافظ ہیں مگر گل شیر نے منشی جمعہ خان کی اس بات کو ہنسی میں اڑا دیا تھا اور اپنی طاقت کے زعم میں اکیلا ہی اس وقت یہ معرکہ سر کرنے نکل کھڑا ہوا تھا۔

وہ اب بھٹ سائیں کی جھونپڑی کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ اسے صرف ایک ہی بات کا خدشہ تھا کہ کہیں یہ کام انجام دیتے ہوئے گوٹھ کے کسی بھولے بھٹکے آدمی کی نگاہ نہ اس پر پڑ جائے ورنہ پورے گوٹھ کے لوگ اس کی تکا بوٹی کرنے میں ذرا بھی تامل سے کام نہیں لیں گے مگر گل شیر جانتا تھا کہ اس سے بھٹ سائیں کے کسی بھی سائل کی موجودگی ناممکن تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ بھٹ سائیں مردم بیزار قسم کا مجذوب ہے اور رہتا بھی تنہا ہی ہے اپنی جھونپڑی میں۔

گل شیر جھونپڑی کے بالکل قریب پہنچ کر رکا..... ایک نظر اپنے گردوپیش پر ڈالی۔ ایکا ایکی اس نے محسوس کیا کہ پہلی بار اس کے دل میں ایک انجانے خوف نے سر ابھارا تھا اور غیر محسوس طور پر اس کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی اس یکبارگی دل میں اٹھنے والی خوف کی لہر پر خود بھی حیران ہوا تھا بہرطور وہ جھونپڑی کے دروازے کے قریب آ گیا۔ دروازے پر ایک میلی چیکٹ رلی کا ٹاٹ جھول رہا تھا۔ گل شیر نے پھر محسوس کیا کہ اس کے دل کی دھڑکنوں کی رفتار نہ صرف بڑھنے لگی ہے بلکہ بے ترتیب بھی ہونے لگی ہے تاہم اس نے اپنا سر جھٹکا اور وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا تو بری طرح ٹھٹک کر رہ گیا' ایک لمحے کو وہ جیسے سانس لینا ہی بھول گیا۔ اسے یوں لگا جیسے گدڑی میں لعل

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا نظارہ..... اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں حیرت' مسرت اور آخر میں شیطانیت ناچنے لگی۔ ایک لمحے کو تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے' وہ خواب تھا یا حقیقت..... مگر اس وقت وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ اس نے حقیقت تو کجا خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

سامنے فرش پر زرق برق لباس پہنے ایک انتہائی خوبصورت اور جوان عورت بیٹھی اپنے حنائی لبوں پر دلنشین مسکراہٹ سجائے گل شیر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گل شیر نے اس اپسرا کے حسین و جمیل وجود کا حقیقی معنوں میں یقین کرنے کیلئے دو تین بار اپنی آنکھیں جھپکیں۔ اس نے آج تک ایسا مکمل و کامل پیکر حسن کہاں دیکھا تھا۔ رنگت ایسی صاف اور دودھیا کہ ذرا بھی چھو لو تو دھبہ لگ جائے۔ دودھ میں جیسے گلاب گھول دیا ہو۔ گل شیر تو اس عورت پر سو جان سے نثار ہو گیا۔

''آ جاؤ اندر..... باہر تو بڑی سردی ہے۔'' گل شیر کے کانوں میں جیسے شہد گھلنے لگا۔ وہ اندر آ کر اس کے بالکل قریب کھڑا ہو گیا۔

''مسافر لگتے ہو' کہاں سے آ رہے ہو؟'' عورت نے مترنم آواز میں پوچھا۔

''مم..... میں..... نن..... نہیں..... ہاں..... میں مسافر ہوں۔ ایک رات گزارنا چاہتا ہوں یہاں مگر..... تم کون ہو اور یہاں ایک فقیر کی جھونپڑی میں کیا کر رہی ہو؟'' گل شیر نجانے کس طرح ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ اب وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکا تھا۔

اس عورت کے دلنشین ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ مچلی پھر وہ عجیب سے انداز میں ہنسی اور بولی۔ ''میں کون ہوں.....؟ میں بھی تمہاری طرح ایک مسافر ہوں۔''

اس کے عجیب سے لہجے میں جانے ایسا کیا پراسرار تاثر تھا کہ گل شیر کو اپنے وجود میں ہلکی سی سنسنی کا احساس ہوا۔ اس حسین عورت کی نگاہیں اسے اپنی آنکھوں کے راستے سرایت کرتی محسوس ہونے لگی تھیں۔

اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ ''تم بھی مسافر ہو مگر اتنی ٹھٹھرتی ہوئی رات میں یہاں تم کہاں جا رہی تھیں۔ تمہاری منزل کہاں ہے؟''

''میری منزل؟'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی اور اس کے ساتھ ہی اس نے مترنم سی ہنسی ہنس کر کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

''میری منزل..... پتہ نہیں کہاں ہے شاید میری کوئی منزل نہیں۔'' اسی لمحے گل شیر کو سردی کا احساس ہونے لگا اور وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ٹھٹھرنے لگا۔

سردی لگ رہی ہے؟'' اس عورت نے پوچھا پھر وہ ایک کونے میں رکھی انگیٹھی کی طرف اشارہ کر کے گل شیر سے بولی۔ ''وہ انگیٹھی اٹھا کر لے آؤ..... سردی کم ہو جائے گی۔''

گل شیر فوراً انگیٹھی کی طرف بڑھا۔ انگیٹھی سرد تھی البتہ اندر کوئلے رکھے ہوئے تھے۔ وہ اسے اٹھا کر درمیان میں رکھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ ''اسے اب کس طرح جلائیں میرے پاس تو ماچس نہیں ہے؟''

''کوئی بات نہیں..... تم ذرا قریب ہو کر فرش پر بیٹھ جاؤ' میں اسے دہکاتی ہوں۔'' اس حسین عورت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

گل شیر اس کے چہرے کو یک ٹک تکتا ہوا انگیٹھی کے سامنے بیٹھ گیا۔

پھر اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وہ عورت انگیٹھی کے قریب سرک آئی تھی اور اب اس کی نگاہیں انگیٹھی کے سرد کوئلوں پر مرکوز تھیں۔ پھر اگلے ہی لمحے عورت کے چہرے پر ایک ارتعاش کی سی کیفیت ابھری..... اس کا سرخ و سفید چہرہ سرخ انگارے کی طرح دہکنے لگا اور اگلے ہی لمحے جھونپڑی کے پرسکوت ماحول میں کوئلے چٹخنے کی آواز ابھری اور آن واحد میں انہوں نے آگ پکڑ لی اور اس میں شعلے بلند ہونے لگے۔

گل شیر اس حسین عورت کی یہ شعبدہ بازی دیکھ کر سناٹے میں آ گیا۔

پہلی بار اس کے دل میں خوف کی ایک لہر اٹھی جس نے اسے سرتاپا لرزا کر رکھ دیا اور وہ اب خوفزدہ سی نظروں سے اس حسین عورت کا چہرہ تکنے لگا جو اب پرسکون ہو گیا تھا۔

''یہ..... یہ..... یہ..... کیا..... تم نے بغیر ماچس کے؟'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں..... تو کیا ہوا؟ مجھے اس کا علم آتا ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں' آؤ آگے ہو کر آگ تاپ لو..... سردی کم ہو جائے گی۔'' عورت نے اس کی طرف دیکھ کر پراسراری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہ چاہتے ہوئے بھی گل شیر نے اپنے ہاتھ اس دہکتے ہوئے کوئلوں کے قریب کر لئے مگر سردی کا احساس تھا کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ عورت بھی اپنے مخروطی انگلیوں والے گورے چٹے ہاتھ شعلوں پر تاپنے لگی اور تب گل شیر کی انگلیاں غیر ارادی طور پر اس عورت کے ہاتھ سے ٹکرائیں تو گل شیر بری طرح ٹھٹک کر رہ گیا۔

عورت کا ہاتھ انتہائی ٹھنڈا ہو رہا تھا جیسے برف..... حالانکہ انگیٹھی کے پوری طرح دہکتے ہوئے شعلوں پر ہاتھ سینکنے سے ایک لمحے کے اندر گرم ہو جانا چاہئے تھا..... دہکتی ہوئی انگیٹھی سے اس قدر حدت پھیل گئی تھی کہ پوری جھونپڑی گرم ہو گئی تھی اور خود گل شیر کو آن واحد میں گرمی کا احساس ہونے لگا تھا مگر اس عورت کا ہاتھ بدستور برف کی طرح یخ بستہ ہو رہا تھا۔ تب اچانک گل شیر کو منشی جمعہ خان کی تنبیہ یاد آئی جس نے اسے خبردار کرتے ہوئے کہا تھا کہ بھٹ سائیں کے قبضے میں بدروحیں ہیں۔

''تو کیا یہ بھی کوئی بدروح تھی؟'' معاً گل شیر کے دماغ میں ایک لرزاں خیال ابھرا اور وہ سر سے پاؤں تک خوف سے کانپ کر رہ گیا۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ بھٹ سائیں ابھی تک کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

''تمہارے چہرے پر یہ خوف کیسا؟'' اچانک عورت نے عجیب سے لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''نن..... نہیں تو.....'' گل شیر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے اچانک اس عورت کا حسین چہرہ ایک دم سیاہ پڑنے لگا۔ آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں..... خوبصورتی سے گندھے ہوئے لمبے ریشمیں بال یکدم سکڑ کر سوکھی جٹاؤں کی طرح ہو گئے۔ سیاہ ڈراؤنے چہرے پر لاتعداد لکیریں کھنچنے لگیں..... وہ آن واحد میں ایک حسین و جمیل عورت سے ایک خوفناک چڑیل کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ گل شیر تو جیسے سانس لینا ہی بھول گیا تھا۔ اسے اس خوفناک منظر نے سکتے میں مبتلا کر دیا تھا تب چڑیل نے شدید غیظ آلود اور غیر انسانی آواز میں گل شیر کی طرف انگارہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''تم یہاں سے دفع ہو جاؤ اور پھر کبھی ادھر کا رخ مت کرنا۔ اپنے وڈیرے سالار خان کو جا کر بتا دو کہ میرے سرجن بھٹ سائیں کو قتل کرنے کا خیال دماغ سے نکال دے..... اگر میں نے اس کی حویلی کا رخ کیا تو اس کی زندگی اجیرن کر دوں گی' جاؤ دفع ہو جاؤ۔'' پھر جیسے گل شیر کا سکتہ ٹوٹا..... وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا

تھا۔ اس نے اپنے حلق سے ایک خوفزدہ سی چیخ خارج کی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور ریت پر گرتا پڑتا وہ دوڑتا ہی چلا گیا..... اسے اپنے عقب میں اس چڑیل کے قہقہے پیچھا کرتے محسوس ہو رہے تھے مگر وہ رکا نہیں تھا۔ اب جھونپڑی کے آس پاس گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ آسمان پر ٹکا طباق چاند حد نگاہ تک پھیلے ہوئے صحرا کو محویت سے تکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا..... اچانک قریب ہی ایک سایہ ابھرا۔ یہ بھٹ سائیں تھا جس نے اپنے کاندھوں پر لکڑیوں کا ایک مختصر سا گٹھڑ اٹھا رکھا تھا۔ ایک کلہاڑی بھی اس کے ہاتھ میں جھول رہی تھی۔ وہ پاس کے جنگل سے درختوں کی خشک ٹہنیاں کاٹ کر لایا تھا تاکہ انہیں سلگا کر سردی کو کم کیا جا سکے۔ وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کی جھونپڑی کے اندر کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ اپنی دھن میں مست جھونپڑی کے اندر داخل ہوا تو سامنے نگاہ پڑتے ہی ٹھٹکا پھر بے اختیار اس کے منہ سے ایک گہری سانس خارج ہوئی تھی۔ اس نے لکڑی کا گٹھڑ فرش پر پھینکا اور سلگتی ہوئی انگیٹھی کے پاس آ کر آگ تاپنے لگا' سامنے وہی حسین عورت بیٹھی تھی جس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک انتہائی خوفناک چڑیل کا روپ اختیار کیا تھا مگر اب وہ ایک حسین عورت کے روپ میں خاموش بیٹھی تھی البتہ اب اس کے چہرے پر گہری اداسی کے تاثرات نمایاں تھے پھر اس نے اپنے سامنے بیٹھے آگ تاپتے ہوئے بھٹ سائیں سے انتہائی مغموم سے لہجے میں کہا۔ ''میرے سرجن..... آخر لوگ ہمارا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے.....؟''

''کیوں سومری ایسا کیا ہو گیا اب؟'' بھٹ سائیں نے بڑے رسان کے ساتھ اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

سومری نے دانت پیس کر کہا۔ ''میرے باپ کو مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے بھی چین نہیں آیا ہے..... وہ اب تجھے بھی ختم کروانا چاہتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بھٹ سائیں کے روپ میں درحقیقت تم محمد ملوک ہو جس کے ساتھ مجھے ''کاری'' اور تمہیں ''کارو'' قرار دیا گیا تھا۔''

''کیا فرق پڑتا ہے سومری۔'' بھٹ سائیں جو بلاشبہ محمد ملوک ہی تھا' بے نیازی سے بولا۔

''تیرا باپ اب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ویسے بھی میں ایک بیراگی بن چکا ہوں۔ میرا کوئی کچھ بگاڑ کر کیا کر لے گا.....''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تم نہیں جانتے مگر میں جانتی ہوں ناں میرے سریجن (محبوب)....." سومری نے تڑپ کر کہا۔ "میرا باپ تمہارا ازلی دشمن بن چکا ہے..... ادھر وہ مردود کالے علم کا ماہر سائیں کوڑیل الگ تمہارے گرد سازش کا جال بن رہا ہے بلکہ وہ خبیث تو اب مجھے بھی اپنے قبضے میں کرنے کا خواب دیکھنے لگا ہے۔" سومری کے لہجے میں تشویش کے سائے لرزاں تھے تاہم اسے خود سے زیادہ محمد ملوک کی فکر تھی۔ جواباً محمد ملوک اس کی بات سن کر خاصا متفکر ہوتے ہوئے بولا۔ "کیا تو صحیح کہہ رہی ہے سومری.....؟"

"میری بات کب غلط ہوئی ہے محمد ملوک..... ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے باپ نے اپنے ایک مشٹنڈے کو یہاں تجھے اٹھوانے کیلئے بھیجا تھا۔ میں نے اسے خوف زدہ کر کے بھگا دیا۔"

"سومری پھر تو ہی بتا ہم کیا کریں.....؟" محمد ملوک جیسے سپر ڈالتے ہوئے بولا۔ "ہم کہاں جائیں.....؟ تیری موت کے غم نے مجھے دوبارہ اسی گوٹھ میں آنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ میں تیری موت کا غم بھلانے کیلئے بلوچستان کی پہاڑیوں کی طرف نکل گیا تھا اور وہیں اللہ..... اللہ کرنے لگا تھا لیکن میں تجھے نہ بھلا سکا۔ میرا دل بے چین رہنے لگا۔ کھانا پینا تک چھوڑ دیا تھا میں نے..... پھر میں نے سوچا گوٹھ میں تو نہیں..... تیری قبر تو ہے ناں..... بس میں لوٹ آیا پھر اور..... اور..... ایسے میں....."

"ہاں..... میں یعنی سومری ایک بھٹکی ہوئی غم زدہ اور انتقام گزیدہ روح....." سومری نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔

محمد ملوک جلدی سے بولا۔ "سومری..... میرے لئے یہی بہت ہے کہ مجھے تیرا دیدار نصیب ہو گیا ہے۔ یقین جانو تمہیں دوبارہ دیکھ کر بھلے روح کے روپ میں سہی میں..... میں دوبارہ جی اٹھا ہوں..... تیری صورت دیکھ کر ہی میری عمر تمام ہو جائے مجھے اور کیا چاہئے..... مگر سومری..... یہ..... یہ ہماری کیسی بدقسمتی ہے کہ تمہیں مر کے بھی نہیں بخشا جا رہا..... اب تمہاری روح بھی..... نہیں..... نہیں سومری..... میں..... میں بہت کمزور ہوں..... چلو..... چلو سومری بھاگ چلیں یہاں سے دور اتنی دور کہ جہاں نہ تمہارا باپ پہنچ سکے اور نا وہ ذلیل کالے علم کا ماہر سائیں کوڑیل۔"

"ملوک..... یہ میرے لئے ممکن نہیں۔" سومری کے لہجے میں حد درجے اداسی اور شکست خوردگی تھی۔

"مگر کیوں..... کیوں ممکن نہیں تمہارے لئے سومری....." محمد ملوک تڑپ کر بولا۔

"تم..... تم..... تو ایک روح ہو..... آزاد ہو..... کہیں بھی جا سکتی ہو؟"

"میرے سریجن..... ایسا نہیں ہے میں روح ضرور ہوں مگر میں اپنے اصل مقام سے زیادہ دور جانے سے قاصر ہوں۔ یہ میری مجبوری ہے اور میرا اصل مقام میری وہ قبر ہے جہاں مجھے دفنایا گیا ہے۔"

محمد ملوک اس کی بات سن کر پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔

"مم..... مگر سومری..... وہ خبیث شیطان سائیں کوڑیل نے اگر تمہیں مجھ سے چھین لیا تو..... تو کیا ہو گا سومری..... میں تو..... میں تو دوسری بار تمہاری جدائی ہرگز برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ میں جیتے جی مر جاؤں گا سومری..... میں جیتے جی مر جاؤں گا۔"

"خود کو سنبھالو ملوک..... تم کو اللہ سائیں کا واسطہ..... اللہ سائیں بہتر کرے گا..... اس کمینے شیطان کا مقابلہ کرنے کیلئے ہی تو میں کبھی کبھی مجبوراً بدروح کا روپ دھار لیتی ہوں اور اس کیلئے کچھ کالے علم مجھے قبرستان کی بدروحوں سے سیکھنے پڑے ہیں۔ تم فکر نہ کرو میرے سریجن..... اب سائیں کوڑیل میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" سومری نے محمد ملوک کو تسلی دی۔

وہ دونوں اب خاموشی سے ایک دوسرے کا چہرہ تکنے لگے۔ جھونپڑی کے اندر گہرا اور پراسرار سا سکوت چھا گیا تھا۔ وسط میں پڑی انگیٹھی پوری طرح دہک رہی تھی..... سومری اور محمد ملوک (بھٹ سائیں) آمنے سامنے انگیٹھی کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ جھونپڑی کی دیوار پر دہکتے ہوئے کوئلوں کی حدت انگیز روشنی میں صرف محمد ملوک کا سایہ لرزاں تھا۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر عالی جاہ اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھا غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ باہر دروازے پر سٹول پر بیٹھے اپنے اردلی محمد بخش کا گلا دبوچ لے۔ انسپکٹر عالی جاہ اس دن سے بوڑھے محمد بخش پر خار کھائے ہوئے تھا جب اس نے رنگ میں بھنگ ڈالتے ہوئے سکھاں کو اس کے دست ہوس سے بچایا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اگرچہ بعد میں انسپکٹر عالی جاہ نے اپنے اردلی محمد بخش کو ڈرایا' دھمکایا بھی تھا کہ آئندہ وہ اس کی اس طرح کی جرات پر کڑی سزا دے گا مگر محمد بخش نے مسکرا کر لاپروائی کے ساتھ کہا تھا۔ ''میں جو جرم کروں' اس کی سزا میں ضرور بھگتوں گا انسپکٹر صاحب..... اور جو آپ جرم کریں گے اس کی سزا میں پورے گوٹھ والوں سے آپ کو دلوا سکتا ہوں کیونکہ میں صرف اردلی نہیں ہوں اس گوٹھ کا چاچا سائیں بھی ہوں۔ میری ایک آواز پر سب یہاں جمع ہو کر آپ کی وردی کے ساتھ آپ کی کھال بھی نوچ ڈالیں گے اگر تم نے دوبارہ گوٹھ کی کسی مجبور ناری کے ساتھ ایسا گھناؤنا کھیل کھیلنے کی کوشش کی تو۔''

بس وہ دن تھا اور آج کا دن انسپکٹر عالی جاہ' اردلی محمد بخش کے سامنے تھڑدلا سا ہو کر رہ گیا۔ چونکہ وہ چور تھا۔ اس کے گھناؤنے جرم کو رنگے ہاتھوں محمد بخش نے پکڑا تھا..... اگر محمد بخش اڑ جاتا تو یقیناً یہ بات چوحدہ کے جرگے تک چلی جاتی اور پھر وہاں فیصلہ ہوتا جس میں سو فیصد محمد بخش کی بات درست ثابت ہو کر رہتی لہٰذا سردست تو عالی جاہ چپ ہو کے بیٹھ رہا مگر اندر ہی اندر اس تانے بانے میں مستغرق رہنے لگا کہ کسی طرح محمد بخش کا پتہ صاف کر دیا جائے کیونکہ آئندہ بھی اس کے رنگ میں بھنگ ڈالنے کا موجب بنتا رہے گا۔ اس کا ابتدائی طریقہ عالی جاہ نے یہ نکالا تھا کہ وہ اب بات بے بات محمد بخش کو ذلیل کرتا رہتا تھا مثلاً سوپر کا کام اس سے لیتا..... اس سے جھاڑو لگواتا۔ قید خانوں کی غلاظت صاف کرواتا اور خاکروب کی چھٹی کر دیا کرتا۔ محمد بخش بھی سب جانتا تھا کہ انسپکٹر عالی جاہ ایسا کس لئے کر رہا تھا مگر اس بار محمد بخش نے بھی اپنے دل میں تہیہ کر رکھا تھا کہ اگر اس مرتبہ اس نے انسپکٹر عالی جاہ کو کسی ہوس ناک کھیل میں رنگے ہاتھ پکڑا تو اسے چھوڑے گا نہیں۔

اچانک کمرے کی چق سرکی اور اردلی محمد بخش اندر داخل ہوا..... انسپکٹر عالی جاہ اسے دیکھتے ہی قہر آلود نظروں سے اسے گھورتے ہوئے دھاڑا۔ ''اندر آنے سے پہلے مجھ سے اجازت لیا کرو سمجھے؟''

''سائیں..... میں اجازت لینے ہی تو آیا ہوں باہر زمیندار حاجی ارصلاح صاحب آئے ہیں..... آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' محمد بخش نے ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا اور انسپکٹر عالی جاہ اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا۔

حاجی ارصلاح خان کا نام اس نے سن رکھا تھا..... وہ چوحدہ کی راجواڑس سمیٹی

کا ایک معزز رکن بھی تھا۔ اس کی آمد خالی از علت نہیں تھی۔ اس نے سوچا اور پھر محمد بخش کو جلدی سے نہ صرف اسے اندر بھیجنے کا حکم دیا بلکہ خود بھی اس کے استقبال کیلئے اپنی کرسی سے اٹھ کر دروازے کی طرف پہنچا ہی تھا کہ اچانک ایک مضبوط ڈیل ڈول کا بھاری بھرکم باریش شخص اندر داخل ہوا۔ اس کے سر کے بال اور داڑھی اور مونچھیں مہندی لگی تھیں..... اس نے سفید شلوار قمیص پہن رکھی تھی اور کاندھے پر رومال نما کپڑا دھرا ہوا تھا۔

''سائیں حاجی صاحب..... بابا بھلی کرے آیو..... بھلی کرے آیو..... بسم اللہ بابا بسم اللہ..... اچو..... اچو سائیں..... (تشریف لائیں)۔'' انسپکٹر عالی جاہ اس کے سامنے جیسے بچھا جا رہا تھا۔

پھر اسے بیٹھنے کیلئے کرسی دی گئی۔ دونوں ہاتھ تھام کر انسپکٹر عالی جاہ نے حاجی صاحب سے مصافحہ کیا اور پھر میز کے سامنے پڑی کرسی پر حاجی صاحب کے براجمان ہوتے ہی وہ خود بھی بیٹھ گیا اور پھیلی ہوئی باچھوں اور نیاز مندانہ آنکھوں سے حاجی صاحب کے چہرے پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے ذرا خم ہو کر بولا۔ ''حکم کرو حاجی صاحب! کیسے آنا ہوا.....؟''

حاجی ارصلاح خان کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا راج تھا اور وہ بڑے غور سے انسپکٹر عالی جاہ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ حاجی صاحب کو انسپکٹر عالی جاہ کی خصلت اور تازہ ترین کارنامے کے بارے میں محمد بخش نے پہلے ہی سے سب کچھ بتا دیا تھا۔ محمد بخش ان کا ایک زمانے میں بڑا پرانا نمک خوار رہ چکا تھا اور حاجی صاحب اس کی نیک فطرت سے بخوبی واقف تھے اسی لئے اس پر بھروسہ بھی پورا کرتے تھے لہٰذا انہوں نے انسپکٹر عالی جاہ کے سوال پر سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر گمبھیر لہجے میں بولے۔ ''انسپکٹر صاحب! میں نے سنا ہے آپ نے دو ایسے غریب اور مصیبت کے مارے چھوکروں کو گرفتار کر رکھا ہے جن کے باپ کو تھوڑے دن پہلے ہی قتل کر دیا گیا تھا؟'' یہ کہتے ہوئے اڈیرے ارصلاح خان نے برماتی ہوئی نظریں انسپکٹر عالی جاہ کے چہرے پر گاڑھ دیں۔

انسپکٹر وڈیرے کی بات سن کر ایک لمحے کو چونکا پھر دوبارہ باچھیں پھیلاتے ہوئے اثبات میں بولا۔ ''جی حاجی صاحب! یہ آپ نے بالکل درست سنا ہے۔ انہوں نے وڈیرے سالار خان کے ایک آدمی کا خون کیا تھا۔'' یہ بتاتے ہوئے انسپکٹر عالی جاہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خود کو پراعتماد رکھنے کی حتی الامکان مگر ناکام کوشش کرتا رہا مگر حاجی صاحب کی بظاہر سپاٹ مگر چبھتی ہوئی نظروں نے بھانپ لیا تھا کہ انسپکٹر کی زبان اور..... اور لہجہ اور ہے۔

''کیا آپ نے ان دونوں بھائیوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا تھا قتل کا یہ جرم کرتے ہوئے..... پھر آلہ قتل بھی آپ نے برآمد کر لیا ہوگا اب تک؟''

ارصلاح خان کی بات سن کر انسپکٹر عالی جاہ کو پہلی بار سنجیدہ ہونا پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے محتاط قسم کے سوال وڈیرے ارصلاح جیسے جہاندیدہ انسان کے دماغ میں ہی آ سکتے ہیں۔

انسپکٹر عالی جاہ اپنی کرسی پر تھوڑا کسمسایا پھر اسے چار و ناچار جواب دیتے ہی پڑی۔ وہ بولا۔ ''میں نے رنگے ہاتھوں تو نہیں پکڑا تھا اور..... اور..... نا ہی اب تک آلہ قتل برآمد ہوا ہے۔ ہاں گواہ اور شواہد کی روشنی میں۔'' پھر اچانک انسپکٹر عالی جاہ کچھ کہتے کہتے رکا اور دانت نکالتے ہوئے بولا۔ ''ارے سائیں وڈیرا یہ کام تو عدالت کرے گی ناں ہمارا کام مجرم کو عدالت میں چالان کے ساتھ پیش کرنا ہے' آپ چھوڑیں اس معاملے کو یہ بتائیں آپ کی کیا خدمت کروں چائے' ٹھنڈا۔''

''نہیں انسپکٹر صاحب..... آپ سے ایک اور سوال پوچھنا تھا۔'' وڈیرا ارصلاح بدستور اس کے چہرے پر برماتی ہوئی نظریں مرکوز رکھتے ہوئے بولا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''کیا میر محمد کے گمنام قاتلوں کا آپ نے سراغ لگایا اب تک؟''

انسپکٹر عالی جاہ ہونقوں کی طرح وڈیرے ارصلاح خان کا چہرہ تکنے لگا۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر عالی جاہ کو شاید وڈیرے ارصلاح خان سے اس سوال کی توقع نہ تھی کیونکہ ارصلاح خان کے ان دونوں بھائیوں میر نواز اور احمد نواز کے بارے میں استفسار کرنے کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ وہ انہیں حوالات سے آزاد کرانے کے سلسلے میں ہی آئے ہیں مگر مقتول میر محمد جو میر نواز اور احمد نواز کا باپ تھا، کے بارے میں بلکہ ان قاتلوں کے بارے میں ان کا چونکا مستفسر ہونا انسپکٹر عالی جاہ کے لیے باعث حیرت ہی نہیں بلکہ موجب پریشانی تھا۔ بہر حال وہ قدرے کھنکھارتے ہوئے محتاط لہجے میں ان کی طرف دیکھ کر بولا: ''ارصلاح صاحب ابھی..... میر محمد کے قاتلوں کی تلاش جاری ہے..... انشاء اللہ ہم عنقریب.....!''

''کیا یہ تلاش جاری ہے کہ بجائے اس کے قاتل پکڑنے کے تم نے ان کے دونوں بیٹوں میر نواز اور احمد نواز کو اندر کر دیا ہے.....؟'' ارصلاح اس کی بات کاٹ کر تلخ لہجے میں بولے: ''آخر ان دونوں بھائیوں نے کیا قصور کیا ہے جو ان غریبوں کو تم نے اندر کر دیا ہے..... ان بیچاروں پر تو پہلے ہی غم کا پہاڑ ٹوٹا پڑا ہے اور اوپر سے تم نے ان پر ظلم کیا۔''

اس بات پر انسپکٹر عالی جاہ بھی ذرا جز بز سا ہوتا نظر آنے لگا..... اس کے چہرے پر اب غصے والے آثار پیدا ہو چکے تھے..... وہ قدرے بے لحاظی سے بولا۔ ''معاف کرنا سائیں! انسان اپنی حد میں ہی اچھا لگتا ہے..... اب ایسی بھی نوبت نہیں آ گئی ہے کہ باہر کے لوگ ہمیں یہاں آ کر تھانیداری سکھانا شروع کر دیں..... ہم اپنا کام بہتر طور پر کرنا جانتے ہیں۔''

عالی جاہ کے بدلے ہوئے لہجے کو ارصلاح نے فوراً محسوس کر لیا تھا مگر اس سے مرعوب ہوئے بنا بردبارانہ متانت سے بولے..... ''جس قسم کی تھانیداری آپ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہاں کر رہے ہیں، میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں انسپکٹر سائیں.....!"

"دیکھیں جی....." انسپکٹر عالی جاہ یکدم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹھو..... زیادہ گرم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وڈیرے ارصلاح نے اطمینان سے کہا۔

"میں آپ کی عزت کرتا ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ..... آپ.....!"

"انسپکٹر.....! میں تمہارے سارے کرتوتوں سے واقف ہوں، اچھی طرح۔" ارصلاح نے زہر خند لہجے میں اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم اکڑ کس بات پر رہے ہو..... اس چھوکری سکھاں کے ساتھ تم نے یہاں تھانے کی چار دیواری میں کیا گل کھلانے کی کوشش کی تھی..... ہم اس سے بھی بخوبی واقف ہیں..... میں تو اس چھوکری سکھاں کو بھی ساتھ لا رہا تھا..... اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ تمہارے ہی محکمے کے ایک اور شخص نے تمہیں سکھاں پر مجرمانہ حملہ کرتے دیکھا تھا۔ اس فرشتہ صفت انسان کے درمیان میں کود پڑنے سے غریب لڑکی کی عزت بچ گئی ورنہ..... تم.....!"

"ارے سائیں.....! آپ کن لوگوں کے بہکاووں میں آ گئے ہو..... یہ سب جھوٹ ہے۔" اچانک انسپکٹر عالی جاہ کا لہجہ خوشامدانہ ہو گیا۔ وہ اندر سے بری طرح ڈر گیا تھا..... اس کے سان و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ سکھاں والی لرزہ خیز کہانی کے بارے میں وڈیرے ارصلاح خان بھی سب جانتے ہیں۔ عالی جاہ جانتا تھا کہ اگر وہ ایک بار بگڑ گئے تو اسے نہ صرف اپنی نوکری کے لالے پڑ جائیں گے بلکہ کوئی بعید نہیں کہ اسے لائن حاضر کرنے کے بعد کوارٹر گھاٹ کر دیا جاتا، اس لیے وہ فوراً اپنی تھانیدارانہ اکڑفوں بھلا کر یکدم باادب ہو گیا۔ چہرے پر فوراً مکارانہ خلوص طاری کرتے ہوئے وڈیرے ارصلاح سے مخاطب ہو کر بولا۔

مگر سائیں ارصلاح بھی ایک گھاگ شخص تھے۔ وہ انسپکٹر عالی جاہ کی اچانک کینچلی بدلنے کا مطلب خوب جانتے تھے۔ وہ قدرے درشت لہجے میں بولے۔ "یہ جھوٹ نہیں ہے انسپکٹر.....! تو بول تو اس جھوٹ، سچ کا فیصلہ چوحدہ کی راجواڑیں میں کرا دیں۔ ایک طرف تو ہو گا اور دوسری طرف وہ مجبور اور غریب لڑکی سکھاں باہر پاڑیں (آگ پانی) میں سارا جھوٹ سچ ظاہر ہو جائے گا۔"

وڈیرے ارصلاح کی بات سن کر انسپکٹر عالی جاہ لرز کر رہ گیا..... وہ فوراً بولا۔

"سائیں.....! چھوڑیں ان باتوں کو..... آپ جیسے معزز لوگوں کی وجہ سے تو ہم یہاں آباد ہیں..... شہروں میں اپنے آرام دہ گھر اور بیوی بچے چھوڑ کر..... اس دور دراز گوٹھ کے تھانوں اور بوسیدہ کوارٹروں میں آپ کی خدمت کے لیے موجود ہیں۔ آپ حکم کریں، آپ کیا چاہتے ہیں.....؟"

وڈیرا ارصلاح نے مکار انسپکٹر عالی جاہ کی فوری کایا کلپ سے بخوبی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ اونٹ اب پہاڑ تلے آ گیا ہے۔ لہٰذا پھر انہوں نے فوراً مطلب کی بات کہہ ڈالی۔

"میں میر نواز اور احمد نواز کی ضمانت کے لیے آیا تھا..... میں اچھی طرح جانتا ہوں، ان دونوں کو..... وہ بے قصور ہیں۔"

"مگر سائیں وڈیرا.....! آپ نے دیر کر دی ہے، میں نے ان دونوں کا چالان بنا کر عدالت بھیج دیا ہے۔" انسپکٹر عالی جاہ نے ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ان دونوں کے خلاف این سی کاٹی گئی تھی؟" وڈیرے نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"این سی بھی داخل ہوتی تو میں کچھ نہ کچھ کر لیتا مگر یہاں تو ان دونوں بھائیوں کے خلاف قتل کی باقاعدہ ایف آئی آر کاٹی گئی تھی۔"

"کن لوگوں نے ایف آئی آر درج کروائی ہے؟"

"وڈیرے سالار خان نے!" انسپکٹر عالی جاہ نے فوراً کہا۔ "میر نواز اور احمد نواز نے وڈیرے کے ایک خاص آدمی مٹھل عرف مٹھو کو قتل کیا تھا۔ دونوں بھائیوں کو شک تھا کہ مٹھو نے ان کے باپ میر محمد کا خون کیا تھا۔"

"اچھا.....!" حاجی صاحب نے قدرے تمسخر اڑانے والے انداز میں انسپکٹر عالی جاہ سے کہا۔

"تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے ان دونوں بھائیوں کے قاتل ہونے کا..... اور آلہ قتل تو ضرور برآمد کر لیا ہو گا تم نے.....؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انسپکٹر عالی جاہ، وڈیرے ارصلاح کے لہجے میں گہری استہزائیہ کاٹ کو محسوس کر کے اندر سے سلگ اٹھا تھا مگر سردست وہ دوبارہ اپنی کینچلی بدلنے کے موڈ میں نہ تھا اور اپنے لہجے میں تحمل سموتے ہوئے بولا۔ ''ہاں! میں نے بعض چشم دید گواہوں کا بھی بیان لیا ہے جنہوں نے وقوعہ کے روز دونوں ملزموں کو مٹھو کا قتل کرتے اور اس کی لاش ڈھولن شاہ قبرستان میں لے جا کر پھینکتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔''

انسپکٹر عالی جاہ نے اتنا کہا تو وڈیرے ارصلاح طنز کی گہری کاٹ کے ساتھ اس کے چہرے کی طرف تیز نظروں سے دیکھ کر بولے۔ ''اور یقیناً یہ سب گواہ وڈیرے کے آدمی ہوں گے؟''

''ہاں یقیناً..... نہیں! ایسی کوئی بات تو نہیں۔''

انسپکٹر عالی جاہ یکدم گڑبڑا گیا۔ اس کی بوکھلاہٹ پر وڈیرے ارصلاح کے باریش چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ارے بابا سائیں وڈیرا.....'' یہ تو ویسے بھی عدالت کا کام ہے..... ہم بلاوجہ کیوں اس بحث میں پڑیں۔'' انسپکٹر عالی جاہ نے مکاری سے پہلو تہی کرتے ہوئے اپنا گینڈے جیسا سر جھٹکتے ہوئے کہا مگر وہ اسے کہاں چھوڑنے والے تھے، فوراً ایک اور آگ برساتا ہوا سوال داغا۔

''میر محمد کے قتل کے بارے میں اب تک کیا کیا ہے آپ نے.....؟''

''تفتیش جاری ہے۔'' انسپکٹر نے مختصراً کہا۔

''کمال ہے ایک غریب ہاری کے قتل پر پولیس اب تک خاموش بیٹھی ہے اور وڈیرے کے آدمی کے خون پر فوراً پولیس حرکت میں آ گئی اور دو بے گناہ بھائیوں کو گرفتار بھی کر لیا۔''

''سائیں وڈیرا.....! میر محمد کا قتل ذاتی دشمنی بتایا جاتا ہے، جوان کے اپنے ہی خاندان میں برسوں سے ''سنگاوتی'' (رشتے کا لین دین) پر چلی آ رہی تھی اور دوسری بات یہ کہ میر محمد کے قاتلوں کے خلاف ابھی تک کسی نے بھی رپورٹ درج نہیں کروائی..... اس بات سے ہی پتہ چلتا ہے کہ دونوں حریفوں نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور پولیس کو اس میں شامل نہیں کرنا چاہتے مگر باوجود اس کے میں نے اپنے طور پر

دائرہ تفتیش پھیلانا شروع کر دیا ہے..... ایسے کیس میں تاخیر تو فطری بات ہے۔''

وڈیرے ارصلاح کو اندازہ ہو چلا تھا کہ انسپکٹر عالی جاہ بلا کا مکار اور شاطر انسان ہے اس سے کسی دوسرے طریقے سے نمٹنا چاہیے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اسے راتب ڈالنے والا وڈیرا سالار خان ہے لہٰذا وہ ایک گہری اور بھیدوں بھری ہنکاری خارج کرتے ہوئے جانے کے لیے کرسی سے اٹھے اور سنسناتی نظروں سے انسپکٹر عالی جاہ کی طرف دیکھ کر گمبھیر لہجے میں بولے۔ ''ٹھیک ہے انسپکٹر صاحب اگر آپ بات بڑھانا چاہتے ہیں تو یہی سہی..... آپ اگر کچھ کرنے سے قاصر ہیں تو پھر میں بھی کسی لحاظ سے کام نہیں لوں گا چلتا ہوں۔'' انہوں نے آخر میں مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو انسپکٹر عالی جاہ نے فوراً اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر ان کا ہاتھ تھام لیا مگر چھوڑا نہیں اسے، ان کے سنسنی خیز لہجے میں چھپی ہوئی دھمکی کو صاف طور پر محسوس کر لیا تھا لہٰذا فوراً چاپلوسی پر اتر آیا..... وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔ ''سائیں.....! آپ تو خفا ہو گئے بیٹھو تو سہی ذرا مجھے کچھ سوچنے دو دراصل کیا ہے قتل کا معاملہ ہے..... درمیان میں وڈیرا سالار خان ہے..... ہم تو پس کر رہ جاتے ہیں خواہ مخواہ بعض معاملات میں۔''

''نہیں.....! یہ غلط ہے۔'' وڈیرے ارصلاح نے صاف گوئی سے کہا۔ ''اگر آپ قانونی اصولوں کے عین مطابق چلو تو بڑے سے بڑا اثر و رسوخ والا شخص بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور پھر سیدھی راہ پر چلنے والے کی اللہ سائیں بھی مدد کرتا ہے۔''

''وہ تو آپ کی بات درست ہے سائیں!'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر عالی جاہ ذرا دیر کو رکا پھر بولا۔ ''اچھا ٹھیک ہے، میں کوشش کرتا ہوں، چالان بنا دیا تھا، اب پھر ایسا کروں گا کہ ایک اور میمو لکھنا پڑے گا کہ دونوں حریف پارٹیوں کے بیچ صلاح صفائی ہو گئی ہے۔''

''وہ سب آپ کا کام ہے انسپکٹر.....! سچ کو تو تم بڑی آسانی کے ساتھ توڑ مروڑ لیتے ہو..... اب ذرا سچ کی خاطر جھوٹ کو بھی تو آزما کے دیکھو۔'' وڈیرے کے چہرے پر پہلی بار دوستانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس کے بعد وہ رخصت ہونے کے لیے کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے جاتے تنبیہی انداز میں اپنی بات یاد دلاتے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئے انسپکٹر عالی جاہ سے مخاطب ہو کر بولے۔ ”اپنا وعدہ یاد رکھنا انسپکٹر.....! کل وہ دونوں بھائی اپنے گھروں میں جا چکے ہوں بصورت دیگر میں پھر دوبارہ نہیں آؤں گا..... خدا حافظ.....!“ یہ کہہ کر وڈیرا ارصلاح چلے گئے اور ان کے جاتے ہی انسپکٹر عالی جاہ کا سیاہ چہرہ غصے سے لال بھبھوکا نظر آنے لگا۔ وہ اضطراری انداز میں اپنی مٹھیاں کھول بھینچ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

عنایتاں ایک چالیس پینتالیس سالہ قدرے فربہی مائل سانولی سی عورت تھی۔ سائیں کوڑیل سے اس کی شادی کو آج بیس پچیس برس بیت چکے تھے مگر ابھی تک عنایتاں کی گود ہری نہیں ہوئی تھی۔ بچے سے محرومی کی وجہ سے اس کے مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ تاہم وہ اور سائیں کوڑیل شاہ لشٹم پشتم زندگی کی گاڑی کو گھسیٹ رہے تھے۔ سائیں کوڑیل کو تو اولاد ہونے کا اتنا غم نہ تھا مگر اس کی بیوی عنایتاں کے اندر پیاسی ممتا ہنوز ایک بچے کے لیے تڑپتی رہتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ عنایتاں کے چہرے پر ہر سمے ایک اداسی سی چھائی رہتی تھی۔ اسے اپنے شوہر کوڑیل شاہ سے ایک ہی شکایت تھی کہ تو کیسا پیر فقیر ہے بڑے..... ساری دنیا کو اولاد کے تعویذ دیتا ہے پر اپنے لیے، میرے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسی پیری، فقیری کس کام کی؟

اس بات پر سائیں کوڑیل شاہ اسے سمجھاتا۔ ”اڑی چری تو نراش کیوں ہوتی ہے۔ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ میں ایک عمل میں مصروف ہوں پھر دیکھنا ہمارا آنگن بچوں سے بھر جائے گا۔“

یہ محض بہلاوے تھے جو سائیں کوڑیل اپنی بیوی کو اس لیے دیتا رہتا تھا کہ اس کی اسی طرح خدمت گزاری کرتی رہے اور اس کے کام میں مخل نہ ہو پھر وقت گزرتا گیا تو آہستہ آہستہ عمر کی منزلیں طے کرتے کرتے دونوں کو احساس ہونے لگا کہ اب وہ ایک دوسرے کے عادی ہو چکے ہیں مگر سائیں کوڑیل اب بھی عنایتاں کے چڑچڑے پن سے سخت خائف رہتا تھا اور پھر یہ خفت آمیز پریشانی اس وقت مزید سوا ہونے لگتی تھی جب سائیں کوڑیل کا کوئی مہمان آ جاتا اور اسے چند دن گھر میں قیام کرنا ہوتا تو اس کی بیوی عنایتاں ایسا ہنگامہ کھڑا کرتی تھی کہ بیچارہ مہمان اوطاق کے پچھلے دروازے سے

خاموشی کے ساتھ نکل جاتا تھا۔

یہی سبب تھا کہ جب بلوچستان کے پہاڑی علاقے سے آنے والے وہ پراسرار عمر رسیدہ میاں بیوی سائیں کوڑیل کی کوٹھری نما اوطاق میں مسافر کی حیثیت سے ایک رات گزارنے کے لیے ٹھہرے تو سائیں کوڑیل نے اس پریشانی کے باوجود کہ یہ بات اس کی نک چڑھی بیوی عنایتاں کو ایک آنکھ نہیں بھائے گی..... ان دونوں مسافر میاں، بیوی کو رات گزارنے کے لیے جگہ دے دی تھی لیکن پھر جلد ہی دورانِ گفتگو سائیں کوڑیل کو اس بات کا احساس ہونے لگا کہ یہ دونوں مسافروں کے بھیس میں پراسرار میاں، بیوی اس کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں اور کالے علم کے بھی ماہر ہیں بس پھر تو جیسے سائیں کوڑیل کے وارے نیارے ہو گئے تھے۔ اس نے ان کی جی جان سے خدمت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔

”کل منہ اندھیرے ہی انہیں چلتا کرو..... میرے میں دم نہیں کہ میں ان دونوں بڈھی بڈھے کی خدمتیں کروں۔“ عنایتاں نے سائیں کوڑیل کی ہزار منت سماجت کے بعد جب ناشتے کے برتن شوہر کو تھمائے تو ساتھ میں یہ دھمکی بھی دے ڈالی۔

سائیں کوڑیل ذرا دبو قسم کا شوہر تھا، بولا۔ ”اڑی چری.....! یہ بڈھے بڈھی نہیں ہیں..... یہ بہت پہنچے ہوئے لوگ ہیں اور ادھر کے بھی نہیں ہیں بلوچستان کے پہاڑوں سے آئے ہیں۔ وڈے ماہر ہیں سامری فن میں یہ دونوں میاں بیوی.....!“

”اچھا..... اچھا مجھے بہلاوے نہ دے۔“ عنایتاں تیوری چڑھا کر بیزاری سے ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ ”ان کو ناشتہ کھلا اور چلتا کر جا.....“

”اڑی.....! آہستہ بول کہیں وہ سن نہ لیں۔“

سائیں کوڑیل نے دل تھام کر بیوی کو جھڑکا اور پھر ناشتے کے برتن اٹھائے اوطاق نما کوٹھری میں لے آیا۔ وہاں رات والے مسافر میاں، بیوی موجود تھے..... انہوں نے خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا پھر چائے کے دو دو پیالے پیئے۔

اس کے بعد بوڑھے نے چندی چندی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کوڑیل کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”تیری بیوی تیرے ساتھ جھگڑا کرتی ہے بڑے۔“

”ہا..... نہیں بس ایسے ہی غصے کی ذرا تیکھی ہے۔“ سائیں کوڑیل قدرے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گڑبڑاتے ہوئے جھینپ کر بولا۔ ”پر مہاراج! وہ دل کی صاف ہے اس کی بات کا برا نہ منانا تم.....!“

”بڑا جگت باز ہے ڑے تو..... پر تیرے اندر جو ہے، وہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔“ بوڑھا معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پراسرار لہجے میں بولا۔ ”ارے بالکے.....! ہمارا نام جگن سامری ہے۔ ہم نے سندھ کے صحراؤں اور راجستھان کے ریگزاروں سے لے کر ہمالیہ اور پھر بلوچستان کے بے آب و گیاہ تپتے ہوئے پہاڑوں پر بڑی کڑی تپسیا کی ہے، اسی کڑی تپسیا کے بعد جب ہمری اکھیاں کھلیں تو عمر ہی غرق ہو چکی تھی، پر ہم نے اپنے شریر میں اتنی سامری قوت محسوس کرنا شروع کر دی کہ بڑے سے بڑے پہاڑ کو سرمہ بنا کر رکھ دیں۔“

سائیں کوڑیل کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ اس پراسرار بوڑھے جگن سامری کی باتوں کو ایک سٹھیائے ہوئے بوڑھے کی بڑ کے سوا کچھ نہیں سمجھتا مگر چونکہ سائیں کوڑیل خود بھی سفلی علم کا خوگر تھا اس لیے اسے بوڑھا جگن سامری کہیں سے بھی سنکی محسوس نہیں ہوا تھا بلکہ سائیں کوڑیل کی تو کسی مقصد کے تحت آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ وہ یکدم جیسے بوڑھے جگن سامری کے قدموں میں بیٹھ گیا اور لگا اس کی مٹھی چاپی کرنے۔

”بس مہاراج مجھے بھی اپنا ہی بالک سمجھو..... کسی طرح مجھے کالا علم سکھا دو..... میں ایک بدروح کو قابو کرنا چاہتا ہوں۔“

اس کی بات سن کر بوڑھا جگن سامری معنی خیز انداز میں باچھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ ”ہاں ..... ہاں بالکے! تیرے کو ہم ضرور یہ علم سکھائیں گے مگر یاد رکھنا ایک بات۔ تمہاری اس دھرتی میں یہ علم بڑی کڑی تپسیا اور مشکلوں سے حاصل ہوتا ہے اور بڑے سے بڑا سردھان (قربانی) دینا پڑتا ہے۔ کیا تو اس کے لیے تیار ہے؟“

”ہاں ..... ہاں مہاراج! کیوں نہیں ..... میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔“ سائیں کوڑیل نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”رازداری بھی اس کی بہت اہم شرط ہے۔“ بوڑھا جگن سامری پراسرار انداز میں سرسراتے ہوئے بولا۔ ”آس پاس ذرا بھی کسی کو بھنک پڑ گئی تو سنگسار کر کے رکھ دیں گے۔“

”نہیں مہاراج.....! ایسا نہیں ہوگا..... میں مکمل رازداری برتوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“

”پر مہاراج.....! مم..... مجھے ایک بات کی پریشانی ہے۔“

”کونسی.....؟“

”وہ میری بیوی.....!“ سائیں کوڑیل نے پھنسی پھنسی آواز کے ساتھ کہا اور بوڑھے جگن سامری کے بدہیبت ہونٹوں پر بے اختیار پراسرار مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

”وہ میرے کام میں بڑی رکاوٹیں ڈالتی ہے بس مجھے ذرا اس سے ہی ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ راز باہر نہ کھول دے۔“ سائیں کوڑیل نے کہا۔

”اور اگر تمہاری پتنی کو بھی اس راز میں شامل کر لیں تو.....؟“

سائیں کوڑیل، جگن سامری کی بات سن کر قدرے حیرت آمیز پریشانی سے بولا۔ ”مہاراج! یہ آپ کیا کہہ رہے ہو؟“

”ہم بالکل درست کہہ رہے ہیں۔“ بوڑھے جگن سامری نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”مگر مہاراج! وہ..... وہ تو جادو ٹونے سے سخت نفرت کرتی ہے۔“

”ایک بات بتا..... تیرا کوئی بال بچہ ہے؟“ اچانک بوڑھے جگن سامری نے بھنویں اُچکاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

سائیں کوڑیل مایوسی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”نہیں مہاراج! ہمارا کوئی بال بچہ نہیں ہے اسی لیے اس کے مزاج میں چڑچڑاپن کچھ زیادہ ہی آ گیا ہے۔“

اس کی بات سن کر بوڑھے جگن سامری کی چھچھوندر جیسی آنکھوں میں یکایک ایک خاص قسم کی چمک عود کر آئی۔ وہ بولا۔ ”بس بالکے! تیرا کام ہو گیا اور تیری پتنی کا بھی کام ہو گیا ہے۔“

”اچھا مہاراج.....!“ سائیں کوڑیل اس کی طرف دیکھ کر مسرت بھرے لہجے میں بولا۔ ”ہاں! ہم تجھے ایک بوٹی دیں گے وہ تو اپنی پتنی کو کھلا دینا ایک ساتھ دو ست ماہے پیدا ہوں گے یعنی تو اکٹھے دو بچوں کا باپ بن جائے گا۔“ وہ ایک لمحے کو رکا اور گہری پراسرار نظروں سے سائیں کوڑیل کے مسرت سے سرخ پڑتے چہرخ سے چہرے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو تکتا رہا پھر گمبھیر لہجے میں بات جاری رکھتے ہوئے مزید بولا۔ ”مگر یہ بات تجھے اپنی پتنی کو نہیں بتانی ہوگی۔“

”کونسی مہاراج.....؟“ سائیں کوڑیل مارے خوشی کے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

”ارے بے وقوف اسے آخری وقت تک یہ مت بتانا کہ وہ آج سے ٹھیک سات ماہ بعد ایک ساتھ دو بچوں کو جنم دے گی۔ اسے صرف یہی بتانا کہ اس نے ایک بچے کو جنم دیا ہے۔“

”اور دوسرا بچہ.....؟ اس کا کیا ہوگا.....؟“ سائیں کوڑیل نے پوچھا۔

”وہ تمہارے کام آئے گا۔“ جگن سامری نے مکروہ لہجے میں کہا تو جانے کیوں سائیں کوڑیل کو اپنی رگ و پے میں سنسنی کا احساس ہونے لگا۔

”بس ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو..... پہلے یہ بوٹی اپنی پتنی کو کھلا جا کر۔“ پھر وہ اپنے ساتھ ہی خاموش بیٹھی اپنی بوڑھی بیوی کو مخاطب کر کے بولا۔ ”اڑی رچنی وہ جنگل بوٹی تو نکال چھوٹی والی بچنی سے۔“

رچنی جس نے ابھی تک کسی قسم کی گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا، وہ اسی طرح خاموشی سے اٹھی اور چھوٹی سی ایک گٹھری اٹھا لائی۔ کوڑیل کو اس کی چال میں عمر رسیدہ عورتوں والی لڑکھڑاہٹ یا رعشہ بالکل بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ بہر طور بوڑھے جگن سامری کی عمر رسیدہ بیوی رچنی نے گٹھری کھول کر اس میں سے ایک میلے چیکٹ رومال کی گانٹھ کھولی تو اس میں سے ادرک کی طرح کی کوئی شے نکلی۔

بوڑھے جگن سامری نے رومال سمیت وہ بوٹی اپنی بیوی رچنی سے لے کر اس کا ایک ذرا سا ٹکڑا توڑ کر سائیں کوڑیل کی طرف بڑھاتے ہوئے پراسرار سرگوشی میں کہا۔ ”یہ بوٹی ہمالیہ کی اندھیری ترائیوں میں پائی جاتی ہے اور گیدڑ سنگھی سے زیادہ کمیاب ہے۔ اسے سنبھالنا اور جتنی جلدی ہو سکے دودھ کے ایک گلاس میں گھول کر اپڑیں پتنی کو پلا دے۔“

”ٹھیک ہے یہ کام تو میں ابھی اور اسی وقت کیے دیتا ہوں۔“ سائیں کوڑیل دبی دبی مسرت کے ساتھ بولا پھر جیسے اچانک اسے کچھ یاد آیا اور بوڑھے جگن سامری سے بولا۔ ”مہاراج ایک بات تو بتاؤ.....؟“

”ہاں..... ہاں پوچھو۔“ بوڑھا جگن سامری گمبھیر لہجے میں بولا۔

”میری پتنی جب سات ماہ بعد دو بچوں کو جنم دے گی تو یہ راز اس سے آخر کیسے چھپایا جائے گا کہ اس نے دو نہیں ایک بچے کو جنم دیا ہے۔“

”تو تو زنانیوں کے معاملے میں بالکل ہی کورا ہے..... پتہ نہیں جادو ٹونا کیسے کر لیتا ہے؟“ بوڑھے جگن سامری نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ”اڑے بالکے..... زچگی کے وقت میری بیوی رچنی موجود ہوگی..... یہ ایسے کام میں ماہر ہے..... اس وقت باہر کی کوئی عورت تیری پتنی کے پاس موجود نہیں ہوگی سوائے میری پتنی رچنی کے..... ویسے تو نے اچھا کیا جو یہ سوال پوچھ ہی لیا۔“

سائیں کوڑیل اپنی عقل مندی پر سر دھننے لگا۔

☆.....☆.....☆

گل شیر، وڈیرے سالار خان کے قدموں میں پڑا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ دہشت زدگی کے آثار اس کے سُتے ہوئے چہرے پر ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔ خوف کے باعث اس کا پورا جسم لرزیدہ تھا۔ وہ وڈیرے سالار خان کے ایماء پر غرور اور اکڑ کے ساتھ بھٹ سائیں کو اس کی جھونپڑی سے اغواء کرنے کے لیے گیا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ خوف کے مارے بھیگی بلی بن کر واپس لوٹا تھا۔ اس نے بھٹ سائیں کے ”کرشمے“ سے متعلق وڈیرے کو سب کچھ بتا ڈالا تھا کہ اس نے اپنی حفاظت کے لیے جھونپڑی کے اندر ایک بدروح پال رکھی ہے۔

وڈیرے نے خشمگیں نظروں سے گل شیر کو گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”اڑے تجھے کس نے کہا تھا کہ اس بدروح کے ساتھ بیٹھ کر کچہری کر..... وہ بدروح تجھے کچھ نہیں کہے گی۔ اب سن میری بات غور سے، ذرا دل بڑا کر اور اپڑیں سائیں کوڑیل کے پاس جا کر تعویذ لے کر بازو پر باندھ لے پھر وہ بدروح تیرا کچھ نہیں بگاڑے گی..... کیا سمجھا.....؟“

”حاضر سائیں میں کوشش کروں گا۔“ گل شیر اپنے گھگھیائے ہوئے لہجے پر قدرے قابو پاتے ہوئے بولا۔

”اڑے کوشش نہیں بابا! تیرے کو ہر حالت میں یہ کام کرنا ہے۔ ہم کتے اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لئے نہیں پالتے ہیں کہ وہ ہمارے اوطاقوں میں پڑے اینڈتے رہیں؟'' وڈیرے سالار خان نے نخوت سے کہا۔

''برابر سائیں وڈا برابر میں سمجھ گیا آ..... آپ حکم کرو۔''

''اڑے حکم کیا کریں..... اچھا سن تو ایسا کر بھٹ سائیں کو گولی مار دے۔ قصہ ہی ختم.....!'' وڈیرے سالار خان نے سفاکانہ سرگوشی میں کہا تو گل شیر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی۔

☆.....☆.....☆

سکھاں کی جیسے دل کی بستی آباد ہو گئی تھی۔ ایک دیا تھا جس نے بجھے دل میں اجالا کر دیا تھا..... مراد بخش کا چہرہ ایک لمحے کے لیے بھی تو اس کی خواب آگیں آنکھوں سے محو نہیں ہوا تھا..... وہ جس جذبے اور لگن کے تحت اسے بار بار حیلے بہانوں سے تشفی دینے آتا تھا کہ بہت جلد اس کے دونوں بھائی میر نواز اور احمد نواز رہا ہونے والے ہیں مگر سکھاں جانتی تھی کہ اس سے بات کرنے کے بہانے آتا ہے۔ سکھاں کو اپنے بھائیوں کی طرف سے بڑی فکر رہنے لگی تھی۔

روز روز کی تسلیوں سے تنگ آ کر بالآخر سکھاں نے ایک دن تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اب کی بار مراد بخش سے شکوہ کر کے ہی رہے گی۔ وہ اس سے ملنے کے بہانے روزانہ جھوٹی تسلی دیتا تھا۔

وہ دن کا ہی پہر تھا..... کچے صحن کی گارے مٹی والی دیواروں پر سنہری دھوپ اتر آئی تھی۔ مرغی اپنے ننھے منے چوزوں کی فوج ظفر موج کے ساتھ دانہ دنکا چگتی پھر رہی تھی..... ماسی انگیٹھی اور چولہے کے لیے ایندھن کے طور پر مستعمل ہونے والے اپلوں کی تیاری میں گائے بھینسوں کا گوبر جمع کرنے کے بعد کچی دیواروں پر انہیں تھاپ رہی تھی جبکہ سکھاں جھاڑو دینے میں مصروف تھی..... اچانک دروازے پر دستک ہوئی..... سکھاں کا دل یکبارگی دھڑکا، وہ سمجھ گئی کہ یہ مراد بخش ہے۔ وہ اس پر جو ادھار کھائے بیٹھی تھی۔ وہ سارا غبار خود بخود ہوا میں تحلیل ہو گیا..... بے تابی سے اٹھی اور پوچھا۔

''کون ہے؟''

''ادی.....! در کھول ہم ہیں میرو اور احمد۔'' باہر سے ابھرتی ہوئی اپنے

بھائیوں میر نواز اور احمد کی آواز سنتے ہی جیسے سکھاں کے تن مردہ میں جان پڑ گئی۔ وہ مسرت آمیز بے تابی کے ساتھ دروازے کی طرف دوڑی اور دھڑ سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے اس کے دونوں بھائی موجود تھے۔ فرط خوشی سے سکھاں کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ ''اڈا!'' کہتے ہوئے بھائیوں کے گلے لگ گئی۔ دونوں اس کے سر پر مشفقانہ ہاتھ دھرے اندر آ گئے۔

☆.....☆.....☆

''سومری.....! پتہ نہیں کیا بات ہے میرا دل بڑا بے چین سا رہنے لگا ہے..... میں موت سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی میں اللہ کے سوا کسی سے ڈرتا ہوں لیکن پتہ نہیں کیوں میرے دل کو بے چینی سی لگی رہتی ہے۔''

''میں جانتی ہوں ملوک میرے سریجن.....! تمہیں میری وجہ سے بے چینی رہتی ہے۔'' سومری نے محمد ملوک کی بات سن کر کہا۔

''سومری.....! مجھے ایسا لگتا ہے جیسے..... جیسے تجھے کوئی ایک بار پھر مجھ سے چھین لے گا تت..... تجھے مجھ سے دور لے جائے گا اور..... اور..... پھر ہم کبھی بھی ایک دوسرے کا چہرہ نہیں دیکھ پائیں گے دوبارہ.....!''

محمد ملوک کی بات سن کر سومری کے عنابی ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقصاں ہو گئی مگر اس کی بڑی بڑی آنکھوں کی گہری جھیل پر سوگوار چاند اداسی پھیلائے ہوئے محسوس ہونے لگا جس کا صاف مطلب تھا کہ وہ اندر سے ایک ناقابل بیان اداسی میں مبتلا تھی۔

وہ دونوں اس وقت جھونپڑی کے اندر آمنے سامنے بیٹھے محو گفتگو تھے۔ باہر ٹھٹھرتی ہوئی پہر رات کا سناٹا ریگزار میں کوڑیالے ناگ کی طرح رینگ رہا تھا۔

''چلو میرے سریجن.....! باہر ٹہلتے ہیں..... اندر جانے کیوں مجھے وحشت سی ہو رہی ہے۔'' معاً سومری نے محمد ملوک سے کہا اور اس نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

وہ دونوں جھونپڑی سے باہر نکل آئے اور ریت پر ٹہلنے کے سے انداز میں نامعلوم مقام کی طرف دھیرے دھیرے چل دیئے۔

چہار سو ویرانی مسلط تھی۔ وہ دونوں آپس میں محو گفتگو تھے۔ وہ دونوں اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بات سے قطعی بے خبر تھے کہ ایک شخص موت کی طرح ان کا تعاقب بھی کر رہا ہے۔ یہ گل شیر تھا۔ وڈیرے سالار خان نے اسے اب بھٹ سائیں کا قصہ ہی ختم کر دینے کے لیے روانہ کیا تھا حالانکہ گل شیر اس سے قبل بھی بھٹ سائیں کو اغواء کرنے کے لیے اس طرف کا رخ کر چکا تھا مگر اس کا ٹاکرا سائیں کی بجائے ایک خوفناک چڑیل سے ہو گیا تھا اور گل شیر بعد میں دہشت کے مارے دم دبا کر وہاں سے بھاگا تھا۔ اس پر وڈیرے سالار خان نے گل شیر کے خوب لتے لیے تھے۔ بالآخر گل شیر کو اب بھٹ سائیں کے سینے میں گولی اتارنے کا حکم دیا تھا۔ گل شیر کو یہ کام کچھ آسان لگا تھا اور ویسے بھی وہ وڈیرے کی حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہر طور گل شیر اب ڈبل بیرل بندوق سنبھالے رات کے اس ٹھٹھرتے ہوئے سناٹے میں جب بھٹ سائیں کی جھونپڑی کے قریب پہنچا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے بھٹ سائیں کو جھونپڑی سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ اس کے ہمراہ گل شیر کو وہ حسین و جمیل عورت بھی نظر آئی تھی جس کا نظارہ چڑیل کے روپ میں وہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ گل شیر تو جہاں کا تہاں رہ گیا اور خوف کے مارے اس کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ اس میں آگے بڑھنے کی ہمت اور سکت نہیں رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ حسین عورت نما چڑیل بڑی طاقت کی مالک تھی جو گل شیر کے منصوبے سے اچھی طرح آگاہ تھی وہ اسے آخری بار دھمکی بھی دے چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گل شیر خوفزدہ ہو گیا تھا مگر اس نے ابھی واپسی کا ارادہ نہیں باندھا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ یونہی لوٹ گیا تو وڈا بھوتار اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بالآخر اس نے یہی تہیہ کیا کہ ابھی صرف انتہائی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ ان دونوں کا تعاقب کرتا رہے اور پھر جیسے ہی وہ حسین عورت نما بدروح' بھٹ سائیں سے رخصت ہو جائے تب وہ بڑے آرام سے بھٹ سائیں کو اپنی بندوق کی گولی کا نشانہ بنا کر نکل بھاگے گا۔ لہٰذا گل شیر اب کچھ دل مضبوط کر کے بڑی ہوشیاری کے ساتھ ان کے تعاقب میں لگ گیا۔

چہار سو ریت کا سمندر سا پھیلا ہوا تھا۔ تاروں بھرے آسمان میں ریت کے ذرے موتیوں کی طرح دمک رہے تھے۔ بڑا ہی پراسرار ماحول تھا..... گل شیر بندوق سنبھالے موقع کی تاک میں برابر ان دونوں کے تعاقب میں چھوٹے بڑے ریتیلے ٹیلوں کے پیچھے چھپتا ہوا سومری اور بھٹ سائیں پر شکرے جیسی نظریں جمائے ہوئے تھا۔

وہ ان دونوں سے لگ بھگ پندرہ بیس گز کے فاصلے پر تھا۔ گل شیر نے ان کے تعاقب میں چلتے ہوئے ایک بات نوٹ کی تھی کہ ریت پر بھٹ سائیں کے قدموں کے نشانات تو بن رہے تھے مگر اس حسین عورت نما چڑیل کے پاؤں کے نشانات غائب تھی۔ ایک لمحے کو جانے کیوں گل شیر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی مگر دوسرے ہی لمحے وہ اپنا دل مضبوط کر کے آگے بڑھنے لگا پھر معاً ایک موقع پر گل شیر کا دل مسرت سے دھڑکا اور قدرے ٹھٹک کر ایک مختصر سے جبل بھٹ کی آڑ میں ہو گیا۔

وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حسین عورت (سومری) اور بھٹ سائیں (محمد ملوک) ٹھہر گئے تھے۔ سومری کا انداز رخصت ہونے کا سا تھا تب پھر اچانک گل شیر نے دیکھا سومری کا حسین وجود ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

ذرا ہی دیر بعد گل شیر نے اب بھٹ سائیں کو واپس لوٹتے دیکھا بس یہی وہ موقع تھا جب گل شیر نے بھٹ سائیں کے سینے میں اپنی بندوق کا مہیب چھروں والا کارتوس اتارنے کا ارادہ کیا اور پھر اس نے ریتیلے ٹیلے کی آڑ سے شست باندھی اور اپنی ہی دھن میں مگن موت کی سفاک گھات سے بے خبر بھٹ سائیں کے سینے کا نشانہ لینے لگا۔

اس کا دل جانے کیوں تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ بھٹ سائیں اب خاصا قریب آ چکا تھا۔ گل شیر کی ایک انگلی اب لبلبی پہ آ چکی تھی اور پھر اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا، اچانک دو افراد اسے للکارتے ہوئے اس پر جھپٹے۔ آناً فاناً ایک خاصے لحیم شحیم شخص نے گل شیر کو بے بس کر ڈالا اور دوسرے نے فوراً اس کی بندوق چھین کر اپنے قبضے میں کر لی۔

☆.....☆.....☆

مراد بخش عجیب مشکل کا شکار ہو گیا تھا۔ جب سے سکھاں کے دونوں بھائی میر نواز اور احمد جیل سے چھوٹ کر آئے تھے، مراد بخش کا سکھاں سے ملنے کا بہانہ جاتا رہا تھا۔ خدانخواستہ اس کا یہ مطلب بھی نہ تھا کہ مراد بخش یہ چاہتا ہو کہ سکھاں کے بھائی جیل ہی میں رہتے بلکہ وہ تو خوش تھا کہ اس کی محبوب ہستی سکھاں کے بھائی آزاد ہو کر گھر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آ گئے تھے۔ یہ سکھاں کے لیے بڑی خوشخبری تھی اور ظاہر ہے سکھاں کی خوشی میں اس کی خوشی بھی تھی ورنہ مراد بخش کو معصوم سکھاں کا چہرہ ہر وقت کمہلایا کمہلایا سا ہی نظر آتا تھا۔ اب ایک ندی کے سرسبز ''کراڑے'' پر بیٹھا گہری سوچ میں مستغرق تھا اور ''گہری سوچ'' سکھاں سے ملنے کی کوئی سبیل تلاش کرنے کی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ ''دیرے'' سے فارغ ہوا تھا۔ ندی کے دوسری طرف دور تک اعلیٰ جنس کے ''ایری'' چاولوں کی جوان فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ مراد بخش نے آج کام بے دلی سے کیا تھا۔ اس کا باپ محمد بخش بھی زمین کے ایک چھوٹے ٹکڑے پر کاشت کرتا تھا مگر اپنی سرکاری نوکری کی وجہ سے اسے کم ہی وقت مل پاتا تھا البتہ اس کا بیٹا مراد بخش کلی طور پر اس ٹکڑے کو بڑی جانفشانی کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھے۔

موسم خاصا خوشگوار تھا۔ چاروں طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ندی کا پانی کسی شاعر کی غزل کی طرح بڑی نغمگی کے ساتھ بہے چلا جا رہا تھا۔ معاً مراد بخش کی کمر پر مٹی کا ایک چھوٹا سا ڈھیلا آ کر لگا۔ اس نے چونک کر عقب میں دیکھا ذرا فاصلے پر کھیت کی منڈیر سے پرے باگڑ بلا ایستادہ تھا (ایک انسانی پتلا جسے کھیتوں کے بیچ کھڑا کرتے ہیں تاکہ کوئے، پرندے فصل خراب نہ کریں) اس کے بالکل ساتھ سکھاں اسے نظر آ گئی۔ اسے دیکھ کر مراد بخش کا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا اس کی تو جیسے مراد بر آئی تھی..... خوشی میں اتنا وہ مست ہوا کہ اس نے بھربھری مٹی والی زمین سے ایک ڈھیلا اٹھا کر اس کی طرف خوشی کے اظہار میں اچھال دیا۔ سکھاں اپنی اجرک کے رنگ جیسی باریک مہین اوڑھنی دونوں ہاتھوں سے فضا میں لہراتی ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی اس کے قریب آ گئی۔

''آج میں تیرے کو بڑا یاد کر رہا تھا سکھاں تو بیٹھ!'' مراد بخش نے مخمور سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

سکھاں کے عنابی لبوں پر میٹھی مسکراہٹ سی تیر گئی اور اس نے بڑی بڑی کجراری آنکھوں سے مراد بخش کی دنیا زیروزبر کرتے ہوئے اٹھلاتی آواز میں کہا۔

''اچھا میں بھی تیرے کو بڑا یاد کر رہی تھی آج..... پھر مجھے پتہ ہی نہیں لگا کہ میرے قدم خود بخود اس ندی تک آ گئے..... میرے کو معلوم نہ تھا تو یہاں ہوگا۔''

''اسی کو دل سے دل کی راہ کہتے ہیں سکھاں!'' مراد بخش اس کے دراز گیسوؤں کی مہک اپنی یورش زدہ سانسوں میں اتارتے ہوئے محبت پاش لہجے میں بولا۔

''اچھا بتا تیرے بھائی خیر سے جیل سے چھوٹ کر آ گئے۔ اب تو تو بہت خوش ہے ناں..... یہی تو میں بھی چاہتا تھا ورنہ تیرا ہر وقت اداس چہرہ دیکھ کر میرے دل کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔''

''ہاں مرادے اب میں واقعی بہت خوش ہوں ادا میرو اور احمد کے جیل سے چھوٹ کر گھر آنے پر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے سر پر کسی نے دوبارہ چادر ڈھانپ دی ہو۔'' سکھاں نے کہا۔ ''اچھا اب میں چلتی ہوں اڈا میرو اور احمد کو مانی ٹکر دینی ہے، بچارے کھیتوں میں صبح سے کام پر گئے ہوئے ہیں۔''

''جا چلی جا.....! اب بھلا میں تیرا کیا لگوں ہوں۔ تیرے لیے تو سب کچھ تیرے اڈا ہیں ناں۔ میں تو ٹھہرا پرایا چھوکرا بھلا میری کیا حیثیت؟'' اچانک مراد بخش نے مصنوعی خفگی سے کہا اور ایک بھربھری مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر ندی کی طرف اچھال دیا۔

سکھاں گھاس تنکا اس کے کان میں گھماتے ہوئے بولی۔ ''ناراض کیوں ہوتا پڑا ہے پرائے چھوکرے.....! ارے بابا! پرایوں کو ہی تو اپڑاں (اپنا) بنایا جاتا ہے اور ایک دن تو بھی تو میرا اپڑاں.....!'' اتنا کہہ کر وہ اپنی ہی بات پر خود ہی شرما گئی اور سر جھکا لیا۔

مراد بخش کو اس کی یہ ادا اس قدر بھا گئی کہ وہ بڑے چور جذبوں کے ساتھ سکھاں کے گلابی پڑتے چہرے کو مسحور کن نظروں سے تکنے لگا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن پکڑ لی۔

وہ ہولے سے چیخی۔ ''ہائے مرادے چھوڑ کسی نے دیکھ لیا تو.....؟''

''نہیں پہلے اپڑیں بات پوری کر.....!'' مراد بخش اسے کہاں چھوڑنے والا تھا۔

''اچھا بابا چھوڑ تو سہی میری گردن..... بولتی ہوں.....''

''یہ لے اب بول.....!''

''نہیں بولتی جا کیا کرلے گا.....؟'' یہ کہہ کر سکھاں ندی کے کنارے ہرنی کی طرح قلانچیں بھرنے لگی اور مراد بخش اس کے پیچھے پکڑنے کو دوڑا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اب سکھاں آگے تھی اور مراد بخش اس کے پیچھے ..... وہ ندی کے ناہموار اور بھربھری مٹی والے ''کراڑے'' پر بھاگ رہے تھے ..... جدھر کہیں کہیں گھاس کے جھنڈ اور جنگلی پودے بھی اُگے ہوئے تھے۔

دفعتاً ایک مقام پر سکھاں کا پاؤں رپٹا اور وہ جنگلی بوٹوں کے جھنڈ پر جا گری اور اگلے ہی لمحے اس کے حلق سے تیز سسکاری آمیز کراہ خارج ہوگئی۔ مراد بخش پہلے تو یہی سمجھا کہ گرنے کی وجہ سے سکھاں کے حلق سے چیخ نکلی ہے مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ سکھاں بدستور اپنا ٹخنہ پکڑے تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچیں روئے جا رہی ہے تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کک ..... کیا ہوا ..... سکھاں .....؟'' مراد بخش یہ کہتے ہوئے فوراً جھکا تو اس کی پنڈلی پر دو باریک سرخی مائل سوراخ صاف نظر آ گئے۔ مراد بخش کے چہرے پر ایکا ایکی تشویش کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔ اسے یہ سمجھنے میں مطلق دیر نہیں لگی کہ سکھاں کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ سکھاں پر اب نیم بیہوشی طاری ہونے لگی تھی۔ مراد بخش کا دل طوفانی رفتار سے دوڑنے لگا۔ اس نے جلدی سے اپنی اجرک کا کونا پھاڑ کر پنڈلی پر باندھا دیا اور مدد کے لیے وہ پریشان کن نظروں سے آس پاس دیکھنے لگا مگر دور دور تک لہلہاتے کھیتوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

سکھاں اب مکمل طور پر بیہوش ہو چکی تھی۔ مراد بخش اس کی قریب المرگ جیسی حالت دیکھ کر سناٹے میں آ گیا۔ وہ بری طرح حواس باختہ ہونے لگا۔ سکھاں کا حسین چہرہ کمہلانے لگا تھا، اس کے چہرے پر موت کی زردی کے آثار دھیرے دھیرے نمودار ہوتے دیکھ کر مراد بخش کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے تاہم اس نے جلدی سے سوچا کہ پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا تب اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا ..... اسے یاد آیا کہ سائیں کوڑیل شاہ کی اوطاق یہاں سے دور نہیں لہٰذا اس نے سکھاں کو اٹھا کر کاندھے پر ڈالا۔ وہ پاگلوں کی طرح سائیں کوڑیل شاہ کے حجرے کی طرف دوڑتا چلا جا رہا تھا اور ساتھ ہی دل ہی دل میں سکھاں کی زندگی کے لیے بھی اللہ سے دعائیں مانگے جا رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سکھاں کی زندگی درحقیقت اس کی زندگی تھی ..... اگر سکھاں کو خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو مراد بخش بھی زندہ درگور ہو

جاتا۔ مراد بخش کو معلوم تھا کہ سائیں کوڑیل ایک پیر فقیر آدمی ہے، وہ ضرور دم کر کے ٹھیک کر دے گا۔

راستے میں چند اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ حجرے میں پہنچ کر وہاں موجود سائلوں کی پروا کیے بغیر وہ اندر گھس گیا۔ سامنے ایک اونچے چبوترے پر سائیں کوڑیل آنکھیں موندے تسبیح کے دانے رول رہا تھا۔

''سس ..... سائیں اس چھوکری کو سانپ نے ڈس لیا ہے، یہ بیہوش ہو گئی ہے ..... خدا کے لیے سائیں کچھ کرو۔'' مراد بخش نے تقریباً گڑگڑاتے ہوئے سائیں کوڑیل سے کہا۔

کوڑیل شاہ نے آنکھیں کھول کر زخم کا معائنہ کیا۔ تب اچانک مراد بخش کی نظر ایک مجہول سے بوڑھے پر پڑی جو سائیں کوڑیل کے بالکل ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ اس نے سردی کے موسم میں بھی جسم پر صرف باریک کرتے کی صدری اور دھوتی باندھ رکھی تھی۔ یہ سائیں کوڑیل کا گرو گھنٹال سفلی علوم کا ماہر جگن سامری تھا۔

مراد بخش نے ایک خاص بات محسوس کی کہ وہ پراسرار بوڑھا بیہوش پڑی سکھاں کو بڑی عجیب و غریب نظروں سے یک ٹک گھورے جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سائیں کوڑیل سکھاں کی قریب المرگ حالت کی بنا پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے دونوں چیلے اربیلو اور مگو بھی موجود تھے۔ سائیں کوڑیل نے آنکھیں بند کر کے چند ثانیے زیرلب بدبدانے کے بعد سکھاں کی پنڈلی کو غور سے دیکھا جہاں سانپ نے ڈسا تھا، وہاں اب سرخی کی جگہ نیلاہٹ پھیلنے لگی تھی۔ اگلے ہی لمحے سائیں کوڑیل نے سانپ کے کاٹنے والی جگہ پر اپنا منہ رکھ دیا اور زہر چوس چوس کر تھوکنے لگا۔ مراد بخش دل ہی دل میں سکھاں کی زندگی کے لیے دعائیں مانگے جا رہا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ سائیں کوڑیل کے قریب بیٹھے اس پراسرار بوڑھے جگن سامری نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اٹھا کر سائیں کوڑیل کے شانے پر رکھ دیا۔ کوڑیل نے قدرے چونک کر جگن سامری کی طرف دیکھا..... جگن سامری نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سائیں کوڑیل کو کوئی پراسرار اشارہ کیا اور پھر جیسے سائیں کوڑیل بوڑھے جگن سامری کا اشارہ سمجھتے ہوئے اپنے سر کو تھپکی انداز میں جنبش دینے لگا تب پھر سائیں کوڑیل نے مراد بخش سے کہا۔ ”یہ چھوکری تیری کیا لگتی ہے ڑے چھورا؟“

مراد بخش اس کے اس اچانک سوال پر ذرا گڑبڑا سا گیا مگر اسے سکھاں کے سوا اس سے کچھ اور سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ ”سس..... سائیں اسے بچا لو سائیں..... یہ..... ٹھیک تو ہو جائے گی ناں؟“

”ہاں..... ہاں مولا سائیں کرے گا..... یہ ٹھیک ہو جائے گی..... ابھی یہ کچھ کچھ خطرے سے باہر ہے..... ہم اسے اندر جھاڑ پر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ جو بچا کچھا زہر اس کے خون میں سرایت کر چکا ہے، اس کا اثر بھی ٹوٹ جائے۔“ سائیں کوڑیل نے کہا مگر پھر دوسرے ہی لمحے اپنی گھنی بھنویں سکیڑ کر گہری اور پرتشکیک نظروں سے اس کے چہرے کی طرف گھورتے ہوئے اپنا پہلا والا سوال دہرایا۔ ”اڑے چھورا تو نے میرے

سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ چھوکری تیری کیا لگتی ہے کیا یہ بہن ہے تیری؟“

”نن..... نہیں سائیں.....! یہ مجھے ادھر ندی کے کنارے بے ہوش ملی تھی۔“ مراد بخش نے دروغ گوئی سے کام لیا..... اسے اور کوئی جواب ہی نہیں سوجھا تھا..... ایسے میں جبکہ سائلوں کی صورت میں وہاں گوٹھ کے اور بھی کئی لوگ موجود تھے۔ دیہات ہونے کی وجہ سے یہاں سب لوگ ایک دوسرے کے شناسا تھے۔ مراد بخش نے کسی بدمزگی سے بچنے کے لیے تو اس وقت جھوٹ بول دیا تھا مگر شاطر سائیں کوڑیل نے مراد بخش کے بشرے سے ظاہر ہوتی پریشانی سے حقیقت کو فوراً بھانپ لیا تھا کہ یہ انسانی ہمدردی سے زیادہ ”دلدار“ ہونے کا شاخسانہ تھا وگرنہ کسی پرائے کی خاطر انسان اس قدر خود کو ہلکان یا حواس باختہ نہیں کرتا۔ مگر ادھر مراد بخش کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ ایسا لگتا تھا سانپ نے سکھاں کو نہیں بلکہ اسے ڈس لیا ہو۔ پھر اس سے پہلے کہ سائیں کوڑیل مزید کچھ کہتا، اس کے قریب بیٹھے جگن سامری نے کوڑیل کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ ”اس بات کو چھوڑو، اسے اندر لے چلتے ہیں۔ آؤ چھوکرا تم بھی اندر آؤ۔“ یہ کہہ کر اس نے اربیلو کو ہدایت کی کہ وہ سارے سائلوں کو جانے کے لئے کہہ دے۔

بیہوش سکھاں کو حجرے کے اندرونی حصے کے ایک نسبتاً تنگ و تاریک گوشے میں پڑی ایک چارپائی پر لٹا دیا۔ یہاں بوڑھے جگن سامری کی بیوی رچنی بھی موجود تھی۔ کمرے میں الاؤ روشن تھا جس کی حدت سے اندر کی فضا خاصی سکون آور اور گرم تھی۔

جگن سامری، سکھاں کے سرہانے بیٹھ کر بغور کان کی لو کے نیچے کچھ دیکھنے لگا پھر اگلے ہی لمحے جگن سامری کے چہرے پر ایک چمک عود کر آئی۔ وہ جلدی سے سیدھا ہوا اور سائیں کوڑیل کے کان میں سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ ”اس چھوکری کو ہر حالت میں بچانا ہے کوڑیل.....!“ کوڑیل، جگن سامری کی اس پراسرار سرگوشی پر بھونچکا سا رہ گیا تھا..... مگر دانستہ کوئی سوال نہ کر سکا۔

جگن سامری نے اپنی بیوی رچنی کو اشارہ کیا۔ رچنی نے جلدی سے اپنی بغچی کھول کر کوئی بوٹی نکالی۔ سائیں کوڑیل سے ایک کھلے منہ والے برتن میں دودھ منگوایا پھر اس میں اس بوٹی کا سفوف بنا کر سانپ کے کاٹنے والی جگہ پر لپ کیا اس کے بعد سکھاں پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ سکھاں کو کچھ ہوش آیا تو مراد بخش کا دل خوشی سے دھڑکنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لگا۔ رچنی نے سکھاں کو ذرا سہارا دے کر اسے بٹھا دیا۔ اب وہ خاصی بہتر نظر آ رہی تھی۔

"کیسی ہے اب تو چھوکری..... متلی تو نہیں ہو رہی..... چکر تو نہیں آ رہے.....؟" جگن سامری نے اپنے کھرکھراتے لہجے کو نرم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سکھاں سے پوچھا۔

نن..... نہیں.....! لیکن مجھے ہوا کیا تھا اور..... میں یہاں کیسے..... مراد ے.....! یہ سب کیا ہے؟" سکھاں اچانک مراد بخش کو دیکھ کر بولی اور چارپائی سے مضطربانہ انداز میں اٹھنے لگی تو اسے چکر سا آیا اور وہ غش کھانے کے انداز میں دوبارہ چارپائی پر گر گئی۔ مراد بخش ایک بار پھر پریشان ہو گیا اور عالم پریشانی میں اسے پکار بیٹھا۔ "سس..... سکھاں کک..... کیا ہوا.....؟"

ادھر جگن سامری اور سائیں کوڑیل، مراد بخش کا جھوٹ کھلنے پر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائے تو ان دونوں کی آنکھوں میں پراسرار قسم کی چمک ہلکورے لے رہی تھی۔

"اسے کیا ہو گیا سائیں؟" مراد بخش نے پریشان ہو کر کوڑیل شاہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا..... یہ اب ٹھیک ہے، کمزوری ہے..... ذرا تو ایک کام کر چھوکرا!" جگن سامری نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ایسا کر آ تو بھیل کی دکان پر جا کر اس سے آدھا پاؤ "بنات" لے کر آ..... جلدی کر بابا تکڑا....."

مراد بخش "اچھا سائیں" کہہ کر کوٹھری سے نکل گیا۔ اب اس تنگ و تاریک کوٹھری میں سائیں کوڑیل، جگن سامری اور اس کی بیوی رچنی رہ گئے تھے۔

"گرو جی..... یہ کیا چکر ہے..... چھوکری تو بالکل بھلی چنگی ہو گئی تھی پھر دوبارہ کیسے بیہوش ہو گئی؟" سائیں کوڑیل نے مراد بخش کے کوٹھری سے نکلتے ہی جگن سامری سے پوچھا۔ جواباً جگن سامری کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ رقصاں ہو گئی اور پھر وہ پراسرار لہجے میں بولا۔ "اسے میں نے خود جان بوجھ کر بیہوش کیا ہے۔"

"ہیں.....؟" سائیں کوڑیل کے منہ سے ہونقوں کی طرح برآمد ہوا۔

"ہاں.....! بالکے یہ چھوکری ہمارے بہت کام آ سکتی ہے۔ یہ وہ چھوکری ہے

جس کی ہمیں عرصے سے تلاش تھی مگر یہ کوئی عام چھوکری نہیں ہے بالکے..... ایسی چھوکریاں لاکھوں میں ایک ہوتی ہیں جو ہمارے کالے منتروں کے پاٹھ میں بہت کام آوے ہیں۔ یہ چھوکری ترشول کنٹھ ہے..... یہ دیکھ۔" یہ کہہ کر جگن سامری نے ایک بار پھر بیہوش سکھاں کے بائیں کان کی لو کے بالکل نیچے گردن پر سائیں کوڑیل شاہ کو ایک عجیب سا نشان دکھایا جو ایک نظر دیکھنے پر ہلال بھی دکھائی دیتا تھا اور دوسری نگاہ ڈالنے پر یہ نشان بچھو میں لگنے والی کسی چوٹ کا لگتا تھا۔

"غور سے دیکھو بالکے اس نشان کو..... یہی ترشول کنٹھ ہے۔"

"مہاراج! یہ تو کسی چوٹ کا نشان لگتا ہے۔" سائیں کوڑیل نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں بے وقوف.....! یہ چوٹ کا نشان نہیں ہے..... غور سے دیکھ.....! اس میں تجھے سیاہی گھلی ہوئی نظر آ رہی ہے..... یہ چھوکری جب ماں کے پیٹ میں تھی تو اس وقت چاند کو گرہن لگا ہو گا۔ یہ چھوکری ہمارے لیے بہت قیمتی اور فائدے مند ہو سکتی ہے بالکے! خاص کر اس حسین و جمیل بدروح سومری کے مقابلے کے لیے..... اس کی آتما کے ساتھ مسان کا پاٹھ کرنا ہو گا۔" اس کی بات سن کر سائیں کوڑیل کی آنکھوں میں خاص چمک سی عود کر آئی اور اس کے سیاہ ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ کھیلنے لگی مگر پھر دوسرے ہی لمحے قدرے تفکر سے بولا۔ "مگر گرو جی.....! اس چھوکری کو غائب کیسے کریں..... اسے تو یہاں سب نے دیکھ لیا ہے؟"

اس کی بات سن کر جگن سامری کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر اسی لمحے میں بولا۔ "جلدی کی ضرورت نہیں۔ بس اسے نظروں میں رکھنا ہو گا بلکہ یہ چھوکرا جو اسے یہاں لایا ہے، یہ جھوٹ بولتا ہے کہ یہ چھوکری اس کی کچھ نہیں لگتی ہے پر یہی چھوکرا ہمارے کام آ سکتا ہے..... اسے ہمیں بیوقوف بنانا ہو گا۔ سمجھے ابھی لڑکا آئے گا، میں تمہیں جیسے سمجھاؤں، تمہیں اس چھوکرے سے ویسا ہی کہنا ہے..... سن.....!"

سائیں کوڑیل، جگن سامری کے قریب آ گیا اور اس کی بات بغور سننے لگا۔

☆.....☆.....☆

"اڑے بابا انسپکٹر.....! تیرے کو ایک کام دیا..... وہ بھی تیرے سے ڈھنگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے نہ ہو سکا۔" وڈیرے سالار خان نے سرکنڈوں کے بنے ایک قدرے اونچے پٹے والے مونڈھے پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدلتے ہوئے اپنے سامنے کے مونڈھے پر براجمان انسپکٹر عالی جاہ کو قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

انسپکٹر عالی جاہ نے ذرا کھنکار کر کہا۔ "وڈیرا سائیں.....! کام تو میں نے کر دیا تھا مگر بیچ میں زمیندار حاجی ارصلاح خان.....!"

"اڑے بابا.....! اب وہ دو ٹکے کا زمیندار ہماری برابری کرے گا۔ جو کل تک ہمارے "رہاک" تھے، اب ہمارے باپ، داداؤں کی بخشش سے چند جریب زمینوں کے مالک بن گئے ہیں اور ہمارے منہ کو آنے لگے ہیں۔" وڈیرے سالار خان کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا اور یا چھوں سے جھاگ نکل رہا تھا۔ "تم نے آخر ان دونوں چھوکروں کو چھوڑنے سے پہلے مجھ سے اس بات کا ذکر کیوں نہیں ضروری سمجھا..... ہماری خدمات میں کوئی کوتاہی ہو گئی تھی تو بابا انسپکٹر ہمیں بتاتے.....؟"

"سائیں.....! اب غلطی ہو گئی..... معاف کر دو..... کیا کریں ہماری بھی کچھ کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے مجھے اس بڈھے (حاجی ارصلاح خان) کی بات ماننی پڑی۔" انسپکٹر عالی جاہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

قانون کا ایک رکھولا وڈیرے کی اوطاق میں آ کر اس کے سامنے وڈیرے کے "رہاک" (کھیت مزدور) کی طرح منت سماجت کر رہا تھا۔ عدل و انصاف کا یہ سارا کھیل پیسے کا تھا..... جو لوگ چند نوٹوں کی خاطر اپنا ضمیر بے ضمیر لوگوں کے پاس گروی رکھوا دیتے ہیں، وہ پھر اپنا مرتبہ اور شان کھو دیتے ہیں ورنہ ایک قانون کے اعلیٰ افسر کے سامنے وڈیرے جیسے عام آدمی کی کیا جرأت تھی کہ وہ اس پر حکم چلاتا اور اپنا غصہ اتارتا مگر وہ اتار رہا تھا غصہ اپنا، اور انسپکٹر عالی جاہ خاموش بیٹھا تھا۔ "بابا.....! اب تیری اس غلطی نے ہماری تو ناک کٹوا دی ناں!" تھوڑی دیر بعد وڈیرے نے خشمگیں نظروں سے انسپکٹر عالی جاہ سے گھورتے ہوئے کہا۔ جواباً انسپکٹر عالی جاہ خاموش رہا۔

"چنگا بابا پھر.....!" لمحہ بھر بعد وڈیرے سالار خان نے مونڈھے پر بیٹھے بیٹھے اچانک پہلو بدلتے ہوئے سناٹے دار لہجے میں انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تو اب جا، مگر ایک بات کا خیال رہے ان دونوں چھوکروں میر نواز اور احمد نواز کو اپنی نظروں میں

رکھنا..... جہاں تیرے کو ذرا بھی اس بات کا شبہ ہو کہ یہ دونوں اپنے باپ ہاری میر محمد کا قتل کیس کھلوانے کی کوشش کر رہے ہیں، تب فوراً کوئی بھی جواز بنا کر ان کو اندر کر دینا۔"

"حاضر سائیں.....! برابر..... برابر۔" انسپکٹر عالی جاہ نے جیسے جان چھوٹتی محسوس کر کے فوراً سعادت مندی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے لگتا ہے اب ایسا ضرور ہو گا۔ ان دونوں چھوکروں کو وہ دو ٹکے کا زمیندار حاجی ارصلاح خان میرے خلاف استعمال کرے گا۔" وڈیرے نے اپنی آنکھوں کو اس طرح سکیڑ کر کہا جیسے بہت دور کی کوڑی اس نے تلاش کی ہو۔ "دیکھو انسپکٹر.....! اب میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا..... تیرے کو اب میرا نمک حلال کرنا ہو گا۔" وڈیرے نے آخر میں انسپکٹر کو یوں سرزنش کی جیسے کہہ رہا ہو۔ "انسپکٹر! تیرے کو میرا "راتب" حلال کرنا ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر عالی جاہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سر ہلاتا ہوا اوطاق سے چلا گیا۔

"اڑے منشی.....!" انسپکٹر عالی جاہ کے جانے کے بعد وڈیرے نے نیم غنودہ سی آواز میں قریب ہی بیٹھے منشی جمعہ خان کو پکارا۔ "حاضر سائیں وڈا۔"

وہ یکدم مستعدی سے بولا اور اپنی جگہ سے ازراہ سعادت مندی اٹھ کر کھڑا ہونے لگا تو وڈیرے نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھے رہنے کو کہا۔ پھر بولا۔ "اڑے بابا گل شیر کی کوئی خبر آئی؟ ابھی تک آیا نہیں۔ دن اوپر ہونے کو آ رہا ہے، رات کا نکلا ہوا تھا۔"

"ہا سائیں....." میں خود پریشان ہوں، اتنی دیر اس نے کدھر لگا دی۔ اس کا کام تو اس بار آسان تھا صرف ایک گولی ہی تو بھٹ سائیں کے سینے میں اتارنی تھی۔"

"منشی.....!" وڈیرا اس کی بات پر زور سے دھاڑا۔ منشی جمعہ خان کا چھریرا جسم ایک دم کانپ اٹھا..... اس نے فوراً ہاتھ جوڑ دیئے۔

"اڑے بیوقوف! آہستہ بول..... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ بھٹ سائیں کوئی عام آدمی نہیں رہا۔" وڈیرے سالار خان نے اسے گھڑکا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ جھینپ کر بولا۔ ”حاضر سائیں! حاضر۔“

”پر منشی تو اس کی خبر گیری تو کر، رات آخر اس نے کون سا تیر چلایا۔“ وڈیرے نے منشی جمعہ خان سے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک اوطاق کے باہر شور سا سنائی دیا..... مونڈھوں پر بیٹھے ہوئے وڈیرا اور منشی چونک کر دروازے کی طرف تکنے لگے۔

اسی اثناء میں تین چار مقامی دیہاتی ایک شخص کو دبوچے اوطاق کے اندر داخل ہوئے۔ اوطاق کے باہر بھی لوگوں کا کافی ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ البتہ اندر اوطاق میں داخل ہونے کی جرأت صرف ان چار افراد نے ہی کی تھی۔ وڈیرا اور منشی کی اس مضروب شخص پر نگاہ پڑی تو دونوں ہی بری طرح ٹھٹک گئے۔ وہ گل شیر تھا جسے وڈیرے سالار خان نے بھٹ سائیں (محمد ملوک) کے سینے میں گولی اتارنے کے لیے بھیجا تھا۔ مگر اب اپنے چہیتے کارندے کو اس حالت میں دیکھ کر ایک لمحے کو اندر سے گھبرا گیا تھا۔

گل شیر کی حالت دیکھ کر صاف محسوس ہوتا تھا لوگوں نے اس کی خوب درگت بنائی تھی اور وہ ہانپ رہا تھا۔ وہ اس قدر خوفزدہ ہو گیا تھا کہ وڈیرے کو دیکھ کر ہی اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگھیایا۔

”سس..... سائیں.....! وڈا سائیں.....! مجھے بچاؤ، انہوں نے مجھے بہت مارا ہے یہ..... یہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے.....“

اس کی آہ و فغان پر غصے میں بپھرے ہوئے افراد کے چہروں پر حیرت کے ملے جلے تاثرات اُمڈ آئے مگر پھر دوسرے ہی لمحے ان میں سے ایک شخص نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے وڈیرے سے کہا۔ ”سائیں بھوتار!..... اس کمینے شخص نے آپ کے بھٹ سائیں کو قتل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ ہم اس کو جان سے مار دیں گے۔“ اس پر وہ ایک زوردار تھپڑ گل شیر کو لگاتے ہوئے شعلہ فشاں لہجے میں بولا۔ ”بول لڑے.....! تیری جرأت کیسے ہوئی بھٹ سائیں پر گولی چلانے کی۔“

”اڑے بابا ذرا ماٹھ کرو۔“ اچانک وڈیرے سالار خان نے کھرکھراتے لہجے میں کہا۔ ”اس کو چھوڑ دو..... ہم خود اس مردود کا فیصلہ کرتے ہیں۔“ وڈیرے کی بات پر بمشکل گل شیر کو انہوں نے چھوڑا تو وہ گڑگڑاتا اور ہاتھ جوڑتا ہوا وڈیرے کے پیروں میں گر پڑا۔ وڈیرے نے یونہی دکھاوے کی خاطر اسے لات ماردی۔ وہ پرے جا گرا پھر

وڈیرا بڑی مکاری سے اپنے لب و لہجے میں طیش کی چنگاریاں سموتے ہوئے بولا۔ ”میں اس کمینے کا کل صبح فیصلہ کروں گا..... سب کے سامنے..... تم لوگ ایسا کرنا کل صبح ادھر ہی اوطاق میں آ جانا۔“ وہ سب لوگ وڈیرے کی بات سن کر چلے گئے۔

”اڑے یہ کیا غضب کر دیا ڑے تو نے، ان لوگوں کے ہتھے کیسے چڑھا تو۔“ گوٹھ کے لوگوں کے جانے کے بعد وڈیرے نے قہر بار نظروں سے فرش پر ہاتھ جوڑے بیٹھے گل شیر کو گھور کر کہا۔

”سس..... سائیں! مجھے بھٹ سائیں پر گولی چلانے کا بڑا سنہری موقع مل گیا تھا اور میں چلانے ہی لگا تھا کہ نجانے کسی طرح دو افراد نے گولی چلانے سے پہلے ہی مجھے جھپٹ لیا اور مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔“ گل شیر نے بتایا پھر گڑگڑا کر ملتجیانہ لہجے میں وڈیرے سے بولا۔

”سائیں.....! مجھے بچا لو۔ یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔“

”اڑے بلا! چپ کر..... دیکھتے ہیں..... دیکھتے ہیں..... مجھے کچھ سوچنے دے۔“ وڈیرے نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ اس کے بھاری بھرکم چہرے پر..... پرسوچ لکیروں کا جال پھیل چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

پورے گوٹھ میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ بھٹ سائیں کو ان کا کوئی نامعلوم دشمن ہلاک کروانے کے درپے ہے۔ بات کا بتنگڑ بننے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے اور پھر یہ تو غلط بھی نہیں تھا کہ بھٹ سائیں کا اصل دشمن وڈیرا سالار خان ہی تھا لہٰذا یہی سبب تھا کہ جب گوٹھ کے لوگوں نے محسوس کیا کہ وڈیرا سالار خان ان کے بار بار کہنے کے باوجود بھٹ سائیں پر قاتلانہ حملہ کرنے کے مرتکب گل شیر کو کسی قسم کی سزا دینے سے لیت و لعل سے کام لے رہا ہے تو انہیں شک ہونے لگا کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ضرور ہے تاہم وڈیرے سالار خان کی آنا کانی کو دیکھتے ہوئے گوٹھ کے بعض مشتعل افراد نے وڈیرے کو واشگاف انداز میں یہ دھمکی بھی دے ڈالی تھی کہ اب اگر گل شیر گوٹھ میں کہیں نظر آیا تو اس کی لاش ہی مل پائے گی۔

اس صورتحال سے وڈیرا سالار خان ذرا متفکر ہو گیا تھا مگر اس کی وجہ تفکر یہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھی۔ اصل پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس کی اور بھٹ سائیں کی ذاتی دشمنی سے متعلق باتیں زبان زدعام ہونے لگیں تو پھر وہ بھٹ سائیں کو قتل نہیں کروا سکے گا۔

ایک دن وڈیرے نے اپنی اسی پریشانی کے حل کے لیے منشی جمعہ خان کے ذریعے سائیں کوڑیل کو اپنی اوطاق میں مشورے کے لیے بلوایا۔

''سائیں.....! بات تو واقعی بہت خراب ہوگئی۔ اس کا تو کوئی اور حل ہی سوچنا پڑے گا اب۔'' سائیں کوڑیل نے پرسوچ لہجے میں اپنا سر ہلاتے ہوئے وڈیرے سے کہا۔ ''آپ کی جلد بازی اور آپ کے اناڑی آدمی کی وجہ سے یہ کام اور بھی مشکل بلکہ اب ناممکن نظر آنے لگا ہے حالانکہ ایک ایسے شخص کو قتل کرنا مشکل کام تھا ہی نہیں، جو دور ویرانے میں تنہا اپنی جھونپڑی میں رہتا ہو۔''

''اڑے یار! اب آگے کی بات کر، اب کیا کریں۔'' وڈیرا پریشانی اور بیزاری سے جھلا کر بولا۔ اس کی بات سن کر پھر کوڑیل شاہ بولا۔ ''سائیں! پھر ایسا کرو تھوڑے دنوں کی مجھے مہلت دو۔ یہ کام میں اب خود ہی کسی اور طریقے سے کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے بابا.....!'' وڈیرے نے نخوت سے کہا۔ ''اور کسی میں اتنی جرأت بھی نہیں ہے کہ ہماری طرف کوئی انگلی بھی اٹھانے کی ہمت کر سکے۔''

''سائیں.....! وہ تو ٹھیک ہے..... پر یہ جو پیری فقیری والا معاملہ ہوتا ہے ناں..... یہ بڑا ہی نازک اور خطرناک ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ اس کے آگے نہیں ٹھہر سکے۔'' سائیں کوڑیل نے وڈیرے سالار خان کو معاملے کی اصل نزاکت اور خطرناکی سے آگاہ کرتے ہوئے درپیش صورتحال سمجھائی۔ تاہم پھر فوراً یہ موضوع ختم کرنے کی غرض سے دوبارہ تشفی آمیز لہجے میں بولا۔ ''اچھا..... اچھا..... سائیں.....! بس اب آپ کا دردسر میرا ہے، آپ بے فکر ہو جاؤ بس..... اب یہ کام آپ اپڑیں ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کریں اور جس قدر ممکن ہو سکے مشتعل لوگوں کے دلوں میں اپڑاں اعتماد بٹھانے کی کوشش کرو بلکہ لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کی خاطر کبھی کبھی خود بھی بھٹ سائیں کے پاس چلے جایا کرو۔'' اتنا کہنے کے بعد سائیں کوڑیل نے وڈیرے سالار

خان سے اجازت چاہی اور اس کی اوطاق سے نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

مراد بخش بیچارہ، جگن سامری کے کہنے پر ''بنات'' لینے کے لیے بھاگم بھاگ بھیل کی دکان پر پہنچا اور پھر آدھا پاؤ بنات لے کر پھولی ہوئی سانس کے ساتھ دل ہی دل میں سکھاں کی زندگی کی دعائیں مانگتا دوڑا دوڑا سائیں کوڑیل شاہ کے حجرے پہنچا۔

جب تک جگن سامری اور سائیں کوڑیل شاہ آپس کی ملی بھگت سے معصوم سکھاں کو اپنے کالے منتر کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے لیے ان دونوں شیطان صفت انسانوں نے اپنی راہ بھی ہموار کر لی تھی..... اب بس انہیں اس مراد بخش کی واپسی کا انتظار تھا۔

مراد بخش جیسے ہی حجرے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ سکھاں کو ہوش آ چکا تھا، اسے بھلا چنگا دیکھ کر مراد بخش کے سینے سے بے اختیار طمانیت بھری سانس خارج ہوگئی اور وہ بڑی محبت پاش نظروں سے اس کے حسین اور دلکش چہرے کی طرف عالم محویت سے تکنے لگا۔

''اڑے چھوکرا.....! ادھر دے بنات۔'' اچانک جگن سامری نے کڑک دار لہجے میں مراد بخش کو مخاطب کر کے کہا تو اس نے چونک کر جگن سامری کی طرف دیکھا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے بنات اس کے حوالے کر دیئے، جسے پیس کر کوڑیل شاہ نے دودھ میں ڈال کر سکھاں کو پلایا۔ اچانک جیسے مراد بخش کو ایک عجیب بات محسوس ہوئی اور اسے حیرت و پریشانی کا جھٹکا سا لگا۔ اس نے سکھاں کی طرف غور سے دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے سکھاں گم صم کہیں کھوئی ہوئی ہے، وہ اب چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ چکی تھی اور بظاہر بھلی چنگی نظر آ رہی تھی مگر اس کے چہرے پر ایک طرح کی بیگانگی سی طاری تھی حتیٰ کہ مراد بخش کو دیکھ کر بھی وہ ذرا نہیں چونکی تھی، نہ ہی اس کے چہرے پر کسی شناسائی کی رمق آئی تھی۔ مراد بخش یہی سمجھا کہ شاید یہ سانپ کے کاٹے کی وجہ سے ایسا ہے، بعد میں خود ہی رفتہ رفتہ ٹھیک ہو جائے گی۔

''اڑے چھوکرا!'' مراد بخش، سائیں کوڑیل کی آواز پر چونکا۔

''جی..... جی..... سائیں.....!''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اڑے بابا.....! جس سانپ نے اس چھوکری کو کاٹا تھا وہ بہت زہریلا تھا، شکر ہے تو اسے وقت پر ہمارے پاس لے آیا ورنہ.....! خیر سن یوں تو خطرے سے باہر ہے اب یہ چھوکری..... پر دیکھ اس کے خون میں زہر کا اثر پوری طرح زائل نہیں ہوا ہے، اس چھوکری کو روزانہ ادھر لانا ہوگا..... ابھی اس پر کچھ دن جھاڑ اور دم پاڑیں کرنا ہوگا سمجھا ورنہ..... ورنہ یہ اپنا ذہنی توازن کھو دے گی۔" سائیں کوڑیل نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے نظریں مراد بخش کے چہرے پر گاڑ دیں جو اس کی گفتگو سن کر خاصا پریشان سا نظر آنے لگا تھا۔ "ٹھیک ہے سائیں! میں اسے روزانہ ادھر..... مم..... میرا مطلب ہے میں اس کے گھر والوں کو بتا دوں گا..... وہ اسے خود ہی ادھر روزانہ....."

"اچھا..... اچھا..... ٹھیک ہے تو ایسا کر اسے لے جا اب....." اس بار جگن سامری نے اپنی چھچھوندر ایسی چندی چندی نظروں سے حیران پریشان کھڑے مراد بخش کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے بعد مراد بخش جب سکھاں کو لیے حجرے سے باہر نکل گیا تو اس کے جاتے ہی جگن سامری اور سائیں کوڑیل ایک دوسرے کی طرف پراسرار نظروں سے دیکھتے ہوئے مکروہ انداز میں مسکرا دیے۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر عالی جاہ اپنے کمرے میں موجود بری طرح تلملا رہا تھا مگر اس کی تلملاہٹ میں غصہ آمیز پریشانی کا عنصر بھی غالب تھا۔ وڈیرے سالار خان کی دھمکی اسے اپنے کانوں میں جھنجھناتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اسے فی الفور ان دونوں بھائیوں میر نواز اور احمد نواز کو دوبارہ گرفتار کرنے کا "حکم" دیا تھا جسے زمیندار ارصلاح خان نے اپنی ضمانت پر آزاد کروالیا تھا۔ انسپکٹر عالی جاہ جانتا تھا کہ وڈیرا سالار خان ان دونوں بھائیوں کو گرفتار کروانے کے کیوں درپے تھا۔ وڈیرا درحقیقت ان دونوں بھائیوں سے خوفزدہ تھا جو اپنے باپ ہاری میر محمد کے قاتلوں کو ہر قیمت پر ڈھونڈنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے اور ایسے میں ان کی مدد زمیندار حاجی ارصلاح خان نے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب انسپکٹر عالی جاہ دونوں طرف سے بری طرح پھنس چکا تھا۔ اگر وڈیرے سالار خان کے ایما پر ان دونوں بھائیوں میر نواز اور احمد نواز کو گرفتار کرتا ہے تو پھر زمیندار حاجی ارصلاح خان، سکھاں والا معاملہ راجواڑیں فیصلے میں لے جانے کی دھمکی دیتا تھا۔

دوسری طرف وڈیرا سالار خان اس کا گوٹھ میں جینا دوبھر کر دیتا۔ اب وہ سر پکڑے اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے خوشی خوشی خود اپنی مرضی سے شہر کی بجائے کسی گوٹھ میں اپنا تبادلہ کروانے کی غرض سے عرضی دی تھی جو فوراً قبول کر لی گئی تھی۔ درحقیقت شہر کی بجائے کسی دور افتادہ گوٹھ میں انسپکٹر عالی جاہ کو دو فائدے نظر آئے تھے ایک تو یہ کہ اس طرح کے چھوٹے موٹے گوٹھوں میں زیادہ عزت اور رعب چلتا تھا۔ دوسرا فائدہ عالی جاہ کی اپنی عیش پرستی سے تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ یہاں پر لوگ انتہائی غریب اور سیدھے سادے ہوتے ہیں اور وہ ان کی چہار دیواری کے اندر نظر شیطانی رکھے ہوئے تھا مگر اللہ نے اسے اس بدکرداری کی ایسی سزا دی تھی کہ سکھاں والے معاملے نے اس کے اندر سے "عیاشی" کا سارا بھوت نکال باہر پھینکا تھا۔ اب اسے اپنی جان چھڑانا مشکل نظر آنے لگا تھا۔ وہ اب کوئی درمیانی راہ تلاش کر رہا تھا جو اسے بھائی نہیں دے رہی تھی۔ ابھی وہ اس اُدھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ اچانک اردلی محمد بخش اندر داخل ہوا۔ انسپکٹر عالی جاہ کو یہ زہر لگتا تھا۔ "کیا ہے؟" اس نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"زمیندار حاجی صاحب آئے ہیں سائیں!" محمد بخش نے سنجیدگی سے کہا تو انسپکٹر عالی جاہ ساری اکڑفوں بھول گیا اور اس کی پریشانی مزید گہری ہوتی چلی گئی تاہم اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اردلی اس سے پہلے ہی حاجی صاحب کو بلانے کے لیے جا چکا تھا۔ انسپکٹر عالی جاہ کو محمد بخش کے اس رویے پر غصہ آتا تھا مگر وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اسے کچھ کہنے سے قاصر تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنی بدخصلتی کی وجہ سے کتنا گر جاتا ہے کہ ادنیٰ ماتحت بھی اس کے رعب کو دھواں سمجھ کر اڑا دیتے ہیں۔

چق ہٹی..... زمیندار حاجی ارصلاح خان اندر داخل ہوا..... اس کے عقب میں مقتول ہاری میر محمد کا بڑا بیٹا میر نواز بھی تھا جسے دیکھ کر انسپکٹر عالی جاہ کو اپنے اندر کھلبلی کا احساس ہونے لگا۔ وہ جبراً خوش اخلاقی چہرے پر طاری کرتے ہوئے حاجی صاحب کے استقبال کے لیے اٹھ کھڑا ہوا..... دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ میر نواز بھی انسپکٹر سے مصافحہ کرنا چاہتا تھا مگر انسپکٹر اسے نظرانداز کرتے ہوئے میز پر موجود کاغذوں کی طرف متوجہ ہوا پھر گھنٹی بجا کر حاجی صاحب کے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔ "کیا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پئیں گے حاجی صاحب.....؟"

"کچھ نہیں! یہ میر نواز ہے جس کے باپ ہاری میر محمد کو نامعلوم قاتلوں نے گولی مار کر ہلاک کر ڈالا تھا۔" حاجی صاحب نے انتہائی سنجیدہ نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ میر نواز کو ابھی انسپکٹر نے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا مگر حاجی صاحب نے اپنے قریب رکھی ایک خالی کرسی پر اسے بیٹھنے کو کہا تو وہ بھی جم کر براجمان ہو گیا۔ انسپکٹر عالی جاہ نے سرد نظروں سے ایک لمحے کو میر نواز کی طرف دیکھا پھر چہرے پر زبردست خلیقانہ مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے حاجی صاحب سے بولا۔ "جی حاجی صاحب! میں سن رہا ہوں..... آپ بتائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ہاری میر محمد کو قتل ہوئے اتنا عرصہ بیت جانے کے باوجود ابھی تک نامعلوم قاتلوں کے خلاف آپ نے ایف آئی آر تک درج نہیں کی، اس کی کوئی وجہ.....؟" زمیندار حاجی ارصلاح خان نے چبھتی ہوئی نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر عالی جاہ جو پہلے ہی سے حاجی صاحب کی میر نواز سمیت وہاں آمد کا مقصد جان چکا تھا، انجان بن کر بولا۔ "کسی نے درج ہی نہیں کروائی تو اس میں بھلا میرا کیا قصور.....؟"

"میں آیا تھا انسپکٹر صاحب! اپنے چھوٹے بھائی احمد نواز کے ساتھ آپ کے پاس، مگر آپ نے ہمیں ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا تھا۔" میر نواز، انسپکٹر عالی جاہ کے اس سفید جھوٹ پر خاموش نہیں رہ سکا تھا مگر انسپکٹر عالی جاہ اس کی بات سن کر اندر سے کھول اٹھا اور پھر اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "اڑے چھوکرا.....! تو چپ کر بیٹھ ورنہ تیرا مقدمہ میں دوبارہ کھول سکتا ہوں۔"

ماحول یکایک کشیدہ سا ہونے لگا تھا۔ دراصل خود حاجی صاحب کو بھی ایک سچی بات پر انسپکٹر عالی جاہ کا میر نواز کو جھڑکنا برا لگا تھا لہٰذا وہ بھی کڑک لہجے میں اور چبھتی ہوئی نظروں سے انسپکٹر عالی جاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں بولے۔ "انسپکٹر.....! میر نواز نے مجھے بتایا تھا کہ جب اس کے باپ ہاری میر محمد کو کسی نامعلوم شخص نے قتل کیا تو یہ اپنے چھوٹے بھائی احمد نواز اور گوٹھ کے چند لوگوں کے ساتھ یہاں آپ

کے پاس وقوع کی رپٹ لکھوانے آیا تھا مگر آپ نے ان دونوں بھائیوں کو!"

اچانک انسپکٹر عالی جاہ، حاجی صاحب کی بات کاٹ کر بولا۔ "چھوڑیں حاجی صاحب.....! آپ بھی کس کی بات کا اعتبار کر رہے ہیں..... ان لوگوں کی آپس میں دشمنیاں چلتی رہتی ہیں اور یہ لوگ چھوٹی چھوٹی بات پر ایک دوسرے کا خون بہا دیتے ہیں۔ میں نے اسے معمول کا کیس سمجھا تھا۔ ویسے بھی اس علاقے میں قانونی فیصلوں سے زیادہ راجواڑیں فیصلوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔ ہماری تو محنت اکثر اس وقت ضائع چلی جاتی ہے، آخر میں یہ لوگ پولیس کو خوار کرنے کے بعد اپنے بھوتاروں اور سائیں وڈیروں کی اوطاقوں میں فیصلہ لے جاتے ہیں۔" انسپکٹر عالی جاہ نے ایک لمحے توقف کیا پھر حاجی صاحب کے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے مستفسر ہوا۔ "حاجی صاحب! آپ بتائیں اب میں اس وقت آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

اس کی بات سن کر حاجی صاحب نے محسوس کیا کہ بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، بات آگے بڑھانا اس وقت زیادہ ضروری ہے لہٰذا پھر وہ کرسی میں بیٹھے بیٹھے پہلو بدلتے ہوئے ذرا کھنکار کر بولے۔ "جی انسپکٹر صاحب.....! آپ مہربانی فرما کر ایف آئی آر درج کر کے اس کا بیان قلمبند کر لیں اور اس کیس کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ میر محمد کے نامعلوم قاتل کو تلاش کرنا بہرحال آپ کا کام ہے۔"

انسپکٹر کے چہرے پر ذرا تذبذب اور الجھن آمیز پریشانی کے آثار ابھرے مگر پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک عود کر آئی اور وہ فوراً ہامی بھرتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے پھر حاجی صاحب!..... میں ضابطے کی کارروائی نمٹائے دیتا ہوں۔" پھر وہ حاجی صاحب کے قریب بیٹھے ہوئے میر نواز کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں چھوکرا..... تو پہلے یہ بتا کہ تیرے کو کسی پر شک ہے، اچھی طرح سوچ سمجھ کر بتانا۔"

"وڈیرے سالار خان نے میرے باپ کو مروایا ہے۔" میر نواز نے سپاٹ لہجے میں کہا اور انسپکٹر عالی جاہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ایک لمحے کو وہ ایسی پھٹی پھٹی نظروں سے میر نواز کو تکنے لگا جیسے وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق ہو۔ اسے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ ایک عام ہاری کا بیٹا جس کی زبان پر اس سے پہلے کسی گمنام قاتل کا ذکر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا' اب یوں واشگاف انداز میں وڈیرے کا نام لے دے گا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے ڑے چھورا؟'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔ ''تیرے کو معلوم ہے تو کیا کہہ رہا ہے؟''

''ہاؤ انسپکٹر سائیں ہاؤ..... میں اچھی طرح جانتا ہوں..... میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' میر نواز نے انسپکٹر عالی جاہ کے تند و تیز لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ ''میرا پیو گوٹھ کے گریب ہاریوں کا چنگا مڑس (بڑا لیڈر) تھا۔ وہ ان کے حقوق کیلئے وڈیرے سالار خان سے لڑتا رہتا تھا۔ وڈیرے کو میرے پیو کی یہی بات بری لگتی تھی کیونکہ یہ بات مجھے ہی نہیں گوٹھ کے سارے ہاریوں کو بھی پتہ ہے کہ وڈیرا اور اس کا منشی جمعہ خان ان کا حق مارا کرتے تھے اور بابا سائیں ان کے حق کیلئے آواز اٹھایا کرتے تھے۔''

''اڑے بابا تو اتنی سی بات پر بھلا وڈیرے کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اپنے سر خون لیتا اور وہ بھی ہاریوں کے لیڈر کا۔'' انسپکٹر عالی جاہ اس بار دانستہ لہجے میں درشتی کو دباتے ہوئے بولا۔ اسے میر نواز کی باتوں سے کسی خطرناک معاملے کی بو آ رہی تھی..... وہ جان گیا تھا کہ معاملہ اتنا آسان نہیں رہا اب ہاری میر محمد کے قتل کا.....

''یہ اتنی سی بات نہیں تھی انسپکٹر صاحب!'' اس بار حاجی صاحب نے اپنی نظریں انسپکٹر عالی جاہ کے چہرے پر مرکوز رکھتے ہوئے پرزور لہجے میں کہا۔ ''جائز حقوق کی آواز اٹھانے والے ہر لیڈر کا وجود ''اسٹیبلشمنٹ'' کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ وڈیرے سالار خان نے بھی یقیناً یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ہاری میر محمد کی آواز حق اٹھانے سے دوسرے ہاری بھی اس کی راہ پر چل نکلے تھے اس لئے اس نے یہ ضروری سمجھا ہو کہ معاملہ خراب کرنے والے کو ہی راستے سے ہٹا دیا جائے۔''

حاجی صاحب بلاشبہ زمیندار صحیح مگر بہرحال ایک سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے پڑھے لکھے انسان بھی تھے۔ اگرچہ بعض سیاسی حوالہ دینے سے انسپکٹر عالی جاہ بھی ان کی بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا اور اندر ہی اندر وہ خود کو چکی کے دو بھاری پاٹوں کے بیچ پستا ہوا محسوس کر رہا تھا مگر دانستہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجا کر بولا۔ ''اڑے حاجی صاحب.....! آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ نے خود اپنی آنکھوں سے وڈیرے سالار خان کو ہاری میر محمد کا قتل کرتے دیکھا ہے۔''

''آپ کی بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے۔'' حاجی صاحب نے پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ انسپکٹر عالی جاہ کی طرف دیکھ کر کہا تو اس کا چہرہ ہونقوں کی طرح نظر آنے لگا..... وہ حاجی صاحب کی بات پر بری طرح ٹھٹکا تھا اور پھر بے اختیار اس کے منہ سے بے ربط الفاظ نکلے تھے۔ ''کک..... کیا مطلب حاجی صاحب.....؟''

''جی میں نے تو خیر اپنی آنکھوں سے ہاری میر محمد کو قتل ہوتے نہیں دیکھا ہے مگر ایک آنکھ ایسی ہے جس نے ہاری میر محمد کے گمنام قاتل کو دیکھ کر پہچان لیا ہے کہ وہ کس کا آدمی ہے۔'' حاجی صاحب نے پراسرار سی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا تو انسپکٹر عالی جاہ کو سردی کے موسم میں بھی اپنی پیشانی عرق آلود ہوتی محسوس ہونے لگی۔

بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ ''کک..... کون ہے وہ شخص جس نے.....!''

''آں..... ہاں..... نہیں..... انسپکٹر صاحب! ابھی وقت نہیں آیا کہ میر محمد کے قتل کے اس اہم گواہ کا نام بتا کر اس بیچارے کی جان کو خطرے میں ڈال دیا جائے۔'' حاجی صاحب نے ڈرامائی انداز میں کہا اور مزید اضافہ کیا۔ ''دیکھنا تو یہ ہے ناں کہ آپ اس کیس میں ہماری کتنی مدد کرتے ہیں۔'' اس کی بات سن کر انسپکٹر عالی جاہ بے اختیار اپنی پیشانی مسلنے لگا۔

☆.....☆.....☆

رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ چہار طرف ہو کا عالم تھا۔ فضا میں ایسی دبیز کہر آلود تیرگی طاری تھی کہ چند فٹ کے فاصلے کے بعد تو کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

یہ قبرستان کا منظر تھا۔ دو سائے جنہوں نے لمبے سیاہ چغے پہن رکھے تھے..... قبرستان کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان دونوں پراسرار سایوں میں ایک درمیانی قد کا تھا اور دوسرا خاصی گھٹی ہوئی جسامت کا شخص تھا جس کا سر بالوں سے عاری تھا۔ یہ دونوں سائیں کوڑیل اور جگن سامری تھے جو ایک خاص عمل کرنے کے لیے یہاں آئے تھے۔ جگن سامری کی بغل میں ایک بغچی دبی ہوئی تھی، وہ دونوں ٹوٹی ہوئی اور نیم شکستہ قبروں کے درمیان چلتے ہوئے بالآخر ایک لئی کے گنجان درخت کے تھانولے پر رکی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بچھا کر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں خاموش تھے اور چہروں پر اس وقت بڑی گمبھیر اور اسرار بری تمتماہٹ طاری تھی۔ بغچی کے اندر سے جگن سامری کالے منتروں والا سامان جلدی جلدی نکال کر اپنے سامنے پھیلانے لگا..... ان میں ایک انسانی ڈھانچے کی استخوانی کھوپڑی، ران کے حصے کی دو ہڈیاں اور الو کی خشک آنکھوں کے چورے کے ایک چھوٹے مرتبان کے علاوہ اور بھی مختلف سفوف کی چھوٹی بڑی شیشیاں تھیں۔

انسانی کھوپڑی کا اوپری حصہ کھلا ہوا تھا..... جگن سامری نے ایک چراغ سا جلا کر کھوپڑی کے اوپر کھلے حصے سے اندر رکھ دیا تب پھر ایک دم جیسے کھوپڑی کی آنکھوں والے تاریک گڑھے روشن ہو گئے۔ انسانی کھوپڑی کا وہ روشن فانوس بڑا ہی پراسرار اور ہیبت ناک دکھائی دے رہا تھا۔ سائیں کوڑیل بڑی دلچسپی کے ساتھ اس منظر کو تکے جا رہا تھا۔ بوڑھے جگن سامری نے آج کی رات کو اپنے کالے منتروں کی خاطر خواہ تکمیل کے لیے بہت مناسب جانا تھا اس لیے یہ دونوں اپنے ایک اہم مقصد کے لیے ادھر موجود تھے۔ وہ دونوں لئی کے جس ٹنڈ منڈ سے پیڑ کے تھانولے میں بیٹھے تھے، یہاں سے تقریباً پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر سومری کی قبر تھی جس کے سرہانے روشنی کا عجیب سا ہالہ رقصاں تھا۔ جگن سامری آنکھیں موندے سیاہ لبوں تلے کچھ بدبدا رہا تھا اور وقفے وقفے سے قریب رکھے..... مرتبان کے اندر سے الو کی خشک آنکھوں کے چورے کی چٹکی بھر کر فانوس کی طرح روشن کھوپڑی کے اندر چھڑک دیتا جس سے اندر موجود چراغ کی روشن لو یکدم بھڑک کر دوبارہ معمول پر آ جاتی۔ جگن سامری کے قریب بیٹھا کوڑیل شاہ بھی اپنے کسی جاپ میں مگن تھا تب پھر جیسے اچانک اس نے خوشی سے آنکھیں کھول کر جگن سامری سے کہا۔ ”گرو..... وہ! آ رہی ہے.....“

”شش..... ش..... خاموش رہو اور منتر جاری رکھو۔“ جگن سامری نے گمبھیر آواز میں اسے جھڑکا اور سائیں کوڑیل نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں موند لیں پھر ٹھیک اسی وقت جگن سامری اس سے دوبارہ مخاطب ہو کر بولا۔ ”کوڑیل..... اب ہوشیاری سے بیٹھنا..... بہت سخت مرحلہ آنے کو ہے، میرے بتائے ہوئے منتروں کو دہراتے رہو۔ ایک بہت بڑا بھونچال اس قبرستان میں آنے والا ہے یوں سمجھو پورا قبرستان جاگ پڑے گا۔ ہوشیار باش کوڑیل.....! ہوشیار باش.....“ جگن سامری کی آواز لحہ بہ

لحہ مرتعش ہوتی جا رہی تھی۔

یہاں یہ دونوں اپنے اس منتر میں مصروف تھے ادھر ذرا دور کہر آلود ٹھٹھرتی ہوئی تاریکی میں ڈوبی ہوئی آبادی کے ایک گھر میں رلی بچھی چارپائی پر دراز گہری نیند میں ڈوبی ہوئی سکھاں نے لیٹے لیٹے یوں اچانک آنکھیں کھول دیں جیسے وہ کبھی سوئی ہی نہیں تھی پھر وہ تنویمی انداز میں چارپائی سے اٹھی اور عالم خواب میں دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کی حرکات و سکنات سے مشینی انداز مترشح تھا جیسے کسی نے اسے ہپناٹائز کر دیا ہو۔ اسے اپنے گردوپیش کی ذرا برابر پروا نہ تھی..... دروازے کی کنڈی کھول کر وہ باہر تاریک گلی میں آ گئی اور ایک جانب چل دی۔ فضا میں ٹھنڈک کا اثر غالب تھا اور سرد ہوا کے جھونکے بھی رگوں میں دوڑتے خون کو برفاب بنائے دے رہے تھے۔ ماحول میں عجیب سی دھند گھلی ہوئی تھی۔

آسمان پر چاند غائب تھا البتہ تاروں کی مدہم جگمگاہٹ کہر آلود ماحول میں طلسماتی سی ملگجی روشنی بکھیر رہی تھی۔

گلی میں آتے ہی سکھاں ایک طرف کو اپنا رخ موڑ کر تیز تیز قدموں کے ساتھ چلنے لگی..... گلی سے نکل کر وہ اندھیرے میں غرق کھیتوں کے سلسلوں کے درمیان بنی سانپ کی طرح بل کھاتی پگڈنڈی پر آ گئی..... اس کے چلنے کی رفتار بالکل یکساں تھی یعنی کسی بھی موقع پر کم زیادہ نہیں ہوئی تھی۔

اگلے ہی لمحے ایک تنگ موڑ کاٹتے ہی نجانے کدھر سے کھیتوں میں دبکے کتوں کا ایک بھولا بھٹکا آوارہ غول غراتا ہوا اس کے سامنے آ گیا مگر سکھاں اپنی ہی دھن میں آگے ہی بڑھی چلی جا رہی تھی..... اس نے جیسے دیکھا ہی نہیں تھا کہ کتوں نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ ادھر کتوں نے جب بدستور سکھاں کو اپنی ہی طرف بڑھتے دیکھا تو یکدم ان کی آنکھوں میں خونخواری اتر آئی اور بھونک بھونک کر انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور اچانک پھر وہ سب یکدم اپنی طرف آگے ہی آگے بڑھتی ہوئی سکھاں کو گھورتے گھورتے پیچھے ہٹنے لگے۔ ان کے خونخوار انداز و اطوار سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے اب وہ کسی بھی لمحے سکھاں پر جھپٹ پڑیں گے مگر سکھاں تو بلاخوف و خطر قدم بڑھائے چلی جا رہی تھی اور پھر جیسے ہی وہ غراتے ہوئے کتوں کے قریب پہنچی تو اچانک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

سارے کے سارے کتے اچانک ''پیاؤں کیاؤں'' کی آوازیں نکالتے زمین پر بیٹھ کر دُمیں ہلانے لگے اور سکھاں آرام سے ان کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔

کھیتوں کا سلسلہ اب ختم ہو چکا تھا۔ آبادی خاصی پیچھے رہ گئی تھی۔ اب ریتیلا علاقہ شروع ہو گیا تھا جو مختصر عرصے میں تمام ہوا اور سامنے غبار آلود مدہم روشنی میں قبرستان کی شکستہ چہار دیواری نظر آ رہی تھی۔ سکھاں چلتی ہوئی اس کے ٹوٹے ہوئے گیٹ سے اندر قبرستان میں داخل ہو گئی۔

پورے قبرستان پر ہیبت طاری تھی۔ کہر آلود ملگجی روشنی میں جا بجا شکستہ و نیم شکستہ قبریں ڈراؤنی نظر آ رہی تھیں مگر سکھاں کا چہرہ کسی بھی قسم کے تاثرات سے یکسر عاری تھا۔ ماحول کی ہیبت ناکی سے عاری اس کا چہرہ بھی اب پراسرار منظر پیش کرنے لگا تھا جو بالکل سپاٹ تھا۔

سکھاں جیسے تنویم کی کیفیت میں چلتی ہوئی لئی کے اس ٹنڈ منڈ پیڑ کے نزدیک پہنچ کر رک گئی جس کے تھانولے میں جگن سامری اور سائیں کوڑیل موجود تھے۔

کسی زندہ لاش کی طرح سکھاں کو اپنے سامنے چپ چاپ کھڑا دیکھ کر ان دونوں کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ ٹھیک اسی وقت یہاں سے ذرا فاصلے پر سومری کی قبر کے سرہانے ایستادہ ایک درخت پر بیٹھے اُلو نے زور سے چیخ ماری۔

☆.....☆.....☆

رات کے اسرار بھرے سناٹے میں اُلو کی کریہہ چیخ خنجر کی طرح سکوتِ شب کے سینے میں پیوست ہوتی چلی گئی۔

چیخ مار کر اُلو نے اپنے پر بڑے زور سے پھڑپھڑائے تھے۔ اگلے ہی لمحے سومری کی قبر کے سرہانے ایک پرچھائیں سی نمودار ہونے لگی پھر وہ پرچھائیں ایک نیلگوں مائل سفید ہیولے کی صورت اختیار کر گئی۔

یہ سومری کی روح تھی جو کفن پوش تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا..... آنکھوں میں قہر و غضب کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے آگے قدم بڑھائے۔

''ہوشیار باش..... خبردار.....! پرچھائیں نمودار ہو چکی ہے..... وہ آ رہی ہے کوڑیل.....؟'' اچانک بوڑھے ساحر جگن سامری نے کھرکھراتے لہجے میں ساتھ بیٹھے سائیں کوڑیل سے کہا تو جانے کیوں سائیں کوڑیل کا دل ایک لمحے کو زور سے دھڑکا۔

سردی کے موسم کے باوجود اسے اپنی سیاہ رو پیشانی عرق آلود محسوس ہونے لگی کیونکہ وہ سومری کی طاقت سے واقف تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہ بڑا کانٹے کا مقابلہ کر چکا تھا اس کے ساتھ..... اس کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ بڑی مشکل سے جان چھڑا کر بھاگا تھا مگر اب اسے اپنے گرو جگن سامری کی موجودگی کافی سہارا دیئے ہوئے تھی۔

سکھاں ان کے سامنے پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کھڑی تھی جیسے کسی حکم کی منتظر ہو، اس کا معصوم اور حسین چہرہ اس وقت بالکل سپاٹ تھا۔

اور جگن سامری اس پر کالے منتر پڑھ کر پھونک رہا تھا۔ جگن سامری ایک بڑا ہی مکار اور چالاک انسان تھا..... اس نے سومری کو قابو کرنے یا مقابلے کے لیے جان بوجھ کر سکھاں جیسی ایک عام لڑکی کا انتخاب کیا تھا کیونکہ وہ اچھی طرح سے یہ بات جانتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ سومری بے شک ایک بھٹکی ہوئی روح سہی لیکن بہرحال ایک نیک خصلت روح تھی اور بلاوجہ کسی کو تنگ نہیں کرتی تھی۔ سکھاں جب اس کے مقابلے میں آئے گی تو یقیناً سومری کو اپنی پراسرار قوتوں کی وجہ سے پہلے ہی سے اس حقیقت کا علم ہوگا کہ سکھاں ایک ایسی لڑکی ہے جسے ان دونوں شیطانوں سائیں کوڑیل اور جگن سامری نے عمل کر کے اس کے مقابلے کے لیے میدان میں اتارا ہے۔

قبرستان کے پرہیبت ماحول میں عجیب سی شائیں شائیں ہو رہی تھی۔ ایک پراسرار اور خوفناک جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔ خشک پتوں کی پراسرار چرمراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

سومری کسی ہوا کے جھونکے کی طرح غیظ و غضب کے عالم میں ان کے قریب پہنچی تو اسی لمحے جگن سامری نے آخری پھونک سکھاں کے چہرے پر ماری تو اسی وقت سکھاں کے چہرے کے معصومانہ نقش و نگار تیزی سے بدلنے لگے۔ ادھر سکھاں کے چہرے کی تبدیلی کا عمل جاری تھا اور ادھر سومری کی روح غیظ و غضب کے عالم میں ان دونوں خبیث شیطانوں کے سروں پر پہنچ گئی اور خرخراتی آواز میں بولی۔ ”تم دونوں مردود شیطان یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ..... ایک معصوم لڑکی کو اپنے کالے منتروں کی بھینٹ چڑھانے کا تمہارا ناپاک منصوبہ میں ابھی مٹی میں ملا دوں گی۔“ یہ کہہ کر سومری نے زیرلب کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر جگن سامری، سومری کی دھمکی سے لاپروا آنکھیں موندیں کچھ بدبدانے میں مصروف تھا جبکہ اس کے پاس ہی بیٹھا سائیں کوڑیل گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کی ڈری ڈری نظریں سومری کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اچانک جگن سامری نے یکدم آنکھیں کھول دیں۔ سومری سکھاں کے چہرے پر کچھ پڑھ کر پھونک مار چکی تھی۔ سکھاں کے چہرے پر پھونک لگتے ہی سکھاں آن کی آن میں اپنی اصل حالت میں آ گئی۔

”بھاگ جاؤ لڑکی۔“ سومری نے جیسے سکھاں کے ہوش میں آتے ہی چلا کر کہا اور اگلے ہی لمحے سکھاں الٹے پیروں واپس مڑ گئی۔

”سس..... سائیں! یہ..... یہ کیا ہو گیا۔“ سائیں کوڑیل نے اپنے گرو کا حربہ ناکام ہوتے دیکھا تو گھبرا کر بولا مگر جگن سامری ویسے ہی آرام کے ساتھ بیٹھا رہا

اور اس کے ہونٹوں پر بڑی گہری اور پراسرار مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کے لب اب بھی غیر محسوس انداز میں متحرک تھے۔

سائیں کوڑیل کو جگن سامری کا بے فکر انداز بڑا کھل رہا تھا۔

اس لمحے سومری کی غراہٹ دوبارہ سنائی دی۔ ”تم دونوں شیطانوں نے میری بات نہیں سنی، دفع ہو جاؤ، جلدی یہاں سے..... ورنہ جلا کر خاک کر ڈالوں گی۔“

اس بار جگن سامری کے چہرے پر قہر بار تاثرات ابھرے اور پھر وہ سومری کو گھورتا ہوا یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور غرا کر بولا۔ ”تو خود کو کیا سمجھتی ہے، تیرے سامنے کوئی عام عالم نہیں کھڑا ہے۔ میں ہمالیہ کا ساحر جگن سامری ہوں..... ہندوستان کے پراسرار جنگلوں، قبرستانوں اور ویرانوں میں میرے کالے منتروں کا کوئی آج تک توڑ نہیں کر سکا تو ایک عام بھٹکی ہوئی روح میرا کیا بگاڑ لے گی۔“

اب سائیں کوڑیل کو ذرا حوصلہ ہوا تھا۔ جگن سامری کی لاف زنی پر سومری کی آنکھوں میں جیسے چنگاریاں پھوٹنے لگیں پھر اسی لمحے اسے گھورتی ہوئی غرائی۔

”یہ پاک دھرتی ہے کتے.....! یہاں تیرا کالا منتر ذرا کام نہیں آوے گا۔ میں تجھے آخری بار کہتی ہوں اس دھرتی سے دفع ہو جا ورنہ.....“

ابھی سومری نے اتنا ہی کہا تھا کہ یکایک فضا میں ایک لرزہ خیز غیر انسانی چیخ ابھری اور پھر اچانک سکھاں پردۂ تاریکی سے نمودار ہوئی مگر اس کی ہیئت انتہائی ڈراؤنی تھی..... اگر اس وقت کسی عام انسان کی نگاہ اس پر پڑ جاتی تو یقیناً سکھاں کی ڈراؤنی صورت دیکھ کر اس کی روح فنا ہو جاتی حتیٰ کہ سائیں کوڑیل جیسا عامل بھی ایک لمحے کو سکھاں کا یہ خوفناک روپ دیکھ کر لرز گیا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی سراسیمہ کیفیت پر قابو پا لیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ سکھاں ہی تھی جسے جگن سامری نے سومری کے مقابلے پر اتارنے کے لیے یہ روپ دیا تھا۔

سکھاں کی ڈراؤنی صورت دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ تھوڑی دیر پہلے والی ایک معصوم سی نرم و نازک لڑکی ہے۔ سکھاں کا چہرہ جھلسا ہوا تھا..... آنکھوں کے پپوٹے غائب ہونے کی وجہ سے ڈھیلے پھٹے پھٹے اور باہر کو اُبلے پڑ رہے تھے۔ ناک کی جگہ صرف دو سوراخ تھے۔ ہونٹ سرے سے غائب..... جس کی وجہ سے اس کی باچھوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے جھانکنے والے دو نوکیلے دانت بہت بھیانک نظر آ رہے تھے۔ منہ سے خون کی لکیریں بہہ رہی تھیں۔ سر کے بال سنپولوں کی طرح اس کے استخوانی شانوں پر کلبلا رہے تھے۔

"بڈھے شیطان مردود.....! تو نے اس معصوم چھوکری کو کیا سے کیا بنا دیا۔ میں اب تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی، لے سنبھال میرا وار....." سومری نے قہر آلود لہجے میں جگن سامری سے کہا اور پھر اگلے ہی لمحے سومری نے اپنا ایک ہاتھ فضا میں لہرایا تو اچانک فضا میں ایک خوفناک سینگوں والے بیل کا سر نمودار ہوا جس کا نچلا دھڑ غائب تھا۔ اس کی دو موٹی موٹی ابھری ہوئی آنکھیں سرخ بلب کی طرح روشن تھیں اور لمبوترے منہ سے خوفناک انداز میں ڈکرانے کی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔ وہ ٹکر مارنے کے انداز میں جگن سامری کی طرف بڑھا مگر جگن سامری کو تو جیسے کوئی پروا ہی نہ تھی..... وہ ویسے ہی اطمینان سے زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا مسکرا رہا تھا البتہ سائیں کوڑیل کچھ ڈرا ڈرا سا نظر آ رہا تھا۔ جیسے ہی بیل کا وہ ڈکراتا ہوا سر جگن سامری کے قریب آیا، سکھاں نے اچانک ایک کریہہ چیخ ماری اور ہوا میں معلق ہو کر تیرتے ہوئے بیل کے سر کی راہ میں آ گئی اور اپنے ایک ہاتھ کا طاقتور گھونسا رسید کر دیا۔

بیل کے کٹے ہوئے سر کے منہ سے بھیانک چنگھاڑ سی نکلی اور اگلے ہی لمحے وہ پاش پاش ہو گیا۔ سومری اپنا وار ناکام جاتے دیکھ کر تلملا اٹھی۔ اس کے جی میں آئی کہ سکھاں کے اس چڑیل روپ کو وہ اچھی طرح مزہ چکھائے لیکن وہ جانتی تھی کہ اس چڑیل کے پیچھے ایک نرم و نازک اور معصوم لڑکی (سکھاں) کا چہرہ ہے جسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کس پراسرار اور خوفناک صورتحال کا شکار ہو گئی ہے۔ یہ ساری چال اس بدبخت جگن سامری کی تھی اب وہ چڑیل سومری پر پے در پے وار کرتی چلی جا رہی تھی۔ ادھر سائیں کوڑیل اور جگن سامری بڑے آرام کے ساتھ یہ جنگ دیکھ رہے تھے اور ساتھ ہی بدمست قہقہے بھی لگا رہے تھے۔

ایسے میں اچانک انہیں سومری کی چیخ سنائی دی۔ ایک کربناک چیخ..... سائیں کوڑیل کا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ اس کی تو مراد بر آئی تھی، اس نے سومری کو سکھاں کے چڑیل روپ کے پے در پے جادوئی حملوں سے پسپا ہوتے دیکھا..... وہ

کریہہ صورت چڑیل، ساحر جگن سامری کے اشاروں پر سومری کے خلاف بڑھ چڑھ کر حملے کر رہی تھی۔ اب اس نے سومری کے گرد آہنی زنجیروں کا جال گرا دیا تھا۔ وہ زنجیریں غیر مرئی تھیں جن کی صرف خوفناک جھنکار ہی سنائی دے رہی تھی۔

سومری اب زمین پر گری تڑپ رہی تھی اور پھر یکدم بے جان ہو گئی۔ سائیں کوڑیل کو ایک لمحے کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا کہ سومری جیسی پراسرار قوتوں کی مالک روح یوں آسانی سے ڈھیر ہو سکتی ہے، اس نے بے اختیار خوش ہو کر اپنے ساتھ بیٹھے بوڑھے جگن سامری کو گلے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"واہ مہاراج.....! واہ..... آپ نے آج کمال کر دیا۔ واقعی آپ ست ودیا ہو..... پورا علم جانتے ہو۔ بڑا پالا مار لیا آج تو آپ نے۔" یہ کہہ کر سائیں کوڑیل ایک دم بے ہوش سومری کی طرف لپکنے لگا۔

جگن سامری نے فوراً اس کا بازو پکڑ کر سختی سے کہا۔ "ارے بیوقوف.....! ذرا دھیرج سے کام لے..... ہم دونوں کے گرد حفاظتی حصار قائم ہے، پہلے کام مکمل ہو جانے دے۔ سومری دوبارہ ہم پر حملہ بھی کر سکتی ہے..... پہلے اچھے طرح اطمینان کر لینے دے۔"

جگن سامری کی بات سن کر سائیں کوڑیل اپنا سر دھننے لگا پھر جگن سامری نے زیر لب ایک منتر پڑھ کر اپنی تابع چڑیل پر پھونکا، اس کے بعد اپنی بغل سے ایک ران کی طرح کی انسانی ہڈی نکال کر زمین پر پڑی تڑپتی ہوئی سومری کی طرف اس کا رخ کر کے ایک اور منتر پڑھ کر پھونک ماری تو یکدم سومری کا وجود رفتہ رفتہ گھٹنے لگا حتیٰ کہ وہ بالکل ایک چھوٹی سی گڑیا کی شکل میں بدل گئی تو یکایک وہ فضا میں تیرنے کے انداز میں اٹھنے لگی۔ اس کا رخ جگن سامری کی طرف تھا جو اب اپنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شیشے کا مرتبان پکڑے ہوئے تھا۔ مرتبان کا ڈھکن کھلا تھا..... سومری ہوا میں تیرتی ہوئی سیدھی اس مرتبان کے اندر سما گئی۔ جگن سامری نے فوراً مرتبان کا منہ بند کر لیا۔ سکھاں واپس جا چکی تھی..... ذرا دیر بعد کوڑیل اور جگن سامری شاداں و فرحاں اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ رہے تھے۔ شیشے کا چھوٹا سا مرتبان سائیں کوڑیل نے تھام رکھا تھا جس کے اندر سومری قید تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

☆.....☆.....☆

وڈیرے سالار خان کا چہرہ اس وقت غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا مگر اس کے غصے کی اصل وجہ وہ پریشانی تھی جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے سامنے مونڈھے پر براجمان انسپکٹر عالی جاہ اس سے گوش گزار کر چکا تھا۔ اس وقت دونوں اوطاق میں آمنے سامنے سرکنڈوں والے مونڈھوں پر بیٹھے تھے۔

کہیں دور کھیتوں کے لامتناہی اُفق کے عقب میں جاڑے کا گلابی سورج غروب ہو رہا تھا اور سردی کا احساس بھی بڑھنے لگا تھا۔ درمیان میں انگیٹھی کے اندر سلگتے ہوئے کوئلے چیخ رہے تھے۔

وڈیرا بدن پر اجرک لپیٹے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ درمیان میں تپائی پر ایک بوتل اور کانچ کے دو اَدھ بھرے گلاس دھرے تھے، بھنی ہوئی مونگ پھلیوں کے دانے اور بیٹروں کے تین چار بھنے ہوئے سالم پٹھور ایک پلیٹ میں رکھے ہوئے تھے۔

کوئی اور موقع ہوتا تو اس مختصر سی محفل ناؤنوش سے انسپکٹر عالی جاہ حریصانہ انداز میں حظ اٹھا رہا ہوتا مگر اس وقت اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور وہ خاصا ژولیدہ نظر آ رہا تھا کیونکہ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وڈیرے سالار خان کو حاجی ارصلاح خان اور مقتول ہاری میر محمد کے بڑے بیٹے میر نواز کے بارے میں اہم بات بتا چکا تھا کہ بقول حاجی ارصلاح خان کے انہوں نے ہاری میر محمد کے قتل کے اہم اور چشم دید گواہ کا پتہ چلا لیا ہے اور سردست اس کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہ رہے ہیں ..... اس نے قاتل کو میر محمد کا قتل کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

''انسپکٹر.....!'' ذرا دیر کی گمبھیر اور اسرار بھری خاموشی کے بعد وڈیرہ سالار خان نیم غنودہ سی آواز میں بولا۔

''جی سائیں.....!'' انسپکٹر عالی جاہ فوراً اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''بابا مجھے لگتا ہے زمیندار حاجی ارصلاح خان تمہارے ساتھ کوئی چال کھیل رہا ہے۔ یہ اس کا اندھیرے میں چھوڑا ہوا تیر ہے۔ اس طرح وہ ہم پر اپنی چھپی ہوئی طاقت کا نفسیاتی دباؤ ڈال کر تمہیں تفتیش کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔''

''وڈیرا سائیں.....! خیال تو میرا بھی یہی تھا۔'' انسپکٹر نے فوراً کہا پھر مزید اضافہ کیا۔ ''مگر اس کمبخت کے پراعتماد لہجے نے مجھے واقعی اندر سے ڈرا دیا ہے سائیں.....!''

اس کی بات سن کو وڈیرے سالار خان نے ہنکاری بھری اور اپنی وسمہ لگی گھنی بھنوؤں تلے آنکھوں کو سکیڑ کر نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر چند ثانیے مرکوز رہنے دیں پھر کھرکھراتی آواز میں بولا۔ ''بابا.....! تو ایسا کر انسپکٹر.....! اس حاجی کو اندھیرے میں تیر چلانے دے..... پہلے مٹھو کے باپ بچل کی طرف سے میر نواز کے خلاف ایک ایف آئی آر کاٹ کرا سے تو اندر کر پھر دیکھتے ہیں کہ ارصلاح خان کون سا تیر چلاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے سائیں.....! پھر میں کل صبح ہی یہ کام کر دیتا ہوں۔''

''میں کل مٹھو کے باپ بچل کو اپڑیں منشی کے ساتھ تھانے تیرے پاس بھیجوں گا، میر نواز کے خلاف این سی کی بجائے پکا پرچہ کاٹنا ہوگا تیرے کو۔''

''برابر سائیں برابر!'' انسپکٹر عالی جاہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

سکھاں اگلے دن سو کر جاگی تو اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ اسے اپنے ذہن میں دھندسی چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے سر کو دو تین بار جھٹکے دیئے تو دوسری چارپائیوں سے رلیاں، بستر سمیٹتی ہوئی ماسی نے حیرت سے سکھاں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیوں دھیئے.....! خیر تو ہے..... طبیعت ٹھیک ہے تیری.....؟''

''آں ..... ہاں ..... ماسی بس یونہی سر ذرا بھاری بھاری سا ہو رہا تھا۔'' سکھاں نے بتایا اور پھر وہ چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں بھائیوں کی چارپائیاں خالی تھیں، وہ شاید کھیتوں پر جا چکے تھے..... سکھاں گومگو کی حالت میں چلتی ہوئی کچے مگر کشادہ صحن کے ایک کونے میں بنی سرکنڈوں کی آڑ کے عقب میں چلی گئی۔

ماسی بستر وغیرہ سمیٹ کر اندر کوٹھری میں جا چکی تھی۔ سکھاں ہاتھ، منہ وغیرہ دھو کر رسوئی میں جا گھسی تھی۔ اب وہ خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ذہن سے دھند کی دبیز چادر چھٹتے ہی اسے اپنے محبوب مراد بخش کا خیال ستانے لگا۔ اسے اپنے بارے میں صرف اس قدر ہی یاد تھا کہ وہ اور مراد بخش ایک دوسرے کو بھاگتے ہوئے پکڑ رہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھے پھر اچانک سانپ نے کاٹ لیا تھا اس کے بعد کی صورتحال ماسی نے بتا دی تھی کہ اسے مراد بخش سب سے پہلے سائیں کوڑیل کے حجرے میں لے کر گیا تھا جہاں اس نے دم کرنے کے بعد ہاں سے رخصت کر دیا تھا اور پھر مراد بخش، چاچا رسول بخش کی بیل گاڑی پر ڈال کر گھر چھوڑ گیا تھا۔

سکھاں گھر کے روزمرہ کے کام میں مصروف ہوگئی۔ جاڑوں کی سنہری دھوپ اب دھیرے دھیرے سفیدی مائل ہوتی جا رہی تھی اور وہ کچی دیواروں سے پھسل کر کھلے صحن میں اتر آئی تھی۔ سکھاں کا دماغ اور دل' مراد بخش کی طرف اٹکا ہوا تھا اسی لیے وہ جلد از جلد اپنا کام نمٹا کر نہر پر پہنچنے کے لیے بے تاب تھی جہاں مراد بخش بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ماسی معصوم سکھاں کی اس بیقراری اور کام جلدی جلدی نمٹانے کی کیفیت سے واقف تھی اور دل ہی دل میں مسکرا بھی رہی تھی۔

''دیکھ دھیئے! میری ایک بات سن۔'' جب سکھاں سارے کام نمٹا کر خالی گاگرے سر پر رکھ کر خوشی خوشی نہر سے پانی بھرنے کے لیے گھر سے نکلنے لگی تو جہاندیدہ ماسی نے مسکراتے ہوئے کہا تو سکھاں کو ماسی کا یہ بولنے کا انداز چونکا گیا۔

''جی ماسی .....! بول۔'' اس کی سیاہ آنکھوں میں معصومانہ دلکشی تھی۔

''دھیئے .....! تیرے کو مراد بخش اچھا لگتا ہے ناں .....؟'' ماسی نے پیار بھرے لہجے میں مسکراتے ہوئے پوچھا تو سکھاں کے عنابی لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے دھیرے سے اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے جھکا دیا۔ ''دیکھ اس طرح تمہارا ملنا ٹھیک نہیں ہے ..... اس کو بول اپڑیں پیو محمد بخش کو تیرے رشتے کے واسطے تیرے بھائیوں کے پاس بھیجے۔ یہ اچھا طریقہ ہے تم دونوں کے ملنے کا۔''

سکھاں کو ماسی اپنی ماں کی طرح ہی لگتی تھی۔ اس نے اس کی بات پلے سے باندھ لی پھر نہر پر پہنچ کر اس نے اپنے انتظار میں بیقرار بیٹھے مراد بخش سے یہ بات کہہ ڈالی۔ ''تیری ماسی بالکل ٹھیک کہتی ہے سکھاں.....!'' مراد بخش نے اس کے حسین و جمیل چہرے کی طرف دیکھ کر خلاف معمول بڑی متانت کے ساتھ کہا۔

''پھر تو آج بھیج دے ناں چاچا کو.....!'' بے اختیار سکھاں کے منہ سے نکلا پھر مراد بخش کی محبت پاش نظروں میں شرارت کی جھلک دیکھ کر اس کا چہرہ شرم سے سرخ

ہوگیا۔

''تیرے کو بڑی جلدی ہے۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''تو تیرے کو کون سا صبر ہے تو بھی تو۔'' سکھاں سے مارے شرم کے بولا نہ گیا پھر ذرا دیر بعد دونوں ہنسی خوشی ایک دوسرے سے رخصت ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

بھٹ سائیں پر قاتلانہ حملے والا معاملہ دن بدن زور پکڑتا جا رہا تھا۔ گوٹھ کے لوگوں کو بھٹ سائیں سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی۔ وہ اس کے لیے کٹ مرنے کو تیار رہتے تھے۔ کوئی اور معاملہ یعنی زمین، پانی کا ہوتا تو اور بات تھی مگر یہ معاملہ تھا دلی عقیدت اور روحانی جذبات کا۔ گل شیر کے بارے میں لوگوں کا اس بات پر پختہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ وڈیرے سالار خان کا ہی آدمی تھا اور ان کے اس یقین کی وجہ یہی تھی کہ وڈیرے سالار خان نے گل شیر کو ابھی تک سزا نہیں دی تھی۔ وہ سزا کے متعلق ٹال رہا تھا۔ یہی سبب تھا کہ لوگوں کے دلوں میں وڈیرے کے لیے بھی نفرت جڑ پکڑنے لگی۔ انہوں نے گل شیر کو بھٹ سائیں پر قاتلانہ حملے کی سزا دلوانے کا عزم کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے گل شیر کو کیفر کردار تک پہنچانے اور بھٹ سائیں کی حفاظت کے پیش نگاہ باقاعدہ ایک کمیٹی قائم کر لی تھی جس کا سربراہ متفقہ رائے سے محمد بخش کو بنا دیا گیا تھا۔ یہ مراد بخش کا باپ محمد بخش جو متعلقہ تھانے میں انسپکٹر عالی جاہ کا اردلی تھا اور زمیندار حاجی ارصلاح خان کا مقرب خاص بھی تھا، اس کمیٹی میں پانچ افراد تھے جو آپس میں خفیہ نشستیں جماتے تھے۔ ایسی ایک نشست میں کمیٹی کے سربراہ محمد بخش نے اپنے پانچوں رفقان کمیٹی پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ ہاری میر محمد کا قتل وڈیرے سالار خان نے اس لیے کروایا تھا کہ میری محمد غریب ہاریوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتا تھا لہٰذا سالار خان کو اس کی یہ جسارت ناگوار گزری تھی۔ یوں راستے کا پتھر سمجھ کر بدقسمت ہاری میر محمد کا خون کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ گل شیر والے معاملے میں بھی وڈیرا دانستہ تساہل سے کام لے رہا تھا۔

''سائیں محمد بخش کی بات کی میں سو فیصد تائید کرتا ہوں۔ ہمیں میر محمد والا معاملہ بھی وڈے بھوتار کے علم میں لانا چاہیے تاکہ اسے پتہ چلے کہ اس کی دیدہ دلیری کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لگام دینے والے قتل کر دینے سے مرنہیں جایا کرتے۔ ان کی موت کے بعد بھی ان کا کام جاری رہتا ہے تاکہ اسنے پھر یہ جرأت نہ ہو۔"

یہ دل مراد تھا..... عمر چالیس سال تھی..... جسم دبلا پتلا اور رنگت گندمی تھی۔ یہ لوگ اس وقت اس کے گھر کے پچھواڑے بنی کوٹھری نما ایک بیٹھک میں موجود تھے۔

"بھامرادے کی بات صحیح ہے۔ ہمیں ادامیر محمد کے قتل کے خلاف متحد ہو جانا چاہیے بالخصوص بھٹ سائیں پر قاتلانہ حملے والے خطرناک اور تشویشناک معاملے کے بعد تو یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔" ایک خاصے مضبوط جسم والے جفاکش ہاری نے پرجوش لہجے میں کہا۔

انہی پانچ ارکان میں ہاری میر محمد کا بڑا بیٹا میر نواز بھی موجود تھا۔ اس نے بھی اپنی رائے دینا ضروری سمجھا۔ وہ بولا۔

"یوں تو میں نے پولیس میں اپڑیں بابا کے قتل کی ایف آر کٹوا دی ہے اور انسپکٹر عالی جاہ کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ میرے بابا سائیں کو قتل کرنے والے کا چشم دید گواہ بھی ہمارے پاس موجود ہے لیکن ان باتوں کے باوجود ہمیں اس طرح متحد ہو کر میرے بابا سائیں کے قتل سے متعلق اور بھٹ سائیں پر قاتلانہ حملے کرنے والے گل شیر کو سخت سے سخت سزا دلوانے کے لیے وڈے بھوتار کی اوطاق میں حاضریاں دے کر فریادیں کرتے رہنا چاہئیں تاکہ وڈے بھوتار سائیں کو اچھی طرح سے اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس پر بھی گوٹھ والوں کی کڑی نگاہ ہے۔ اس طرح اس کی ریشہ دوانیوں میں کسی حد تک کمی آ جائے گی۔" میر نواز نے صراحت کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر سمجھاتے ہوئے کہا۔

ماحول پر یکدم پرسوچ سکوت چھا گیا۔ بالآخر سب نے میر محمد کی بات پر صاد کیا اور اٹھ کر سیدھا وڈیرے سالار خان کی اوطاق پہنچے، وہاں صرف اس کا منشی جمعہ خان چند حواریوں کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ انہیں بتایا کہ وڈ بھوتار پاس کے کسی گوٹھ میں راجواڑیں فیصلے میں شرکت کے لیے گیا ہوا ہے، ناچار یہ لوگ وڈیرے سے پھر کسی اور دن ملاقات کا ارادہ کر کے لوٹ آئے۔

☆.....☆.....☆

لق ودق صحرا میں ٹھٹھرتی ہوئی رات اپنے جوبن پر تھی۔ بھٹ سائیں اپنے جھونپڑی میں اداس بیٹھا تھا۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے قبرستان سے لوٹا تھا۔ آج ایسا پہلی

ار ہوا تھا کہ سومری کی روح اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ اس غم میں محمد ملوک نے کچھ کھایا یا بھی نہیں تھا پھر وہ اپنے دل کو سمجھاتا کہ اب اسے سومری کو بھلا تا ہی ہوگا بلکہ یہ حقیقت تھی کہ جب سے اس بات کی خبر ہوئی تھی کہ اس کی محبوب ہستی سومری کو اس کے باپ وڈیرے سالار خان نے اس کے ساتھ کاری کر کے مار ڈالا تھا، اس کی یادوں کو بھلانے کی خاطر ہی عشقِ مجازی فراموش کر کے عشقِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس نے اب اپنے خدا سے لو لگائی تھی کیونکہ سومری کے مرنے کے بعد اس کے جینے کا اب فقط یہی سہارا باقی بچا تھا کہ وہ اب تمام عمر اللہ جل شانہ کی عبادت میں گزار دے اور اس ظالم اور خودغرض دنیا سے اپنا تعلق بالکل توڑ لے لیکن پھر اچانک کیا ہوا کہ اسے ایک رات خواب میں سومری نظر آ گئی۔ اس کی یکدم آنکھ کھلی تو اس نے اپنے سرہانے سومری کو اداس اور مجبور بیٹھے پایا۔

وہ اسے دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گیا مگر پھر فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ اس کی سومری مر چکی ہے، یہ تو اس کی بے چین روح ہے پھر تب سے ایک عجیب کہانی نے جنم لیا۔ سومری کی روح سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ چل نکلا جس نے اسے کافی سہارا دیا مگر وہ اکثر تنہائی میں سوچا کرتا تھا کہ یہ کیسا ملاپ تھا؟ اس عجیب ملاپ نے تو اس کے اندر کی کسک کو مزید بڑھا دیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ وہ اکثر سومری کو سمجھاتا تھا کہ ملاقاتوں کا یہ پراسرار سلسلہ اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیے مگر سومری کے بس میں سردست یہ ناممکن نہیں تھا..... وہ کہتی تھی۔ "میرے سریجن.....! میں ایک بے چین روح ہوں، جب تک میرے اندر کی بیقراری ختم نہیں ہو جاتی، میں اسی طرح بھٹکتی رہوں گی۔"

جب محمد ملوک نے اس کی بیقراری کے بارے میں استفسار کیا تو سومری نے انتقام سے بھرپور لہجے میں جواب دیتے ہوئے بتایا۔ "جب تک میرا باپ (وڈیرا سالار خان) اپنے جرم کی سزا نہیں پا لیتا، مجھے سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد محمد ملوک نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ درحقیقت اب وہ خود بھی سومری کے ساتھ راتوں میں ان پراسرار ملاقاتوں کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے دل کے ویران خانوں میں اب بھی یہ خواہش جنم لیتی رہتی تھی کہ ایک سچی محبت تو ویسے بھی دو روحوں کا ملاپ ہوتی ہے، سومری نہیں رہی تو کیا ہوا، اس کی روح تو اس کی نظروں کے سامنے ہے۔ وہ جب چاہے اس سے ملاقات کر لیتا ہے، اس سے میٹھی میٹھی محبت بھری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

باتیں کر لیتا ہے مگر اب جیسے یہ سہارا بھی اُس سے چھنتا محسوس ہو رہا تھا۔

آج کافی دیر تک اپنی جھونپڑی میں سومری کی روح کے آنے کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن جب وہ نہ آئی تو خود اپنے بیقرار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کشاں کشاں قبرستان کی طرف چل پڑا۔

وہاں سومری کی قبر کے سرہانے حسب معمول چراغ جلانے اور کافی دیر تک اسے دل ہی دل میں پکارنے کے بعد ملنے کی حسرت لیے ناکام واپس جھونپڑی میں لوٹ آیا۔

پھر سومری سے آخری ملاقات کیے کافی دن بیت گئے۔ وہ غم سے بالکل نڈھال ہو گیا۔ اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ سومری ان دونوں خبیث شیطانوں سائیں کوڑیل اور جگن سامری کے چنگل میں پھنس چکی تھی۔ وہ اپنے مجبور دل کو تسلیاں دینے لگا کہ ہو سکتا ہے سومری عالم ارواح میں واپس جا چکی ہو اور اچھا ہوا اس طرح اسے قرار تو مل ہی جائے گا۔ میرا کیا ہے، میرے نصیب میں تو ویسے ہی دربدر خاک بسر ہونا لکھا ہے۔

رات دبے پاؤں گزرتی چلی جا رہی تھی اور محمد ملوک (بھٹ سائیں) یادِ الٰہی میں مشغول ہو گیا، اس کے بعد وہیں بچھی چٹائی پر سو گیا۔ اچانک اسے خواب میں سومری کا روتا ہوا چہرہ نظر آیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"ملوک! مجھے دو شیطانوں نے قید کر لیا ہے، مجھے چھڑاؤ ورنہ..... ورنہ تمہاری سومری کہیں کی نہیں رہے گی۔"

"سومری .....! مجھے ان دونوں شیطانوں کا نام بتاؤ، میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" محمد ملوک نے غصے میں پوچھا تو سومری نے سسکتے ہوئے اسے سائیں کوڑیل اور جگن سامری کے نام بتا دیئے۔

محمد ملوک نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں، خواب کا منظر ہنوز اس کی چشم تصور میں رقصاں تھا۔ وہ بے چین ہو گیا وہ یکدم اٹھا اور دیوانہ وار اپنی جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ باہر اُجالا پھیل چکا تھا۔

محمد ملوک تیز تیز قدموں سے چلا جا رہا تھا، اس کا رخ آبادی کی طرف تھا۔ اس وقت چار افراد جھونپڑی کے باہر موجود تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو بھٹ سائیں پر

قاتلانہ حملے کے بعد سے اس کی حفاظت کے لیے مامور کیے گئے تھے اور انہیں تحفظ کمیٹی کی طرف سے سختی سے اس بات کی ہدایت دی گئی تھی کہ وہ یہ فرض بھٹ سائیں کے علم میں لائے بغیر بجا لائیں کیونکہ وہ لوگ بھٹ سائیں کے جاہ و جلال سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا اب یہ چاروں خدام کی حیثیت سے بظاہر سائل بنے ہر سمے سائیں کی جھونپڑی کے آس پاس چوکس منڈلاتے رہتے تھے۔

انہوں نے جو بھٹ سائیں کو اچانک جاہ و جلال کے عالم میں جھونپڑی سے باہر نکل کر آبادی کی طرف جاتے دیکھا تو انہیں حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ آج تک ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ بھٹ سائیں نے یوں دیوانہ وار آبادی کا رخ کیا ہو۔ آبادی تو کجا انسانوں سے بات بھی نہیں کرتے تھے..... بھٹ سائیں کا راستہ روک کر اور ان سے کچھ پوچھنے کی ہمت بہرحال ان چاروں محافظوں میں نہیں تھی مگر بھٹ سائیں کی حفاظت کے طور پر وہ چاروں حیران پریشان اس کے پیچھے ہو لیے..... بھٹ سائیں کو انہوں نے غیر معمولی طور پر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے محسوس کیا تھا جیسے انہیں جلد از جلد کہیں پہنچنے کی عجلت ہو۔ وہ چاروں محافظ ان لمحات کا تصور کر رہے تھے جب بھٹ سائیں آبادی میں داخل ہوں گے اور پھر عقیدت مندوں کا ایک سیل رواں ان کے گرد اکٹھا ہو جائے گا مگر اس سے زیادہ انہیں اچنبھا تو اس بات پر ہو رہا تھا کہ آخر بھٹ سائیں کو بیٹھے بیٹھے ایک دم کیا سوجھی کہ یوں آبادی کی طرف چل دیئے۔

تھوڑی دیر بعد ان کا خیال درست ثابت ہوا۔ بھٹ سائیں پر جس کسی کی بھی نظر پڑی، وہ آنکھوں میں حیرت اور عجیب سی خوشی لیے "بھٹ سائیں آیا..... بھٹ سائیں آیا" کہتے ہوئے اس کے آگے پیچھے چلنے لگا مگر بھٹ سائیں کے چہرے پر جلال کی سرخی کو محسوس کر کے اس سے کوئی بھی مخاطب ہونے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ سب لوگ ایک ہی تحیر آمیز اضطراب کے ساتھ بھٹ سائیں کے عقب میں چلے جا رہے تھے۔ کئی ایک نے ذرا ہمت کر کے بھٹ سائیں کو جھک کر سلام بھی کیا لیکن بھٹ سائیں کو کسی سے بھلا کیا یارا تھا۔ بالآخر بھٹ سائیں نے مجبوراً کسی ایک کو شرف کلام بخشا اور جلالی لہجے میں پوچھا۔

"کوڑیل کدھر رہتا ہے؟" وہ ایک عام ہاری تھا جو اپنی قسمت پر حیران ہوا پھر یکدم ہاتھ جوڑتے ہوئے عقیدت سے لبریز لہجے میں بولا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سائیں ..... مرشد ..... سائیں.....! آئیں میں لے کر چلتا ہوں۔ تم میرے کاندھے پر بیٹھو گے مرشد سائیں؟"

"نہیں چلو میرے آگے۔" بھٹ سائیں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا..... ذرا دیر بعد بھٹ سائیں، کوڑیل کے حجرے کے اندر موجود تھا۔ اندر سائلوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ سامنے تخت نما چبوترے پر سائیں کوڑیل اور جگن سامری سائلوں کی باتیں سننے میں مگن تھے۔ یہ دونوں ڈبہ پیر تھے۔ بھٹ سائیں کے سامنے سائیں کوڑیل کی پیری مریدی کا سورج غروب ہو جایا کرتا تھا۔

"کوڑیل .....!" بھٹ سائیں نے حجرے کے دروازے سے ہی سائیں کوڑیل کو جلالی انداز میں پکارا۔ بھٹ سائیں کی آواز پر تو جیسے حجرے میں سب کو سانپ سونگھ گیا پھر ہر کوئی حیرت و غیر یقینی کے انداز میں بھٹ سائیں کو تکنے لگا۔ پھر اگلے ہی لمحے جیسے سب کے جسموں میں بجلی کی سی حرکت ہوئی اور وہ عقیدت مندوں کے سے انداز میں اپنے اپنے ہاتھ جوڑے "بھٹ سائیں آیا ..... بھٹ سائیں آیا" کا ورد کرتے ہوئے سائیں کوڑیل اور جگن سامری کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے۔

شاطر صفت سائیں کوڑیل، بھٹ سائیں کے سامنے اپنی حیثیت سمجھتا تھا۔ اس لیے وہ بھی محض دکھاوے کی خاطر اپنے تختہ نما چبوترے سے یکدم اٹھ کھڑا ہوا اور بھٹ سائیں کی طرف بڑھا البتہ جگن سامری ویسے ہی اپنی جگہ بیٹھا اپنی چندی چندی اور اسرار بھری نظروں سے بھٹ سائیں کی طرف گھورنے لگا۔

"سومری کو تم دونوں شیطانوں نے کیوں قید کر رہا ہے، فوراً اُس کو چھوڑ دو ورنہ خدائی قہر کے لیے تیار ہو جاؤ۔" بھٹ سائیں کی گونج دار آواز حجرے میں گونجی اور پھر تو جیسے سائیں کوڑیل اور جگن سامری کے سر پر بم پھٹ پڑا۔ پہلی بار جگن سامری اپنی نخوت بھلا کر چبوترے سے اترنے پر مجبور ہو گیا تھا اور اب اس کی آنکھوں میں الجھن آمیز پریشانی مترشح تھی۔

ادھر لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے..... سائیں کوڑیل نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے دونوں خدمت گار خاص اربیلو اور مگو کو مخصوص اشارہ کیا تو ان دونوں نے بڑی چالاکی کے ساتھ وہاں موجود دیگر سائلوں کو حجرے سے باہر نکال دیا اور خود بھی باہر نکل گئے۔

"بھٹ سائیں! آپ ..... آؤ تو سائیں! آپ نے اپڑیں دیدار سے نواز دیا، آؤ آرام سے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" سائیں کوڑیل حیرت آمیز پریشانی کے جھٹکے سے قدرے سنبھلتے ہوئے بڑی خوشامدانہ مکاری سے بولا تو بھٹ سائیں قہرناک نظروں سے باری باری پہلے چبوترے کے پاس کھڑے جگن سامری اور پھر سائیں کوڑیل کے چہرے کی طرف گھورتے ہوئے گرجدار لہجے میں بولا۔ "تو نے میری بات نہیں سنی.....؟ ابھی اسی وقت سومری کو رہا کر دو..... فوراً۔"

جگن سامری اور سائیں کوڑیل درحقیقت بھٹ سائیں کی اس غیب دانی پر اس کی روحانی طاقت سے معترف ہونے لگے تھے اور ڈرے ہوئے تھے اندر سے، اس لیے بھٹ سائیں کے بدستور کرخت آواز تخاطب کو برداشت کیے ہوئے تھے لہٰذا اس بار جگن سامری اپنے چہیتے چیلے سائیں کوڑیل کے بجائے خود آگے قدم بڑھا کر معتدل لب و لہجے میں بولا۔ "سائیں! تیرے کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"تو چپ کر ڑے..... تیری مثال اس جانور کی سی ہے جس کا نام لے کر ہم اپنی زبان ناپاک نہیں کر سکتے۔" دفعتاً بھٹ سائیں نے انگارہ آنکھوں سے جگن سامری کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تیری کیا حیثیت ہے اور تو کون ہے، یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ پرے ہٹ جا تو..... دوبارہ مجھے باطل سمجھنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ تیرا اصل چہرہ گوٹھ والوں کو بتا دیا تو تیری لاش بھی ادھر نظر نہیں آوے گی۔"

بھٹ سائیں کی بات سن کر جگن سامری تھوک نگل کر رہ گیا۔ سائیں کوڑیل نے اپنے گرو جگن سامری کو خفیف ہوتے دیکھا تو اس کا اپنا چہرہ بھی دھواں دھواں ہونے لگا۔ اس سے اب کوئی دوسرا جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ اس نے بھٹ سائیں کی آنکھوں سے سب کچھ بھانپ لیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت سائیں کوڑیل کا چیلا اربیلو حواس باختہ اندر داخل ہوا اور سائیں کوڑیل کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر اس کی حالت مزید پتلی ہو گئی پھر وہ یکدم چہرے پر خوشامدانہ مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بھٹ سائیں سے بولا۔ "کوئی خدمت..... چاں پاڑیں۔"

"کوڑیل....." بھٹ سائیں اس کی بات درمیان سے کاٹ کر قہر بار لہجے میں گھورتے ہوئے اس سے بولا۔ "سومری کو ابھی اور اسی وقت آزاد کر دو۔ میں جتنی دیر یہاں کھڑا رہوں گا، باہر میرے مریدوں کا ہجوم بڑھتا چلا جائے گا اور تو جنگی طرح جانتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ میرے ایک ہی اشارے پر وہ تم دونوں کا کیا حشر کر دیں گے۔" اس بار بھٹ سائیں کے جارحانہ لہجے نے سائیں کوڑیل کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بھٹ سائیں کی روز افزوں روحانی حیثیت سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کے مریدوں کی تعداد کم نہ تھی اور سب کے سب بھٹ سائیں پر جان چھڑکنے اور اس کے لیے کٹ مرنے کو تیار رہنے والے تھے۔ ایسے میں اربیلو نے اس کے کان میں جو اطلاعاً سرگوشی کی تھی، اسے سن کر بھی وہ دہل گیا گیا۔ اربیلو نے بتایا تھا کہ باہر نہ صرف بھٹ سائیں کے مرید اس کا انتظار کر رہے تھے بلکہ تحفظ کمیٹی کے جیالے بھی باہر موجود تھے اور ان سب لوگوں کو یہ بڑی خطرناک قسم کی غلط فہمی ہو رہی تھی کہ بھٹ سائیں نے اپنے اصل دشمن کو پہچان لیا ہے اور اس کے لیے خود یہاں تک چل کر آیا ہے ورنہ بھٹ سائیں آج تک آبادی کا رخ تو کجا جھونپڑی سے ہی باہر نہیں نکلتا تھا۔ یہ سب کچھ تیزی کے ساتھ سوچنے کے بعد سائیں کوڑیل نے ساتھ کھڑے اپنے گرو جگن سامری کی طرف دیکھا..... جگن سامری پہلے ہی معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا البتہ اس کی چندی چندی آنکھوں میں بلا کی مکارانہ چمک عود کر آئی تھی جس میں خطرناکی کا عنصر غالب تھا۔

تب سائیں کوڑیل نے بھٹ سائیں سے کہا۔ "مرشد سائیں.....! ہم سے غلطی ہوگئی..... ہم سمجھے تھے کہ کوئی گندی روح ہے مگر اسے اصل حالت میں لانے کے لیے کچھ وقت لگے گا مگر یہ ہمارا وعدہ ہے آپ واپس جھونپڑی میں تشریف لے جاؤ، سومری آج رات آزاد کر دی جائے گی۔"

بھٹ سائیں نے ایک لمحے سنسناتی نظروں سے سائیں کوڑیل کے چہرے کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

میر نواز اور احمد نواز کے گھر میں آج بڑی گہما گہمی تھی۔ سب کے چہرے خوشی سے کھلے ہوئے تھے۔ ماسی بھی خوش نظر آ رہی تھی اور سکھاں تو جیسے خوشی اور لاج کے مارے چھوئی موئی ہوئی جا رہی تھی۔ کشادہ صحن میں دو رلی بچھی چارپائیوں پر ماسی، میر نواز، احمد نواز اور چاچا محمد بخش کے علاوہ ایک اور معزز شخص اللہ وار یو جو ماما کے نام سے مشہور تھا، موجود تھے۔

محمد بخش درحقیقت اپنے بیٹے مراد بخش کے لیے میر نواز اور احمد نواز کی بہن سکھاں کا رشتہ لینے آئے تھے، بات پکی ہو چکی تھی..... شگون کے طور پر ابھی گڑ کی ریوڑیوں سے منہ میٹھا کیا جا رہا تھا۔ سب کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی۔ ہاری میر محمد کے قتل کے بعد سے اس گھر میں بے نام اداسی کے سائے بھٹکتے رہتے تھے پھر ان کی ماں کا بھی انتقال ہو جانے سے یہ گھر مزید قبرستان کی مثال پیش کرنے لگا تھا۔ اب کہیں جا کر یہ گھرانہ خوشیوں کا گہوارہ بننے والا تھا کہ اچانک باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ سب کے چہروں پر موجود خوشیاں خاموش سکتے میں بدل گئیں۔ گاڑی کی یہ آواز جانی پہچانی تھی۔ یہ پولیس کی موبائل تھی..... اگلے ہی لمحے دروازے پر دستک کے ساتھ ہی گرجدار آواز میں پولیس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا۔ سب کے چہرے تاریک ہو گئے۔ محمد بخش جو خود متعلقہ تھانے میں اردلی تھا، اس صورتحال سے پریشان نظر آنے لگا۔

دروازہ کھولا گیا۔ پولیس دروازے پر موجود تھی۔ کرخت لہجے میں میر نواز کا پوچھا گیا اور پھر جیسے ہی میر نواز دروازے پر پہنچا، پولیس نے حیران پریشان کھڑے میر نواز کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

☆.....☆.....☆

رات اپنے جوبن پر تھی۔ باہر صحرا میں زبردست جاڑا اُترا ہوا تھا۔ آسمان پر ٹکے طباق چاند کی چٹکی ہوئی روشنی صحرا میں طلسم بکھیرے ہوئے تھی۔ بھٹ سائیں اپنی جھونپڑی میں موجود تھا۔ وہ سومری کا انتظار کر رہا تھا..... سائیں کوڑیل کا وعدہ یاد تھا اسے اور بھٹ سائیں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ سائیں کوڑیل اس سے وعدہ خلافی کی جرأت نہیں کرے گا، اپنے وعدے کے مطابق سومری کو آج رات ضرور اپنی قید سے آزاد کر دے گا۔

اچانک جھونپڑی کی چوکھٹ پر آہٹ ہوئی۔ بھٹ سائیں کا دل متوقع مسرت تلے زور سے دھڑکا۔ چوکھٹ پر ٹاٹ جھول رہا تھا جسے ہٹائے بغیر سومری کسی پرچھائیں کی طرح مسکراتی ہوئی جھونپڑی کے اندر آ گئی۔ بھٹ سائیں اسے دیکھتے ہی خوشی سے کھل اٹھا۔

"سومری.....! تو آ گئی..... کیسی ہے..... ان دونوں رذیلوں نے تجھے قید کر لیا تھا ناں۔" بھٹ سائیں نے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہاں میرے سریجن .....! پراب میں آزاد ہوں، آجاؤ میں تمہارے لیے بہت تڑپی ہوں۔" سومری نے اپنے عنابی ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ بکھیر کر دونوں بازو پھیلا دیئے۔

بھٹ سائیں بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔ سومری نے اس کے قریب ہو کر اپنا منہ اس کے شانے پر ٹکایا تو اگلے ہی لمحے سومری کی دونوں باچھوں کے کونوں سے تیز دھار نوکیلے دانت نمودار ہوئے اور سومری کا حسین و جمیل چہرہ یکدم ڈراؤنا ہوتا چلا گیا۔ دانت اس نے بھٹ سائیں کی گردن میں پیوست کر دیئے۔

☆.....☆.....☆

تیز اور نوکیلے دانتوں کی بے رحم چبھن گردن پر محسوس کرتے ہی بھٹ سائیں کے جسم نے ایک زوردار اضطراری جھٹکا کھایا۔ یہ اس کا فطری ردعمل تھا کہ اس نے جھٹکا کھاتے ہی سومری کو پوری قوت کے ساتھ پرے دھکیل دیا اور بے اختیار اس نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔ دانت ابھی پوری طرح پیوست نہیں ہوا تھا تاہم خون کی بوندیں گردن سے نمودار ہو گئی تھیں۔ بھٹ سائیں کی آنکھوں میں تکلیف سے زیادہ حیرت کے آثار تھے، وہ حیران تھا کہ اس نے تو اپنی سومری کو گلے لگایا تھا یہ..... یہ چڑیل کہاں سے آ گئی؟

سومری کا بہروپ بدل کر بھٹ سائیں کے پاس آنے والی وہ ایک گندی روح تھی جسے دنیا ہی سے نہیں بلکہ عالم ارواح سے بھی دھتکار دیا گیا تھا، یہ چال جگن سامری کی تھی۔ یہ بدروح اسی نے ہی بھٹ سائیں کا خاتمہ کرنے کے لیے اس کی جھونپڑی میں بھیجی تھی۔ ظاہر ہے بھٹ سائیں کا دشمن نمبر ایک بھی اس سازش میں برابر کا شریک تھا۔

ادھر بھٹ سائیں کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اس ڈراؤنی اور کریہہ صورت والی چڑیل کو دیکھ کر اپنے حواس ہی گم کر بیٹھتا مگر بھٹ سائیں ایک فقیر منش اور اللہ والا بندہ تھا۔ وہ اس چڑیل سے ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا..... وہ اس گھناؤنی حقیقت کا اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ اس کے خلاف کھیلی گئی ایک ایسی گھناؤنی سازش ہے جس کا صاف صاف مطلب یہی تھا کہ اسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ وہ چڑیل اپنے خاکستری چہرے پر خوفناک تاثرات لیے بھٹ سائیں پر جھپٹنے کو بڑھی مگر اس عرصے میں بھٹ سائیں کے دائیں ہاتھ میں تسبیح آ چکی تھی اور بھٹ سائیں نے فوراً تسبیح کے دانے رولتے ہوئے

کلام الٰہی کا ورد شروع کر دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے بھٹ سائیں نے اس چڑیل کے منہ پر پھونک مار دی۔ یکا یک یوں لگا جیسے چڑیل کو کوئی جھونپڑی سے باہر دھکیل رہا ہو..... وہ چیخنے چلانے لگی مگر کسی غیبی اور غیر مرئی قوت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور یوں وہ جھونپڑی سے باہر خود بخود نکلتی چلی گئی۔

بھٹ سائیں نے جھونپڑی سے باہر نکلنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس کے کانوں میں اس کریہہ صورت چڑیل کی سمع خراش چیخوں کی آوازیں ہنوز آ رہی تھیں۔ بھٹ سائیں کا چہرہ اب غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی جلالی آنکھوں میں آتش غیظ کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور ان سلگتی ہوئی چنگاریوں میں وہ سائیں کو ڑیل اور جگن سامری کے مکروہ چہرے دیکھ رہا تھا جنہوں نے نہ صرف اس کے ساتھ وعدہ خلافی کی تھی بلکہ ایک گندی اور ناپاک روح کو قاتل کے روپ میں ادھر بھیجا تھا۔

"تم دونوں کی اب خیر نہیں ہے ذلیل شیطانوں.....!"

بھٹ سائیں قہر بار انداز میں بڑبڑایا۔

☆.....☆.....☆

ایک عرصے کے بعد جس گھر کے مقدور بھر آسمان سے خوشی کے بادل برسے تھے، وہ اب یکلخت ہی دوبارہ چھٹ گئے تھے۔ میر نواز کو پولیس ایک بار پھر گرفتار کر کے لے گئی تھی، بیچاری سکھاں کا امیدوں بھرا دل بجھ گیا۔ وہ بھائی کی گرفتاری پر ایک بار پھر خود کو عدم تحفظ کا شکار محسوس کرنے لگی مگر اب وہ خود کو اس قدر تنہا نہیں محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس کا دوسرا بھائی احمد نواز ابھی اس کے ہمراہ تھا اور پھر مراد بخش اور اس کا باپ محمد بخش بھی تو اس کے ساتھ تھے۔

جہاندیدہ محمد بخش سمجھ چکا تھا کہ یہ حرکت کس کی تھی اور کس کے ایماء پر تھی اس لیے اس نے اب کی بار یہ حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ زمیندار حاجی ارصلاح خان کے ساتھ مل کر آخری قدم اٹھا کر رہے گا لہٰذا اپنی کمیٹی کے دو افراد کو جن میں احمد نواز بھی تھا، لے کر سیدھا پاس کے گوٹھ زمیندار حاجی ارصلاح خان کی اوطاق میں پہنچا۔

"سائیں حاجی صاحب .....! امیرا خیال ہے اب کی بار انسپکٹر عالی جاہ کے خلاف راجواڑیں کمیٹی بٹھانی ہی پڑے گی..... وہ مردود ایک بار پھر میر نواز کو گرفتار کر کے لے گیا ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس کے سامنے سرکنڈوں کے ایک اونچے اور خاصے کشادہ مونڈھے پر براجمان زمیندار حاجی ارصلاح خان کے باریش چہرے پر ایک لمحے کو تفکر آمیز پرچھائیاں ابھریں پھر وہ دھیرے سے اثبات میں اپنے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"تم صحیح کہتے ہو محمد بخش.....! ایسا ہی کرنا پڑے گا لیکن اس سے پہلے میں تم سے تنہائی میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" حاجی صاحب کے عجیب اور اس پراسرار لہجے پر محمد بخش ذرا الجھ سا گیا مگر پھر اس نے اپنے قریب دائیں بائیں احمد نواز اور اپنے ایک دوسرے ساتھ بچل کو اشارے سے اوطاق سے ذرا دیر کے لیے باہر جانے کو کہا۔ وہ دونوں مؤدبانہ انداز میں باہر نکل گئے۔

"دیکھو محمد بخش.....! انسپکٹر عالی جاہ کے خلاف راجواڑیں میں کمیٹی بٹھانے کا ہمارے پاس صرف ایک ہی جواز ہے اور وہ سکھاں ہے یعنی اس انسپکٹر عالی جاہ نے جب تھانے میں اس کی عزت برباد کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی تو تم نے بروقت مداخلت کر کے یہ شیطانی کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کر ڈالا تھا لہٰذا تم اس کے چشم دید گواہ تھے۔ میں نے انسپکٹر عالی جاہ کو محض دھمکی دی تھی مگر محمد بخش تم خود سوچو اور اچھی طرح غور کرنے کے بعد مجھے مشورہ دو کہ کیا اس طرح سکھاں کی عزت بلاوجہ گوٹھ میں مذاق کا نشانہ نہ بن جائے گی۔ لڑکی کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ ایک ذرا دھبہ بھی پورے چاند کو گہنا کر رکھ دیتا ہے۔"

حاجی صاحب کی طویل اور صراحت بھری گفتگو سن کر محمد بخش ایک لمحے کو اپنی جگہ پر ساکت ہو کر رہ گیا..... وہ بیٹے کا باپ تھا، بیٹی کا باپ نہیں تھا لیکن باوجود اس کے حاجی صاحب کے سمجھانے پر اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی تھی کہ اس بدخصلت انسپکٹر عالی جاہ کے خلاف کارروائی کرنے کا مطلب تھا سکھاں کی جگ ہنسائی اور وہ بھی ایسے میں جب سکھاں اس کے بیٹے مراد بخش کی بیوی اور خود اس کی بہو بننے والی تھی لہٰذا وہ کیسے چاہتا کہ اس کی بہو کے ساتھ یہ جگ ہنسائی ہوتی۔

"کیا سوچ رہے ہو محمد بخش.....! کیا میری بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی تمہارے۔" محمد بخش کو گہری سوچ میں مستغرق پا کر حاجی صاحب نے ٹہوکا دیا تو وہ ایک پرسوچ ہنکاری خارج کر کے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "جی..... جی..... جی صاحب.....! میں آپ کی گفتگو کا مطلب جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ

کی بات بالکل ٹھیک ہے۔ انسپکٹر عالی جاہ تو ایک شیطان ہے..... بلاوجہ اس سارے معاملے میں بے چاری سکھاں کی خواہ مخواہ ذلت ہو گی اور حاجی صاحب ویسے بھی سکھاں اب میری بہو بننے والی ہے۔"

"بس تو پھر عالی جاہ کے خلاف راجواڑیں کمیٹی بٹھانے کا خیال دل سے نکال دو۔" حاجی صاحب نے پہلو بدل کر حتمی لہجے میں کہا اور مزید اضافہ کیا۔ "تم بے فکر رہو محمد بخش.....! انسپکٹر عالی جاہ کے خلاف کارروائی کے لیے ہمارے پاس اور بھی بہت کچھ ہے۔ تم علی احمد کو کیوں بھول رہے ہو، وہی جس نے ہاری میر محمد کو قتل ہوتے دیکھا تھا نہ صرف یہ بلکہ وہ (علی احمد) قاتل کو بھی جانتا ہے۔"

حاجی صاحب کی اس بات پر محمد بخش کے چہرے پر جوش سا عود کر آیا۔ وہ بولا۔ "ٹھیک ہے حاجی صاحب.....! میرا خیال ہے اب ہمیں ہاری میر محمد کا کیس ہی آگے بڑھانا چاہیے۔ انسپکٹر عالی جاہ، وڈیرے کا کارپرداز بن چکا ہے یقیناً اسے یہ بات پسند نہیں آئے گی اور ہو سکتا ہے اس کے دباؤ میں آ کر وہ میر نواز کو رہا کر دے۔"

"بات صرف میر نواز کی رہائی کی نہیں ہے محمد بخش.....! ہمیں اس غریب میر محمد کے قاتل کو بھی تو تختۂ دار تک پہنچانا ہے۔"

"ہاؤ سائیں.....! ہمیں ایسا ہی کرنا پڑے گا۔" محمد بخش نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"چلو ابھی تھانے چلتے ہیں..... آج اس کمینے انسپکٹر کا بھی بندوبست کر کے ہی دم لیں گے۔" حاجی صاحب نے فیصلہ کن لہجے میں مونڈھے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد کاندھوں پر اجرک ڈال کر اس نے دو محافظ ساتھ لیے اور انہیں جیپ نکالنے کا حکم دے کر اوطاق سے باہر آ گیا۔

☆.....☆.....☆

رحمت اللہ خان کے لیے اپنے باپ وڈیرے سالار خان کا رویہ دن بدن ذہنی کرب کا ہی نہیں بلکہ اب پریشانی کا باعث بننے لگا تھا۔ ذہنی کرب کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ماں نوراں ہر وقت اپنی بیٹی سومری کو یاد کر کے روتی رہتی تھی اور اس کی تصویر کو ہر وقت اپنے سینے سے لگائے چومتی اور سسکتی رہتی تھی۔ یہ اس کی زخمی ممتا تھی کہ بیٹی کے مرنے کے بعد بھی اسے نہیں بھولی تھی۔ اگرچہ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے مگر جو لوگ طبعی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طور پر یا بیماری میں اپنوں کو داغ مفارقت دے جاتے ہیں، ان کی موت پر کسی نہ کسی طرح صبر آ ہی جاتا ہے لیکن جواں مرگ موت اور وہ بھی ناگہانی موت کا غم بھلائے نہیں بھولتا۔ سومری کی موت بھی جواں مرگ اور ناگہانی ہی تھی یہی نہیں بلکہ اسے تو اس کے باپ یعنی اس کے شوہر وڈیرے سالار خان نے قتل کیا تھا۔ نوراں کو یہی غم بھلائے نہیں بھولتا تھا۔ اسے اپنے قاتل شوہر سے حد درجے نفرت ہو چکی تھی بلکہ کبھی کبھی تو اسے دیکھ کر ہسٹریائی دورے میں مبتلا ہو جایا کرتی تھی۔ اس کے جوان بیٹے رحمت اللہ خان کو ذہنی پریشانی ایک تو آئے دن ماں باپ کے آپس میں جھگڑے کی وجہ سے تھی، دوسرے گوٹھ میں بھی اس کے باپ وڈیرے سالار خان کی نفرت عام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ نفرت کی وجہ بھٹ سائیں پر قاتلانہ حملہ تھی اور اگرچہ کسی کو حویلی والوں کی طرف انگلی اٹھانے کی جرأت نہ تھی لیکن اپنے انداز و اطوار اور آپس میں کھلی کچہریوں کے درمیان وہ لوگ وڈیرے کے خلاف چہ میگوئیاں کرتے ہوئے پائے گئے تھے، ان کشیدہ حالات میں رحمت اللہ خان کی پڑھائی بھی متاثر ہونے لگی تھی۔ وہ سندھ یونیورسٹی میں گریجویشن کر رہا تھا مگر گھریلو حالات اور حویلی سے متعلق داخلی اور خارجی مسائل کی وجہ سے زیادہ تر گوٹھ میں ہی رہتا تھا۔ ماں کو تنہا بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اس کی غیر موجودگی میں جب دونوں ماں، باپ کا آپس میں جھگڑا ہو جاتا تو اس کا باپ وڈیرا سالار خان اس کی ماں کو بڑی بیدردی کے ساتھ زدوکوب کیا کرتا تھا اور کئی بار تو وہ اس کی ماں نوراں کو بھی قتل کرنے کی دھمکی دے چکا تھا۔

"امڑ گودی.....! تو ایسا کر میرے ساتھ شہر چل کر رہ۔" بالآخر روز روز کے ماں باپ کے جھگڑوں سے تنگ آ کر رحمت اللہ خان نے ماں سے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اس کی ماں نوراں نے بیٹے کی بات سن کر بڑی زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر پژمردہ سی آواز میں بولی۔ "پٹ.....! وہاں تیرے ساتھ شہر میں کیا کروں گی؟"

"تو یہاں تیرے کو کون سا سکھ ہے..... سچ پوچھ امڑ.....! مجھے بابا سے بڑا خوف آنے لگا ہے، میں یونیورسٹی ہوتا ہوں تو میرا سارا دھیان ادھر ہی لگا رہتا ہے۔"

"تو میری گڑتی (فکر) نہ کیا کر پٹ.....! میری زندگی تو ویسے ہی گزر رہی

جائے گی تو اپڑیں پڑھائی خراب نہ کر۔"

"امڑ گودی.....! یہ کیا تیرے کو مجھ سے محبت نہیں ہے..... کیا میں تیرا بیٹا نہیں؟"

"نہیں میرے لعل.....!" ممتا تڑپ اٹھی اور بیٹے کا چہرے اپنے ممتا بھرے لرزتے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔ "ایک تیرا ہی چہرہ تو دیکھ دیکھ کر جی رہی ہوں۔"

"تو پھر امڑ.....! چل میرے ساتھ..... چھوڑ دے اس ظالم حویلی کو۔"

"پٹ.....! ادھر سومری کی تصویر جو نظر آتی ہے۔ یہاں کے در و دیوار سے اس کے ہنسنے کی آوازیں آتی ہیں جو میری روح کو سکون بخشتی ہیں۔"

"امڑ.....! یہاں بابا سائیں بھی تو ہیں ناں، ان کو دیکھ کر آپ کی طبیعت بھی خراب ہونے لگتی ہے پھر آپ دونوں لڑ پڑتے ہو..... مجھے تو ڈر لگتا ہے کہیں..... کہیں....."

"ہاپٹ.....! تو صحیح کہتا ہے..... مجھے بھی ڈر لگتا ہے..... کہیں کہیں میں اسے قتل ہی نہ کر دوں۔" نوراں کے لہجے میں یکدم نفرت انگیز چنگاریاں عود کر آئیں۔

رحمت اللہ خان اپنی ماں کے آتش انتقام سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر یہی صورتحال رہی تو کہیں اس حویلی کی چہار دیواری کو اس کے مکینوں کے ساتھ آگ نہ لگ جائے اور وہ اس وجہ سے ہی ماں کو اپنے ساتھ حیدرآباد لے جانا چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ خود یونیورسٹی کیمپس میں ہی رہتا تھا مگر وہاں امتحانات کے دنوں میں رہا کرتا تھا تاکہ کمبائن اسٹڈی کے فوائد حاصل کر سکے ورنہ عام دنوں میں وہ حیدرآباد کے ایک بنگلے نما گھر میں رہتا تھا۔

"پٹ رحمت.....!"

"جی امڑ میٹھی.....!"

"پٹ.....! تو نے میرا کام کیا..... سومری کی تصویر تیرے ظالم باپ نے پھاڑ دی تھی۔"

"جی امڑ.....! میں شہر سے کاپی کروا لایا تھا۔ میں نے اسے فریم بھی کروا دیا ہے۔" رحمت اللہ خان نے ملائمت بھرے لہجے میں ماں سے کہا۔

اس کی ماں یہ سنتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ رحمت اللہ وہاں سے اپنے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

باپ وڈیرے سالار خان کے کمرے میں آ گیا۔ اس کا باپ اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھا منشی جمعہ خان کے ساتھ حساب کتاب میں مصروف تھا۔

"بابا.....! میں آپ سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" رحمت اللہ خان نے گہرے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

بیٹے کی آواز سن کر وڈیرے سالار خان نے ذرا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر سپاٹ لہجے میں بولا۔ "میں ابھی مصروف ہوں پھر آنا میرے پاس۔"

منشی جمعہ خان، وڈیرے کی مسہری کے قریب ہی مونڈھے پر بیٹھا تھا۔ رحمت اللہ خان کی موجودگی پر احتراماً اپنی جگہ سے کھڑا ہونے لگا تو وڈیرے نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کو کہا۔

"بابا.....! مجھے زیادہ لمبی بات نہیں کرنی ہے۔" رحمت اللہ خان بدستور گہری متانت سے بولا۔ "میں امڑ کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں شہر۔"

اس پر وڈیرا ذرا چونک کر بیٹے کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھنے لگا پھر پاٹ دار آواز میں بولا۔ "کیوں بابا تمہاری ماں کو یہاں کون سی تکلیف ہے۔"

"تکلیف کو رہنے دیں بابا.....! ورنہ بات لمبی ہو جائے گی، میں امڑ کا ماحول تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاؤ بابا ہاؤ..... جاؤ، بھلے جاؤ..... جان چھوڑو میری۔" وڈیرے سالار خان نے سر جھٹکتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ رحمت اللہ خان کو باپ کا یہ رعونت آمیز لہجہ ناگوار گزرا مگر وہ خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔

ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک چاکر اندر داخل ہو کر ہاتھ جوڑتے ہوئے مؤدبانہ بولا۔ "سائیں وڈا.....! اوطاق میں کچھ لوگ آئے ہیں..... آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اڑے بابا کون ہیں، وہ کیا چاہتے ہیں؟" وڈیرے نے کھرکھراتے لہجے میں پوچھا۔ "سائیں وڈا!" وہ لوگ خود کو تحفظ کمیٹی کے لوگ بتاتے ہیں، ان میں محمد بخش بھی ہے اور ہاری میر محمد کا چھوٹا بیٹا احمد نواز بھی۔" چاکر نے بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے بتایا تاہم اس کی بات سن کر وڈیرا ذرا چونک کر اپنے سامنے بیٹھے منشی جمعہ خان کی طرف تکنے لگا۔

"سائیں بھوتار.....! آپ بیٹھو..... میں بات کر کے آتا ہوں، چار آدمی کیا جمع کر لیے ہیں اس محمد بخش کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" منشی جمعہ خان نے تلخی سے کہا۔ حالانکہ یہ اس کی طبیعت کا خاصا نہ تھا۔ وہ ہمیشہ ٹھنڈے دل اور مکارانہ معاملہ فہمی سے کام لیتا تھا..... یہاں بھی اس نے چالاکی سے وڈیرے کی گرم مزاج کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ موضوع ہی ایسا تھا جس کی نزاکت کا ادراک بہرحال وڈیرے کو تھا۔

"نہیں منشی! ہمیں خود چلنا ہوگا۔" وڈیرے نے گمبھیر لہجے میں کہا پھر چاکر کو جانے کا اشارہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد وڈیرا اوطاق میں اپنے مخصوص ساخت کے نسبتاً ایک اونچے مونڈھے پر بیٹھا تھا۔ سامنے چٹائی پر محمد بخش اور احمد نواز سمیت چار مزید افراد بیٹھے تھے، باقی ان کے عقب میں گوٹھ کے تقریباً پندرہ بیس افراد کھڑے تھے۔

"اڑے بابا.....! تم لوگ نیچے کیوں بیٹھے ہو۔" وڈیرے نے چٹائی پر براجمان محمد بخش وغیرہ سے کہا پھر چاکر کو آواز دے کر بولا۔ "اڑے شانو.....! بابا چارپائی ڈال میرے سامنے تکڑا بابا جلدی کر۔"

ذرا ہی دیر بعد ایک چاکر نے منقش پایوں والی چارپائی ڈال دی اور محمد بخش اپنی کمیٹی کے پانچ معزز ساتھیوں کے ساتھ پاؤں لٹکائے بیٹھ گیا۔

"ہا بابا.....! بولو کیسے آنا ہوا..... ویسے ہم اندر بڑے مصروف تھے، اگر ہم چاہتے تو تم کو ٹال سکتے تھے مگر ہم نے سوچا زمینوں اور ہاریوں کے معاملات تو چلتے ہی رہتے ہیں، تم لوگوں سے مل لینا چاہیے..... بولو کیسے آنا ہوا۔" وڈیرے سالار خان نے روایتی رعونت آمیز لہجے میں محمد بخش کی طرف زور دے کر کہا پھر اپنی ایک نظر عقب میں کھڑے پندرہ بیس دیہاتیوں پر ڈالی۔ ان کے چہروں پر اس وقت عجیب قسم کی تمتماہٹ طاری تھی..... محمد بخش نے وڈیرے سالار خان کی بات پر دھیرے سے اثبات میں اپنا سر ہلایا پھر ہولے سے کھنکھار کر کہا۔

"سائیں.....! ہم خود بھی نہیں چاہتے کہ آپ کی مصروفیات میں دخل اندازی کریں لیکن آپ نے شیر گل والے معاملے کو غیر ضروری طول دے کر ہماری بے چینی میں اضافہ کر دیا جس کی وجہ سے ہمیں بار بار ادھر آنا پڑ رہا ہے۔" بالآخر محمد بخش نے بھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

احتیاط کے دائرے میں رہتے ہوئے وڈیرے کی رعونت آمیز انداز گفتگو کا قرض لوٹا دیا۔

وڈیرے کے چہرے پر ایک لمحے کو درشتی کے آثار نمودار ہوئے۔ کوئی اور معاملہ ہوتا تو وہ ان سب کو بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہتا، کھڑے کھڑے اوطاق سے باہر چلتا کر دیتا مگر چونکہ یہ معاملہ بھٹ سائیں پر قاتلانہ حملے کا تھا اور حملہ آور بھی گل شیر خان تھا جو اس کا چاکر خاص تھا اسی لیے وڈیرے نے طوعاً و کرہاً ان لوگوں کو "شرف باریابی" بخشا تھا۔

بہر طور وہ محمد بخش کی بات پر اندر ہی اندر تلملایا تو ضرور تھا لیکن اپنے مزاج کے خلاف غصے کو برداشت کرنے پر بھی مجبور تھا تاہم اس نے تیز نظر سے محمد بخش کی طرف گھورا اور گمبھیر لہجے میں اس سے بولا۔ "بابا.....! تم لوگ معاملہ خواہ مخواہ بڑھا رہے ہو..... جب ہم نے کہہ دیا ہے کہ گل شیر کو ہم نے کڑی سے کڑی سزا دے دی ہے یہی نہیں بلکہ ہم نے تو اس نامراد کو گوٹھ سے ہی نکال دیا ہے ہمیشہ کے لیے، بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا سزا ہو سکتی ہے۔"

وڈیرے سالار خان کی بات سن کر محمد بخش نے ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھے دو معززین کی طرف دیکھا ..... انہوں نے بھی جیسے محمد بخش کی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے تائیدی انداز میں ہولے سے اپنے سروں کو اثباتی جنبش دی..... یوں لگتا تھا جیسے انہیں وڈیرے کی طرف سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی اور وہ اس کا جواب بھی سوچ کر آئے تھے لہٰذا محمد بخش نے اپنے معززین کی حمایت لینے کے بعد قدرے اٹل اور گہری متانت کے ساتھ وڈیرے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "سائیں.....! یہ معاملہ اتنا معمولی نہ تھا کہ جس کا فیصلہ آپ اکیلے کرتے۔ یہ اجتماعی اور بہت نازک مسئلہ ہے، آپ کو یہ مسئلہ کھلی کچہری میں سب کی آنکھوں کے سامنے کرنا چاہیے تھا۔"

"اڑے بابا.....! تم لوگ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو..... میں اس گوٹھ کا وڈیرا ہوں اور وہی کروں گا جو میں چاہوں گا۔" وڈیرے کے لہجے میں اچانک رعونت آمیز کرختگی اتر آئی تھی مگر وہ لوگ بھی وڈیرے کے ساتھ جوابی کارروائی کا تہیہ کر کے آئے تھے۔

لہٰذا محمد بخش کے ساتھ آئے چار معزز ارکان میں سے ایک خاص پکی عمر کے شخص نے نظریں وڈیرے کے چہرے پر گاڑتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "وڈیرا

سائیں.....! یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ آپ اسے صرف تنہا اوطاق میں حل کریں ..... بھٹ سائیں سے سارے گوٹھ کے ہی لوگوں کو نہیں بلکہ آس پاس کے گوٹھ کے لوگوں کو بھی دلی عقیدت ہے، معاملہ آپ کے کھیتوں اور ہاریوں کا ہوتا تو الگ بات تھی مگر یہ معاملہ سب کا ہے اس لیے آپ کو یہ معاملہ کھلی کچہری میں حل کرنا چاہیے تھا۔" اس کا نام رسول بخش تھا۔ یہ پاس کے گوٹھ کا چھوٹا موٹا مگر راجواڑیں کمیٹی کی حد تک بارسوخ آدمی تھا۔

وڈیرے نے اس کی سنجیدہ نوعیت کی تلخ گفتگو پر اسے گھور کر دیکھا پھر خشونت سے بولا۔ "اڑے بابا جس بھٹ سائیں کو تم لوگوں نے اپڑاں (اپنا) مرشد بنا رکھا ہے، کیا تم لوگ اس کی اصل حقیقت سے بھی واقف ہو کہ یہ کون ہے؟"

وڈیرے کے لہجے میں گہرے استہزا کی جھلک کو محسوس کر کے سامنے بیٹھے لوگوں کے بشروں پر ایک لمحے کو ناگواری سی پھیل گئی پھر ایک دوسرے معزز رکن نے وڈیرے سے اسی لہجے میں کہا۔ "وڈیرا سائیں! آپ کو بھٹ سائیں کے بارے میں یہ کہنا زیب نہیں دیتا۔ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ وہ ایک اللہ والا بندہ ہے، کہاں سے آیا اور وہ کون ہے، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔"

"مگر مجھے اس سے سروکار ہے بابا! کیونکہ یہ تمہارا بھٹ سائیں درحقیقت محمد ملوک ہے..... عمن ہاری کا بیٹا محمد ملوک ..... اتنا کافی ہے یا اس کے بارے میں اور بھی کچھ سنو گے۔" وڈیرا آپے سے باہر ہونے لگا۔

سامنے بیٹھے لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا ..... بہتیروں کے چہرے متذبذب نظر آنے لگے جو لوگ محمد ملوک کو جانتے تھے، وہی تذبذب کا زیادہ شکار ہوئے۔

"تم میں اگر کوئی محمد ملوک کے بارے میں نہیں جانتا تو میں بتائے دیتا ہوں۔" وڈیرے کے لہجے میں بدستور زہر گھلا ہوا تھا۔

محمد بخش جو محمد ملوک کے نام پر سناٹے دار خاموشی میں ڈوب گیا تھا، یکدم بولا۔ "سائیں! ہمیں بھٹ سائیں کے ماضی سے کیا لینا۔ انسان دنیا کی بے حسی اور بے مروتی سے دلبرداشتہ ہو کر اللہ سے لو لگا لیتا ہے تو یہ برا نہیں ہے۔"

"اچھا!" وڈیرے نے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا کر کہا۔ "اڑے بابا تو اگر اپڑیں بھٹ سائیں کے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تو اس کا مطلب یہ نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ ہم بھی اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ تم لوگوں کو بھٹ سائیں کی اصلیت کا علم نہیں ہے یا پھر ہے تو چشم پوشی کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' وڈیرے نے بغور محمد بخش کا چہرہ دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا۔

''آخر پتہ تو چلے کہ بھٹ سائیں نے ماضی میں ایسا کیا کیا ہے کہ آپ اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں؟'' جواباً ایک تیسرے رکن نے پوچھا۔

وڈیرا ایک دم اپنے مونڈھے سے اٹھ کھڑا ہوا اور جوش غیظ سے سرخ ہوتے ہوئے بولا۔ ''تم لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے تو اچھی طرح کان کھول کر سن لو کیونکہ یہ معاملہ ہماری غیرت کا ہے..... اگر کوئی تم لوگوں کی بیٹی یا بہن کی عزت سے کھیل کر بعد میں اپنی جان بچانے کے لیے کسی مرشد کا روپ دھار لے تو تم کیا کرو گے؟''

''وڈیرا سائیں.....! یہ ٹھیک ہے آپ کی ہم عزت کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم۔''

''اڑے بابا.....! آ گیا نا غصہ.....! بالکل ایسا ہی غصہ میرے اندر بھی آتش فشاں کی طرح سلگ رہا ہے۔'' وڈیرے نے ایک جوش کھائے ہوئے رکن سے کہا۔

''تمہارے اس بھٹ سائیں کی حقیقت یہ ہے کہ آج سے چار پانچ سال پہلے اس نے میری بیٹی سومری کو ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میں نے اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ ''کاری'' کر کے ہلاک کر ڈالا تھا پھر محمد ملوک یعنی تمہارا یہ بھٹ سائیں جو ''کارو'' تھا، جان بچا کر روپوش ہو گیا تھا..... بعد میں بھٹ سائیں کا بھیس بھر کر یہاں آ بیٹھا۔'' وڈیرے نے اپنی بات مکمل کر لی۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا اور اس کے لرزیدہ وجود سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ماضی کی راکھ تلے دبی چنگاریوں کی گرمی دبانے کی کوشش کر رہا تھا، حاضرین کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ محمد بخش چونکہ اس گوٹھ سے تعلق رکھتا تھا اس لیے وہ ماضی کے سارے حالات سے واقف تھا اور گومگو کی سی کیفیت میں غرق تھا باقی جو دیگر گوٹھ سے تعلق رکھتے تھے، وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے تھے۔

ادھر وڈیرے نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ آج یہ قصہ نمٹا کر رہے گا۔ اس کی جہاندیدہ نظروں نے محمد بخش کے چہرے کی گمبھیر خاموشی کو بھانپتے ہوئے اسے مخاطب

کیا۔ ''کیوں بابا بخشل.....! تیرے کو تو ساری باتوں کا علم ہے، تو کیوں نہیں بتاتا ان لوگوں کو۔ اگر تیرے کو بھی میری بات پر شک ہے تو جاؤ اپڑیں اس مرشد بھٹ سائیں کا چہرہ جا کر غور سے دیکھو اور اس گوٹھ کے لوگوں کو بھی دکھاؤ..... جاؤ۔''

''سائیں.....! یہ معاملہ تو راجواڑیں میں ہی حل ہونا چاہیے تھا۔'' محمد بخش نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

وڈیرا ایک دم آنکھیں نکالتا ہوا بولا۔ ''ہرگز نہیں! میں اپنی بیٹی کا خون بہا لینا حرام سمجھتا ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں اس کا فیصلہ خود کروں اور یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے، میں محمد ملوک (بھٹ سائیں) کو ضرور ہلاک کروں گا کیونکہ وہ ''کارو'' ہے..... سمجھے تم لوگ.....!'' وڈیرا غصے سے کپکپا رہا تھا۔ ایسے میں وڈیرے کے چاکروں نے تمام لوگوں کو وہاں سے جانے کی درخواست کی اور پھر سب لوگ ہزار قسم کی حیرتوں کے ساتھ خاموشی سے لوٹ گئے۔

☆.....☆.....☆

اوطاق میں صرف تین افراد اس وقت موجود تھے۔ باہر سرد اور ٹھٹھرتی رات دبے پاؤں گزر رہی تھی۔ باہر سناٹا بھی چیختا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''سائیں! معاملہ بہت نازک بلکہ خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے۔'' یہ انسپکٹر عالی جاہ تھا۔ وہ بری طرح پریشان اور بدحواس معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنے سامنے مونڈھے پر بیٹھے وڈیرے سالار خان سے مخاطب تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بید کی کرسی پر منشی جمعہ خان براجمان تھا۔

''اس زمیندار حاجی ارصلاح خان نے واقعی ایک ایسے چشم دید گواہ کا کھوج لگا لیا ہے جس کے بل پر وہ شہر جا کر ہاری میر محمد کا قتل کیس کھلوانا چاہتے ہیں سائیں.....! اگر بات عدالت تک چلی گئی تو معاملہ خراب ہو جائے گا..... آپ تو پھنسیں گے میں بھی نہیں بچ سکوں گا۔''

''یار انسپکٹر.....! تو نے اس چشم دید گواہ کا کھوج لگانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' وڈیرے نے کہا۔

انسپکٹر عالی جاہ بولا۔ ''سائیں! آپ کیا سمجھتے ہیں، میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بیٹھا تھا کوئی..... میں نے تو اپنی سی سر توڑ کوشش کی تھی مگر حاجی بڑا چالاک آدمی ہے اور میرا وہ دو ٹکے کا اردلی محمد بخش بھی اسی حاجی کی شہ پر اکڑ رہا ہے۔"

"انسپکٹر!" وڈیرے نے سناٹے دار لہجے میں کہا۔

"جی سائیں.....!" انسپکٹر عالی جاہ نے کہا۔

"حاجی ارصلاح خان کا قصہ ختم کر دوں میں..... تو کیا پھر یہ معاملہ دب جائے گا؟ تیرا کیا خیال ہے بابا.....؟" وڈیرے نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

اس کی بات سن کر انسپکٹر عالی جاہ کو اپنی پیشانی عرق آلود ہوتی محسوس ہوئی تاہم وہ اندر سے خوش بھی تھا۔ بولا۔ "ہاؤ سائیں.....! امیر اخیال ہے یہ کانٹا نکل جائے تو۔" یہ کہتے ہوئے جانے کیوں انسپکٹر عالی جاہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"بس پھر تو جا اور بے فکر ہو کر اپنے سرکاری کوارٹر میں جا کر سو جا۔" وڈیرے نے غیر مرئی نقطے میں اپنی نظریں گاڑتے ہوئے اسرار بھرے لہجے میں کہا اور انسپکٹر عالی جاہ نے دھیرے سے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

سائیں کوڑیل اور جگن سامری بہت پریشان تھے۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سومری کے بھیس میں جس چڑیل کو بھٹ سائیں کے پاس اسے ہلاک کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ بری طرح ناکام ہو گئی تھی جس کا مطلب بھٹ سائیں کے غضب کو آواز دینا تھا۔ سائیں کوڑیل کی حالت زیادہ پتلی ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بھٹ سائیں نے اگر دوبارہ قہر و غضب کے عالم میں اس کے حجرے کی طرف رخ کیا اور ایسا ضرور ہونا تھا تو یہ بات ان دونوں کے حق میں بہتر نہیں ہو گی۔

اس گوٹھ کے لوگوں کی نظروں میں سائیں کوڑیل اور جگن سامری کی شخصیت مشکوک ہو سکتی تھی۔

"سوامی جی.....! اب کیا ہو گا..... وہ بھٹ سائیں تو اب آتا ہی ہو گا۔" سائیں کوڑیل نے کپکپاتے لہجے میں جگن سے کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا..... تو کیوں چنتا کرتا ہے، میں ہوں ناں.....! سب سنبھال لوں گا۔" جگن سامری نے اسے تسلی دینا چاہی مگر اس کے جھریوں بھرے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ ابھی وہ بھٹ سائیں سے "نمٹنے" کی کوئی تجویز زیر غور نہیں لا سکا

ہے۔

سائیں کوڑیل نے کہا۔ "سوامی جی.....! میرا خیال ہے سومری کو چھوڑ ہی دینا چاہیے ورنہ یہ بھٹ سائیں ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائے گا۔ میں بھٹ سائیں سے خوفزدہ نہیں ہوں..... مجھے اس کے مریدوں سے ڈر لگتا ہے، ویسے بھی بھٹ سائیں پر دوبار قاتلانہ حملوں سے اس کے مریدوں میں شدید اشتعال پایا جاتا ہے۔ سومری کو آزاد کرنے کے بعد ہم بھٹ سائیں سے نمٹ کر اس کا قصہ پاک کر دیں گے اور بعد میں سومری کو۔"

"لیکن سومری کو آزاد کرنے کے بعد پھر وہ ایک خوفناک پرچھائیں کی طرح بھٹ سائیں کا سایہ بن جائے گی..... ہم اس کی موجودگی میں بھٹ سائیں کا کس طرح خاتمہ کر سکتے ہیں؟"

جگن سامری نے قدرے الجھن آمیز پریشانی سے اس کی بات کاٹ کر کہا تو سائیں کوڑیل، جگن سامری کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے حیرت سے بولا۔ "سوامی جی.....! یہ کیا.....! آپ کے لیے تو سومری کوئی حیثیت نہیں رکھتی، وہ تو ایک عام روح ہے اور آپ تو ہمالیائی جبلوں کے بہت بڑے ساحر ہیں پھر.....؟"

"ارے نادان.....! یہ بات نہیں.....! تیرے کو ابھی شاید ہماری پراسرار طاقتوں کا علم نہیں ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ سومری کوئی عام روح نہیں ہے، اس کے سینے میں آتش انتقام دھک رہی ہے اسی بے چینی و بے قراری کی وجہ سے یہ عالم ارواح نہیں جا سکی۔ یہ بھی اس کی ایک بڑی شکتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک نیک روح ہے، اپنا سارا وقت عبادت الٰہی میں گزارتی ہے، بس یہاں میں مار کھا جاتا ہوں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ پاک دھرتی ہے۔ یہاں میری سحر کاری آدھی رہ جاتی ہے۔ سرحد پار کی دھرتی ہوتی تو الگ بات تھی۔"

"پھر سوامی جی.....! میری یہ تجویز ہی بہتر ہے، اس سے پہلے کہ بھٹ سائیں اپنے جاں فروش مریدوں کے ساتھ یہاں آن دھمکے، اس سے پہلے ہی سومری کو آزاد کر دینا چاہیے پھر بعد میں تسلی کے ساتھ دوسرا حل سوچیں گے۔" اس کی بات سن کر جگن سامری نے بھی گومگو کے سے انداز میں اپنا سر اثبات میں دھیرے سے ہلا دیا مگر اس کے چہرے کے ژولیدہ اور مسخ تاثرات سے صاف عیاں تھا کہ وہ بہ جبر و کراہ اس بات پر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

راضی ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر عالی جاہ اور وڈیرے سالار خان کی مشترکہ اور درون خانہ ہاری میر محمد کے خاندان یعنی میر نواز اور احمد نواز کے خلاف روز بروز بڑھتی ہوئی چیرہ دستیوں کے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے کے لیے زمیندار حاجی ارصلاح خان اور تحفظ مرشد کمیٹی کے سربراہ محمد بخش نے ایک حتمی فیصلہ کر لیا۔ علی الصباح انہوں نے شہر روانہ ہو کر ڈی پی او (ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر) سے ملنے کا قصد کیا تھا۔ ڈی پی او، انسپکٹر حضور بخش پالاری، زمیندار حاجی ارصلاح خان کا پرانا دوست اور ایک فرض شناس پولیس آفیسر تھا۔ اس کی وجہ شہرت کچے کے علاقوں میں خطرناک ڈاکوؤں کے گروہ کا قلع قمع کرنے سے قائم ہوئی تھی۔ بہرطور محمد بخش، زمیندار حاجی صاحب کے علاوہ دو اور بھی افراد ان کے ہمراہ تھے۔ یہ لوگ سب حاجی صاحب کی اوطاق میں علی الصباح اکٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے یہ لوگ جیپ میں سوار ہو کر شہر روانہ ہو گئے۔ حاجی صاحب اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر میں جبکہ محمد بخش اور باقی دو افراد عقبی سیٹ پر بیٹھے تھے۔

جیپ دھول اڑاتے بل کھاتے راستے پر جا رہی تھی۔ آبادی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ کھیتوں، کھلیانوں کا سلسلہ بھی اختتام پذیر ہی تھا اور دائیں جانب کیکر، بیریں کے پیڑوں اور خودرو جھاڑیوں کی خاصی بہتات تھی دوسری جانب جھاڑ جھنکار سے لبریز وسیع میدان تھا۔ شہر جانے والی پختہ سڑک ابھی ذرا دور تھی۔

جب جیپ نے ایک گھنے درختوں کے جھنڈ والا موڑ کاٹا تو اچانک آس پاس کے قد آدم خودرو جھاڑیوں سے فائرنگ شروع ہو گئی۔

گولیاں جیپ کے ونڈ اسکرین توڑتی ہوئیں حاجی صاحب اور ڈرائیور کے سینے کو چھلنی کر گئیں۔ جیپ اس وقت موڑ کاٹ رہی تھی۔ ڈرائیور کے مرتے ہی وہ بے قابو ہو کر جھاڑیوں میں گھس گئی۔ جیپ کی عقبی نشستوں پر محمد بخش اور باقی دو افراد فائرنگ کی آوازوں کے ساتھ نیچے جھک گئے تھے۔ جیپ رک چکی تھی، فائرنگ بند ہو گئی تھی۔ خون میں لت پت ڈرائیور کی لاش آڑی ترچھی سیٹ پر پڑی ہوئی تھی۔ جبکہ زمیندار حاجی ارصلاح خان گولیاں کھاتے ہی جیپ کے کھلے دروازے سے باہر گر چکا تھا۔ وہ

بھی چند لمحے جاں کنی کے عالم میں تڑپنے کے بعد ختم ہو چکا تھا۔

محمد بخش کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ذرا سر ابھار کر گردوپیش کا جائزہ لینے کی کوشش کی تب پھر اسے ذرا دور چار پانچ افراد دوڑتے ہوئے نظر آئے۔

حاجی صاحب اور دیگر ساتھیوں کی خون میں لت پت لاشیں دیکھ کر اگرچہ محمد بخش کا دل خون کے آنسوؤں سے بھر گیا تھا لیکن پولیس کے محکمے میں ہونے کی وجہ سے وہ ان مناظر کا عادی تھا۔ اسے بہرحال حاجی صاحب جیسی دردمند، اللہ والی شخصیت کی یوں بہیمانہ موت پر بہت دکھ تھا۔

اس نے ان خونی قاتلوں کا تعاقب کرنا ضروری سمجھا اور پھر وہ احتیاط کے ساتھ گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے ان نامعلوم قاتلوں کے تعاقب میں ہو گیا۔ کھیتوں میں کھڑی نصف قد آدم فصلوں میں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے محمد بخش نے ان سفاک قاتلوں کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔ اس طرح درانہ وار قاتلوں کے تعاقب میں جانا بلاشبہ خطرے سے خالی نہ تھا..... انہیں ذرا بھی اپنے تعاقب کا شک ہو جاتا تو وہ محمد بخش کو گولیوں سے بھوننے میں ایک لمحے کے لیے بھی تامل نہ کرتے۔

محمد بخش بھی آخر کو پولیس کے محکمے سے تعلق رکھتا تھا اور احتیاط کو بہرحال مدنگاہ رکھے ہوئے تھا..... اس کی کوشش بھی اتنی تھی کہ ان نامعلوم قاتلوں کا ٹھکانہ اور چہرے شناس کرنا چاہتا تھا۔

زمیندار حاجی ارصلاح کی خون میں لت پت لاش ہنوز اس کے چشم تصور میں رقصاں تھی اور محمد بخش کا سینہ غم و غصے سے بھرا ہوا تھا..... سفاکی کے اس گھناؤنے عمل کا ذمے دار کون تھا، اس کا بھی محمد بخش کو کچھ کچھ اندازہ ہونے لگا تھا۔

کافی دیر تعاقب میں چلتے رہنے کے بعد محمد بخش کو اچانک ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ وہ اپنی آنکھیں سکیڑ کر ایک درخت کی آڑ سے ان نامعلوم سفاک قاتلوں کے ٹولے کو دیکھنے لگا کیونکہ وہ ایک جگہ رک گئے تھے اور تھوڑی دیر تک کھڑے آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے پھر اس کے بعد وہ پانچوں منتشر ہو گئے..... محمد بخش شدید تذبذب کا شکار ہو گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ آخر وہ کس کے تعاقب میں روانہ ہو، بالآخر اس نے ان دو افراد کے تعاقب میں جانا ضروری سمجھا جو باقی ساتھیوں کو ہاتھ کے اشاروں سے وہیں کھڑے الگ الگ جانے کی ہدایت دے رہے تھے اور بعد میں وہ دونوں اکٹھے ایک طرف کو چل پڑے تھے۔

محمد بخش کھیتوں میں کھڑی فصلوں کی آڑ لیتا بدستور تعاقب میں تھا تب پھر اچانک محمد بخش بری طرح ٹھٹکا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا اور کنپٹیاں سلگنے لگیں..... کیا دیکھتا ہے، ان دونوں کا رخ وڈیرے سالار خان کی اوطاق کی طرف ہے۔

وہ رکا نہیں، چلتا رہا..... وہ اب اچھی طرح یہ تسلی کرنے کے بعد کہ خونی قاتل وڈیرے کے ہی آدمی تھے۔ وہ اب ان کے چہرے بھی شناس کرنا چاہتا تھا لہٰذا وہ بے دھڑک ان کے قریب پہنچنے کی کوشش میں تیز تیز قدموں کے ساتھ چلنے لگا کیونکہ گوٹھ کی آبادی قریب آ گئی تھی۔

وڈیرے کی اوطاق میں داخل ہونے سے پہلے محمد بخش قریب پہنچ کر ان کے چہرے دیکھ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسرار بھری شام خاصی جھک آئی تھی۔

سائیں کوڑیل اور جگن سامری اپنے حجرے کے کمرۂ خاص میں موجود تھے۔ اس کوٹھری نما چھوٹے کمرے میں مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دیوار پر دونوں کے مکروہ چہرے لرزاں تھے۔ جگن سامری کے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑی سی شیشے کی بوتل تھی۔ بوتل کے اندر دودھیا دھواں سا بھرا ہوا تھا۔ اس بوتل کے اندر سومری کی نیک روح قید تھی۔

سائیں کوڑیل اور جگن سامری، سومری کو آزاد کرنے کا حتمی فیصلہ کر چکے تھے۔ جگن سامری کا ایک ہاتھ بوتل کے ڈھکن کی طرف بڑھنے لگا۔ سائیں کوڑیل چندی چندی آنکھوں کے ساتھ بوتل تکے جا رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے جگن نے بوتل سے ڈھکن ہٹا دیا۔ بوتل کے اندر سے ایک تیز سنسناتی ہوئی آواز خارج ہوئی اور دوسرے ہی لمحے جگن نے محسوس کیا کہ بوتل کا وزن

غیر معمولی طور پر ہلکا ہو گیا تھا۔ سائیں کوڑیل پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ اسے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں سومری کی روح آزاد ہوتے ہی ان کے پیچھے نہ پڑ جائے۔

پھر اچانک اس کوٹھری نما کمرے میں ایک نسوانی مگر شعلہ خوں آواز بھری۔

"کاش.....! تم لوگ مجھے آزاد نہ کرتے اور میں اپنی کوشش سے آزاد ہوتی تو میں تم دونوں کا بڑا برا حشر کرتی لیکن اب چونکہ تم دونوں نے مجھے خود ہی آزاد کر دیا ہے اس لیے میں اب تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتی مگر ایک بات یاد رکھنا، اگر تم نے پھر کبھی بھٹ سائیں کے خلاف کوئی سازش کی یا سکھاں جیسی معصوم لڑکی کو اپنے کالے منتروں میں استعمال کیا تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔"

کمرہ جو بوتل کے کھلتے ہی یخ بستہ ہو گیا تھا، سومری کی روح کی آواز معدوم ہوتے ہی کمرے کے محدود ماحول کی حرارت اعتدال پر آ گئی۔ سومری کی روح کے ٹلتے ہی سائیں کوڑیل نے سکھ کا سانس لیا البتہ جگن سامری کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔

"سوامی! اب تو ہمیں کوئی دوسرا طریقہ آزمانا پڑے گا۔" لمحے بھر کی پرطمانیت خاموشی کے بعد سائیں کوڑیل نے پاس کھڑے جگن سامری سے کہا۔

"ہوں..... تو صحیح کہتا ہے..... اب سب سے پہلے بھٹ سائیں کا قلع قمع کرنا پڑے گا کیونکہ وہ ایک ظاہر جسم ہے۔ ہم کالے منتر جاننے کے باوجود کھلے بندوں اس کا کچھ نہیں بگاڑ پا رہے۔" جگن سامری نے ہنکاری بھرتے ہوئے کہا۔ "اس کے لیے ہمیں ابھی مزید شکتی حاصل کرنی پڑے گی۔"

اس کی بات سن کر سائیں کوڑیل کو جیسے اچانک کوئی بات یاد آ گئی اور اس کی چندی چندی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ بولا۔ "سوامی.....! مہاشکتی حاصل کرنے کا وقت آ گیا ہے ہمارا۔"

"وہ کیسے.....؟"

"تم کو یاد نہیں تم نے مجھے ایک بوٹی پیس کر دی تھی جسے میں نے تمہاری ہدایت کے مطابق اپنی بیوی عنایتاں کو کھلا دیا تھا۔"

"ہاں..... ہاں..... پھر....." جگن سامری نے بے تابی سے پوچھا۔

سائیں کوڑیل سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔ "اب میری بیوی امید سے ہو گئی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"بس، اب تو میری ایک بات یاد رکھنا بالکے!" جگن سامری خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "تیری بیوی کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوں گے۔ تجھے یاد ہے ناں میں نے تجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اپنے کالے منتروں کو ناقابل شکست بنانے کے لیے تجھے ایک بچہ دان کرنا ہوگا۔ زچگی میری بیوی رچنی کروائے گی۔ وہ عنایتاں سے یہی کہے گی کہ اس کے ہاں ایک بچہ ہی پیدا ہوا ہے، یاد ہے ناں تجھے وعدہ اپنا کوڑیل!"

"ہاں..... بابا کیسے نہیں یاد ہے۔ میں خود ناقابل تسخیر پراسرار قوتیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اپنا ایک بچہ تو کیا دونوں بچے اس مقصد کے لیے دان کر سکتا ہوں۔" جگن سامری کے بدہیئت ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

☆.....☆.....☆

باہر زور کا ساون ٹوٹ کر برس رہا تھا۔ بادلوں کی گھن گرج دل دہلائے دے رہی تھی۔ شرائے دار بارش کا سلسلہ زور وشور سے جاری تھا۔ رات اپنے آخری پہر میں داخل ہونے والی تھی۔ پاس کے کمرے سے ایک عورت کے کراہنے اور کبھی چیخنے کی کرب ناک آوازیں باہر پڑتی دھواں دھار بارش کے شور وشغب میں ڈوب رہی تھیں۔

دردانگیز کراہیں سائیں کوڑیل کی بیوی عنایتاں کی تھیں۔ وہ اندر دوسرے کمرے میں تھی، اس کے ساتھ جگن سامری کی بیوی رچنی بھی تھی۔

پھر ذرا دیر بعد کوڑیل اور جگن سامری کے کانوں میں بچے کے رونے کی آواز ٹکرائی۔ سائیں کوڑیل کا دل جانے کیوں بری طرح دھک دھک کر رہا تھا..... اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیوی عنایتاں کو جڑواں بچوں کا علم ہو کیونکہ وہ اپنا دوسرا بچہ کالے منتروں کی بھینٹ چڑھانے کے لیے جگن سامری کو دان کرنے والا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دوسرے بچے کے بھی رونے کی آواز ابھری۔ سائیں کوڑیل اور جگن سامری کے چہروں پر مکروہ مسکراہٹ رقصاں ہوگئی پھر اسی وقت بغلی کوٹھری کا در کھلا اور رچنی ایک نومولود ننگ دھڑنگ بچے کو گود میں اٹھائے نمودار ہوئی، اس کے

جھریوں بھرے مکروہ چہرے سے دبی دبی مسرت عیاں تھی۔ وہ دونوں بیتابی کے ساتھ اس کی طرف بڑھے۔ رچنی نے بچہ جگن سامری کو تھما دیا۔

"باقی دونوں ماں، بیٹے تو ٹھیک ہیں ناں؟" سائیں کوڑیل نے رچنی سے پوچھا۔

"ہاں ..... ہاں دونوں ٹھیک ہیں۔ ایک بچے کو میں اس کے پہلو میں لٹا آئی ہوں، میں نے اسے یہی بتایا ہے کہ اس کے ایک ہی بچہ پیدا ہوا ہے۔" رچنی نے بتایا۔

ابھی یہ تینوں تصور ہی تصور میں اپنے مکروہ مقصد کے پورا ہونے کی خوشیاں ہی منا رہے تھے کہ اچانک بغلی کوٹھری والا دروازہ کھلا اور تینوں ٹھٹک کر اس طرف دیکھنے لگے جدھر عنایتاں نڈھال سے قدموں کے ساتھ کھڑی جگن سامری کے ہاتھوں میں روتے بلکتے ہوئے اپنے دوسرے جڑواں بچے کو پیاسی نظروں سے تکے جا رہی تھی۔

رچنی، جگن سامری اور سائیں کوڑیل تینوں شیطانوں کے مکروہ چہرے یکایک دھواں ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میں تیرا خون پی جاؤں گی ظالم عورت .....!لادے مجھے میرا بچہ....." عنایتاں چوکھٹ کا سہارا لیے کھڑی رچنی کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھ کر بولی۔ پھر اچانک اس کی نظر جگن سامری پر پڑی جس کے مکروہ ہاتھوں میں عنایتاں کا دوسرا لخت جگر ہمک رہا تھا۔ عنایتاں پر نقاہت طاری تھی مگر اپنے دوسرے جگر گوشے کو دیکھ کر اس کے بدن میں جیسے عجیب سی نفرت بھر گئی۔ وہ زخمی شیرنی کی طرح غرائی اور بوڑھے جگن سامری کی طرف بڑھی اور اس سے اپنا بچہ چھین لیا اور دیوانہ وار اسے چومنے لگی۔

قریب کھڑا اس کے شوہر سائیں کوڑیل کا چہرہ ناکامی کے احساس تلے سیاہ پڑنے لگا۔ یہی حالت جگن سامری کی تھی۔ وہ قہر بھری نظروں سے پریشان کھڑا اپنی بیوی رچنی کو گھور رہا تھا جس کی بے احتیاطی اور جلد بازی نے سارا کام بگاڑ دیا تھا۔

عنایتاں، رچنی کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتی ہوئی اپنے نوزائیدہ بچے کو لے کر کوٹھری میں آ گئی اور چارپائی پر اسے اپنے دوسرے بچے کے ساتھ لٹا دیا اور اپنے دونوں جڑواں بچوں کو ممتا بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر ممتا کا نور دیدنی تھا۔ وہ یک ٹک انہیں تکے جا رہی تھی جیسے وہ مدتوں کی پیاسی ممتا کو سیراب کرنا چاہ رہی ہو۔

یہ حقیقت ہی تھی جب وہ سولہ سال کی تھی تو اس کی شادی کوڑیل سے ہوئی تھی پھر بیس، پچیس سال پلک جھپکتے گزر گئے مگر اس کی گود خالی ہی رہی تھی۔ اب اللہ نے اتنے عرصے بعد خزاں رسیدہ گلشن میں بہار کھلا دی تھی اور دو پیارے پیارے پھول اس کی گود میں ڈال دیئے تھے مگر پھر اچانک عنایتاں کا چہرہ الجھن آمیز پریشانی میں ڈوب گیا۔ اس کی وجہ رچنی تھی اسے حیرت تھی کہ رچنی نے ایسا کیوں کیا تھا۔ اس نے اس کے دوسرے بچے کے بارے میں لاعلم رکھنے کی کوشش کیوں کی تھی۔ یہ تو اچھا تھا کہ نڈھال ہونے

کے باوجود عنایتاں نے اپنے دوسرے لخت جگر کے بھی رونے کی آواز سن لی تھی اور اسے فوری احساس ہو گیا تھا کہ رچنی نے اس سے جھوٹ کہا تھا۔ اس نے ایک نہیں دو بچوں کو جنم دیا تھا مگر اصل میں عنایتاں کو الجھن اس بات پر ہو رہی تھی کہ آخر رچنی نے اس کا بچہ اٹھا کر اپنے شوہر جگن سامری کے حوالے کیوں کر دیا تھا اور اس سے بھی حیرت آمیز پریشانی کی بات یہ تھی کہ خود اس کا شوہر سائیں کوڑیل بھی وہاں موجود تھا اور وہ خاموش کھڑا تھا۔

تب پھر اچانک عنایتاں کی چھٹی حس اسے پکار پکار کر کسی انجانے خطرے کا احساس دلانے لگی.....اسے دال میں کچھ کالا نظر آنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

محمد بخش جب اپنے گھر داخل ہوا تو اس وقت مراد بخش گھر پر ہی موجود تھا۔ باپ کو دیکھ کر مراد بخش بری طرح چونکا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا باپ میلوں دور سے دوڑتا آیا ہو، اس کی سانس بری طرح پھولی ہوئی تھی ..... چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر اسے اپنے باپ کے چہرے پر ایک وحشت انگیز جوش کی تمتماہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ از راہِ تشویش آگے بڑھا۔

"بابا.....! خیر تو ہے ..... کہاں سے آ رہے ہو.....تو تو حاجی صاحب کے ساتھ شہر جا رہا تھا۔"

"بب .....بیٹھو آرام سے ..... مجھے پانی دو۔" محمد بخش نے اپنی بے ترتیب سانسوں کے تموج پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ مراد بخش نے باپ کو سہارا دیتے ہوئے برآمدے میں بچھی چارپائی پر بٹھا دیا پھر فوراً دروازے کے قریب رکھی گھڑونچی پر دھرے مٹکے سے جست کے ٹیڑھے میڑھے گلاس میں پانی اُنڈیلا اور جلدی سے باپ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

محمد بخش ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گیا۔ چند لمحے لمبے لمبے سانس لے کر اپنی بوکھلائی ہوئی بدحواس کیفیات پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر بولا۔ "پٹ .....! تو ایک کام کر.....جلدی سے جا..... بھاگ کر رسولے اور احمد علی کو بلا لا.....جلدی جا..... سوال مت کر۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مراد بخش باپ کے حکم کے مطابق فوراً باہر نکل گیا۔

محمد بخش اب کافی حد تک اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا..... اسے ابھی اس یقین پر تامل ہو رہا تھا کہ کیا حاجی صاحب جیسے نیک نفس انسان اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

محمد بخش کی آنکھوں کے سامنے وہ بھیانک منظر تھا جب حاجی صاحب سفاک حملہ آوروں کی گولیوں کا نشانہ بن کر لہولہان ہو کر گر پڑے تھے۔ ورنہ شاید محمد بخش کو یقین ہی نہ آتا۔

ذرا دیر بعد اس کا بیٹا مراد بخش دو افراد کو لیے گھر آ پہنچا۔ یہ دونوں تحفظ کمیٹی کے معزز رکن رسول بخش اور علی احمد تھے۔

"کیا ہوا سائیں محمد بخش.....! خیر تو ہے..... تو تو حاجی صاحب کے ساتھ شہر گیا تھا۔" رسول بخش نے اس کی طرف دیکھتے ہی ازراہِ تشویش پوچھا۔

"ہاؤ.....! بیٹھو آرام سے، معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے۔" محمد بخش نے سنسنی خیز انداز میں کہا۔ اس کا لہجہ مرتعش سا تھا۔ پھر محمد بخش ان دونوں کو اندر کوٹھری میں لے آیا۔ رسول بخش اور علی احمد حیران پریشان تھے۔ پھر اس کے بعد محمد بخش نے ان دونوں کو اس تلخ اور کرب انگیز واقعہ کی پوری تفصیل بلاکم و کاست بتا دی۔ رسول بخش اور علی احمد تو سناٹے میں آ گئے۔

محمد بخش کا بیٹا بھی وہاں موجود تھا۔ باپ کے منہ سے اس حادثہ جانکاہ کے بارے میں سن کر وہ بھی اپنی جگہ بت بن گیا تھا۔ کوٹھری نما کمرے کے محدود ماحول میں لمحہ بھر کے لیے گمبھیر اور سناٹے دار خاموشی مسلط ہو گئی تھی۔ سب دم بخود ہو گئے تھے۔

"یہ تو قہر ہو گیا..... ہمیں ابھی پولیس کو اطلاع کرنی چاہیے۔ یہ تو ظلم ہو گیا حاجی صاحب کے ساتھ۔" رسول بخش نے پرجوش لہجے میں کہا۔

محمد بخش نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "کون سی پولیس کو اطلاع دیں ہم..... یہاں کی تو ساری پولیس قاتلوں سے ملی ہوئی ہے۔"

"اور وہ قاتل وڈیرا سالار خان ہی ہے۔ کیونکہ تم نے خود دیکھا لیا..... محمد بخش کہ وہ قاتل یہ واردات کرنے کے بعد اسی کی اوطاق میں داخل ہوئے تھے۔" علی احمد نے فوراً جوشیلے لہجے میں لقمہ دیا۔

"لگتا ہے ہمیں اب خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ وڈیرا اپنے ظلم کا دائرہ بڑھاتا جا رہا ہے..... وہ ہمیں بھی نہیں چھوڑے گا۔" محمد بخش کے لہجے میں تشویش در آئی۔

"ہمیں فوراً شہر جا کر ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر سے ملنا ہو گا اور اسے ساری کتھا سنانی پڑے گی۔" رسول بخش نے تجویز پیش کی۔ پھر سب نے اس کی بات پر اتفاق کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

پورے گوٹھ میں جنگل کی آگ کی طرح اس لرزہ خیز واردات کی خبر پھیل چکی تھی۔ متعلقہ تھانے کی پولیس کو بھی اطلاع دی جا چکی تھی..... انسپکٹر عالی جاہ نے روایتی انداز میں ضابطے کی کارروائی کرتے ہوئے لاشیں وارثوں کے سپرد کر دی تھیں۔ جب حاجی صاحب کی لاش ان کے قریبی گوٹھ کی حویلی میں پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ ان کا بڑا بیٹا داد محمد خان جو شہر میں پڑھتا تھا، اتفاق سے گھر پر ہی موجود تھا۔ باپ کی خون میں لپ پت لاش دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ فوراً اپنے آدمیوں کو لے کر انسپکٹر عالی جاہ سے ملا۔ وہیں اسے پتہ چلا کہ یہ واردات کھلی دشمنی کی بناء پر کی گئی تھی اور جب اس کی ملاقات محمد بخش سے ہوئی تو محمد بخش بڑی رازداری کے ساتھ حاجی صاحب کے بیٹے داد محمد کو لے کر رسول بخش کے گھر پہنچا اور پھر وہیں محمد بخش نے ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر دی۔

"میں وڈیرے سالار خان کی حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ اس نے کیا ہمیں اپنا کوئی معمولی "رہاک" سمجھ رکھا ہے۔" داد محمد ساری کہانی سن کر یکدم مشتعل ہو گیا۔

"سائیں.....! آپ پڑھے لکھے جوان ہو، اس معاملے کو ٹھنڈے دماغ سے حل کرنا پڑے گا۔" محمد بخش نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہاں کی پولیس پوری طرح وڈیرے کی غلام بن چکی ہے۔ ہمارا ارادہ شہر جا کر بڑے پولیس افسر سے ملنے کا ہے، اب ہمیں وہیں اپنی فریاد ڈالنی چاہیے۔"

اس کے سمجھانے پر داد محمد کا غصہ کچھ کم ہوا اور ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچنے پر مجبور ہو گیا پھر اس کے بعد محمد بخش، رسول بخش اور علی احمد، داد محمد کی جیپ میں سوار ہو کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسی وقت شہر روانہ ہو گئے۔

جیپ میں داد محمد کے چار مسلح آدمی بھی ہمراہ تھے، جب ان کی جیپ گوٹھ سے نکل کر بنجر ویران علاقے میں پہنچی تو اچانک انہیں سامنے کچھ مسلح افراد ہاتھوں میں گنیں تھامے نظر آئے، جیپ اس وقت داد محمد ہی چلا رہا تھا۔ اس نے جیپ کی رفتار کم کی مگر اس کے برابر والی سیٹ پر موجود محمد بخش اور رسول بخش کی چھٹی حس نے کسی ناخوشگوار گھڑی کے خطرے کا الارم بجا دیا تھا۔

"سائیں.....! گاڑی روک دو .....!ان کے ارادے ٹھیک نہیں معلوم ہوتے۔" محمد بخش نے فوراً جوش سے مرتعش آواز میں داد محمد سے کہا۔

اس نے فوراً گاڑی کی رفتار دھیرے دھیرے کم کرنا شروع کر دی مگر رکتے رکتے بھی جیپ ان نامعلوم مسلح افراد سے ذرا ہی فاصلے پر ٹھہر گئی۔

پھر ٹھیک اسی وقت سامنے کھڑے مشتبہ مسلح افراد نے اپنی بندوقیں سیدھی کر لیں .....اگلے ہی لمحے فضا میں چھرے دار کارتوسوں کے چلنے کی گھن گرج سنائی دی اور جیپ کی ونڈ اسکرین چھنا کے سے کرچی کرچی ہو گئی مگر اس سے پہلے ہی متوقع خطرے کی سنسناہٹ محسوس کرتے ہی یہ سب لوگوں دائیں بائیں باہر چھلانگ لگا چکے تھے اور فوراً ہی بہ سرعت جیپ کے پیچھے رینگ کر آڑ میں ہو گئے۔

ادھر داد محمد کے چاروں مسلح گارڈ ساتھیوں نے اپنی رائفلوں کے فائر کھول دیئے۔ دو طرفہ فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ داد محمد نے بھی اپنا پستول نکال لیا تھا اور جچے تلے فائر کرنے لگا، اس کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان حملہ آوروں کا تعلق اس کے مرحوم باپ کے قاتلوں سے ہی ہے۔

محمد بخش اور رسول بخش وغیرہ دبک گئے تھے۔ داد محمد نے پھنکارتی ہوئی آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ان لوگوں کو بھاگنے کا موقع نہ دینا، ہم نے ہر حال میں کسی ایک کو زندہ پکڑنا ہے۔"

ان چاروں میں سے ایک نے مؤدبانہ جوش کے ساتھ "حاضر سائیں" کہا۔

تب پھر اس کے چاروں ساتھی دو دو کی ٹولیوں میں بٹ کر دائیں بائیں چھدری جھاڑیوں کی طرف رینگ گئے۔ مخالف سمت سے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا اور

جیپ کی باڈی گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی۔ اس کے چاروں ٹائر برسٹ ہو کر زمین سے چپک گئے تھے۔

پھر اچانک داد محمد کے چہرے پر الجھن آمیز تاثرات ابھرے اور وہ اپنے قریب جیپ کی آڑ لیے دبکے ہوئے محمد بخش اور اس کے دونوں ساتھیوں سے بولا۔

"ہمیں اس جیپ سے فوری طور پر دور نکل جانا چاہیے ورنہ اگر دشمنوں کی کوئی بھولی بھٹکی گولی پٹرول ٹینکی میں آ لگی تو جیپ ایک خطرناک بم کی طرح پھٹ پڑے گی۔"

اس کی بات سن کر محمد بخش اور اس کے دونوں ساتھیوں رسول بخش اور علی احمد کے چہرے اچانک ہراساں نظر آنے لگے۔ "تم لوگ ایسا کرو جیپ کی آڑ لیتے ہوئے ذرا دور رینگ جاؤ، میں انہیں جب تک فائرنگ میں الجھائے رکھتا ہوں، جاؤ لیکن ایک ایک کر کے نکلنے کی کوشش کرو۔"

سب سے پہلے محمد بخش جیپ کی آڑ کی سیدھ میں پرے کھسکنے لگا اس کے بعد رسول بخش اور پھر جب علی احمد نے جیپ سے پرے سرکنے کی ایک عجلت آمیز سعی کی تو مخالف سمت سے آنے والی ایک گولی اس کی ٹانگ میں پیوست ہو گئی۔ اس کے حلق سے ایک تیز کرب ناک چیخ برآمد ہوئی۔

ذرا فاصلے پر چھدری جھاڑیوں میں دبکے ہوئے محمد بخش اور رسول بخش کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ انہیں خود سے زیادہ علی احمد کی جان کی فکر تھی کیونکہ وہ ہاری میر محمد کیس کا ایک چشم دید گواہ تھا۔ یہی نہیں وہ ہاری میر محمد کے قاتل کو جانتا بھی تھا جسے اس نے وڈیرے سالار خان کی اوطاق میں بھی دیکھا تھا اور اس کے نام سے بھی اس نے محمد بخش اور رسول بخش کو آگاہ کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی چیخ سن کر وہ یہی سمجھے کہ وہ دشمنوں کی گولی کا شکار ہو گیا ہے۔

محمد بخش کا پورا وجود غصے سے کانپنے لگا۔ وہ علی احمد کو ہر صورت میں بچانا چاہتا تھا۔ علی احمد ابھی تک اپنی جگہ لیٹا ٹانگ پکڑے ہوئے تھا۔ محمد بخش اپنی جان کی پروا کیے بغیر جھاڑیوں سے نکلا اور گھٹنوں اور کہنیوں کے بل رینگتا ہوا تیزی کے ساتھ علی احمد کی طرف گھسٹنے کی کوشش کرنے لگا۔

ادھر رسول بخش نے جو یہ دیکھا تو وہ بھی بے دھڑک اس آگ میں کود پڑا اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

محمد بخش کی مدد کرنے لپکا، ادھر داد محمد بڑی بے جگری کے ساتھ دشمنوں کے خلاف ڈٹا ہوا تھا۔ محمد بخش اور رسول بخش جرأت انگیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالآخر زخمی علی احمد کو محفوظ پناہ کی طرف لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

ادھر دفعتاً ہی فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ گولیوں کی گھن گرج کے بعد یکبارگی ماحول میں چھا جانے والی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ محسوس ہونے لگی۔ محمد بخش اور رسول بخش نے علی احمد کو سنبھالا ہوا تھا..... انہیں تسلی ہوئی تھی کہ گولی اس کی ٹانگ کی ہڈی کو نقصان پہنچائے بغیر گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ انہوں نے فوراً زخم پر پٹی کے طور پر اپنی اجرک پھاڑ کر باندھ دی تھی تاکہ جریان خون کو روکا جا سکے۔

کافی دیر یونہی دم سادھے گزر گئی تھی، اچانک محمد بخش نے صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے جھاڑیوں سے سر ابھار کر وقوع کی طرف دیکھا تو چونک گیا۔

سامنے داد محمد اور اس کے چاروں ساتھی موجود تھے۔ انہوں نے دو افراد کو پکڑ رکھا تھا، ان میں سے ایک زخمی تھا۔ پھر محمد بخش اپنی جگہ سے اٹھا تو اسی اثناء میں داد محمد نے پکارا۔ ”آ جاؤ ہم نے دشمنوں کے آدمیوں کو پکڑ لیا ہے۔“

اس کی آواز میں فتح و کامرانی کی جو شیلی لرزش تھی۔ محمد بخش اور رسول بخش نے زخمی علی احمد کو سہارا دے کر اٹھایا اسی اثنا میں داد محمد بھی اس کے قریب آ گیا۔

”علی احمد.....! تم ٹھیک تو ہو ناں.....؟“ اس نے ازراہِ تفکر پوچھا۔

علی احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاؤ سائیں! اللہ سائیں کا کرم ہے، معمولی زخم لگا ہے۔“

جب یہ لوگ ان دونوں دشمنوں کے قریب پہنچے جن کو داد محمد کے مسلح لحیم شحیم آدمیوں نے جکڑ رکھا تھا تو اچانک علی احمد نے ان میں سے ایک کو دیکھ کر انگلی کے اشارے سے کہا۔ ”یہی وہ بدبخت انسان ہے جس نے گریب ہاری میر محمد کو بے گناہ قتل کیا تھا۔“

محمد بخش اور رسول بخش تو پہلے ہی ان دونوں کو پہچان گئے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان دونوں کا تعلق وڈیرے سالار خان کے کارندوں سے ہے۔

☆.....☆.....☆

اسرار بھری رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ اندھیرے ماحول میں دبیز کہر کی چادر تنی ہوئی تھی۔ وڈیرا سالار خان اپنی حویلی کی خواب گاہ میں مسہری پر نیم دراز تھا اور شدید ذہنی خلجان کا شکار تھا۔ اس کی اہم وجہ اس کی بیوی اور بیٹے رحمت اللہ کا ناراض ہو کر ہمیشہ کے لیے شہر چلے جانا تھا۔ وڈیرے نے رعونت میں آ کر دونوں کو حویلی سے چلے جانے کی اجازت دے دی تھی مگر تھوڑے ہی عرصے بعد حویلی کی آسیبی ویرانی کسی چمگادڑ کی طرح اس کے ژولیدہ اعصاب کے ساتھ چمٹ گئی تھی۔

وہ اپنی مسہری پر لیٹا تھا سو نہیں رہا تھا..... نیند تو عرصہ ہوا اس کی آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ کمرے میں روشنی پھیلی ہوئی تھی..... مسہری کے قریب رکھی ایک تپائی پر وہسکی کی ایک خالی اور ایک آدھ بھری بوتل رکھی تھی۔ دو تین بلوریں پیگ بھی اُلٹے سیدھے پڑے تھے۔ ایک بلوریں پیگ قالین پر بھی پڑا تھا جسے ذرا دیر پہلے اس نے نفسیاتی دباؤ میں آ کر غصے کے مارے قالین پر خالی لڑھکا دیا تھا۔

اس سمے وڈیرے کا چہرہ شدید تناؤ کا شکار نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اندرونی ہیجان کے غماز دکھائی دے رہے تھے۔ گھنی بھنوؤں تلے اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے نظر آ رہے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے خود کو کثرت مے نوشی میں غرق کر رکھا ہے۔

پھر اگلے ہی لمحے وہ اُٹھ کر پاؤں لٹکائے مسہری کی پائنتی بیٹھ گیا..... نیم غنودہ مگر بھاری آواز میں بڑبڑایا۔

”یہ سب، یہ سب محمد ملوک (بھٹ سائیں) کا کیا دھرا ہے، میں اسے جب تک قتل نہیں کروں گا مجھے ہرگز چین نہیں ملے گا۔“ عالم دیوانگی میں بڑبڑاتے ہوئے وہ مسہری سے اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ دیوار پر ٹنگی اپنی دو نالی بندوق اٹھانے کے لیے لپکا اور پھر بندوق اپنے ہاتھ میں پکڑ کر دوبارہ بڑبڑایا۔

”میں ابھی جا کر محمد ملوک کو گولی ماروں گا، مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔“

اس کی آنکھوں میں آتش انتقام کی وحشیانہ چمک عود کر آئی تھی۔

وہ بندوق سنبھالے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سایہ لہرا گیا۔ وہ ٹھٹک کر رکا اور غور سے آنکھیں سکیڑ کر سائے کو دیکھنے کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کوشش کرنے لگا۔

وہ سایہ فضا میں لہراتا ہوا وڈیرے کے بالکل قریب آ کر ایستادہ ہو گیا..... وڈیرا سالار خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے سائے کو تکے جا رہا تھا اسی لمحے سائے نے انسانی صورت اختیار کر لی جسے وڈیرا سالار خان دیکھ کر بری طرح چونک گیا اور اس کے دل کی دھڑکنیں بے تحاشا تیز ہونے لگیں۔ وہ پراسرار سایہ اب ایک نسوانی پیکر کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ وہ سومری کی روح تھی جو بڑی ناگوار نظروں سے وڈیرے کو گھور رہی تھی۔

سالار خان کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ کر قالین پر گر پڑی۔ سردی کے موسم میں بھی اس کی فراخ پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سومری اس طرح پرچھائیں بن کر باپ کے سامنے ظاہر ہوئی تھی۔

''تت.....تت.....تم.....!'' وڈیرے کے منہ سے بے اختیار بے ربط الفاظ نکلے۔

''ہاں بابا.....! یہ میں ہوں، تیری بیٹی سومری! جسے تو نے خود اپنے ہاتھوں سے گلا دبا کر ہلاک کیا تھا مگر اب میں تمہیں ایسا دوسرا گھناؤنا قدم اٹھانے نہیں دوں گی۔'' سومری نے زہر خندہ لہجے میں کہا۔

اس کا باپ وڈیرا سالار خان اضطراری انداز میں چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا پورا وجود مرتعش ہونے لگا تھا اور ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی..... وہ اپنی مسہری پر گرنے کے انداز میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

''بابا.....! مجھے جان سے مار کر بھی تجھے چین نہیں آیا..... تو نے میری ماں پر ظلم ڈھائے اور انہیں حویلی سے نکال دیا۔ اب ایک بے گناہ انسان کو بھی تو قتل کرنا چاہتا ہے..... کیوں.....؟'' سومری کا لہجہ لمحہ بہ لمحہ کرخت ہوتا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

''میں نے تمہاری ماں کو نہیں نکالا ہے، وہ خود اپنے بیٹے رحمت اللہ کے ساتھ مجھے چھوڑ کر شہر چلی گئی ہے۔'' وڈیرا سالار خان ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولا۔ وہ اب خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سومری غراہٹ آمیز آواز میں بولی۔ ''میری ماں اور ادا رحمت اللہ تیرے ظلم

اور بے حسی کی وجہ سے یہ حویلی چھوڑنے پر مجبور ہوئے..... تو اتنا ظالم انسان ہے کہ میری ماں کو اس کی مرحوم بیٹی کی تصویر بھی پاس رکھنے نہیں دیتا تھا..... آخر تجھے کس نے یہ حق دیا تھا کہ تو میری بلکہ اپنی سگی بیٹی کی جان لے۔ بتا تو نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا..... تو نے..... تو نے ایک مجبور ماں اور ایک بھائی کو کیوں اپنے اس بہیمانہ ظلم سے زندہ درگور کیا، تجھے کیا حق پہنچتا تھا۔''

''تو نے پھر کیوں ایک غیر اور حقیر نوجوان سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کی۔ کیا تیرے کو اپنے باپ کی عزت کا بھی خیال نہیں آیا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ ایک غیرت مند باپ کی حیثیت سے بالکل درست کیا۔'' وڈیرے سالار خان کی فطری درشتی دوبارہ عود کر آئی تھی۔

''غیرت مند باپ.....! ہونہہ.....'' سومری حقارت سے بولی۔ ''تو ایک قاتل اور ظالم انسان ہے..... تو اپنے غریب رہاکوں (کسانوں) کا حق بھی مارتا رہا ہے۔ میں تیرے ظالمانہ کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہوں..... تو نے ایک غریب ہاری میر محمد کو بے گناہ قتل کروایا، اسکے بعد ایک فرشتہ صفت انسان حاجی ارصلاح کو بھی اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ وہ تیری کون سی غیرت تھی..... رہی میرے ایک غریب انسان کے ساتھ راہ و رسم بڑھانے والی بات تو وہ ایک شریف انسان تھا اور ہماری محبت پاکیزہ تھی۔ وہ خود میرے سلسلے میں تجھ سے ملنا چاہتا تھا۔'' سومری کی بات پر وڈیرا سالار خان ایک لمحے کو بری طرح چونکا پھر ڈھٹائی سے بولا۔ ''ہاری میر محمد اور حاجی ارصلاح والا معاملہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ وہ میرے خلاف سازش کر رہے تھے مگر اب میں اس محمد ملوک کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا جس نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا۔''

''میں ایک بے چین روح ہوں، اے ظالم انسان! کمزور لڑکی نہیں، بدقسمتی سے تو میرا باپ ہے۔ اس لیے میں تجھے کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن اگر تو نے اس بے قصور انسان بھٹ سائیں کے خلاف ذرا بھی کوئی ظالمانہ کارروائی کی تو میں یہ بھول جاؤں گی کہ تو میرا باپ ہے۔'' یکایک سومری کے جارحانہ لہجے میں آتش انتقام کے شعلے نکلنے لگے مگر وڈیرے سالار خان پر بھی اس کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ سومری کے لب و لہجے نے اسے آپے سے باہر کر ڈالا تھا۔ اپنی روایتی اور خود ساختہ جھوٹی انا کی وجہ سے اس کی بھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آتش غیظ آسمان کو چھونے لگی اور ایک روح کا خوف عنقا ہونے لگا۔

وہ عالم طیش میں دوبارہ مسہری سے اٹھا..... قالین پر پڑی ہوئی اپنی بندوق اٹھا لی۔ ٹھیک اسی وقت جیسے زلزلہ آ گیا۔ خواب گاہ کے در و دیوار بری طرح لرزنے لگے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی کوئی دم کو خواب گاہ کی بلند و بالا چھت اس کے سر پر آ گرے گی اور وہ اس کے ملبے تلے دب جائے گا، اس کے پیروں تلے سے زمین لرزنے لگی۔ وہ ایک دم ہی بدحواس اور ہراساں نظر آنے لگا۔ سومری غیر مرئی شے کی طرح ساکت کھڑی اپنے باپ کے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' وڈیرے کے منہ سے صرف اتنا ہی برآمد ہو سکا اور وہ لڑکھڑا کر قالین پر گر گیا۔

تب پھر سومری نے سلگتے ہوئے لہجے میں باپ کو دھمکاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ لی تو نے ایک بے چین روح کی طاقت..... اب اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو دوبارہ محمد ملوک (بھٹ سائیں) کو قتل کرنے کا خیال بھی دل میں مت لانا ورنہ میں اس پوری حویلی کو تیرا مقبرہ بنا دوں گی۔'' یہ تنبیہ کرنے کے بعد سومری غائب ہو گئی اور اس کے غائب ہوتے ہی لرزیدہ در و دیوار بھی ساکت ہو گئے۔ زلزلے کی جو تھوڑی دیر پہلے کیفیت تھی، وہ بغیر کسی انہدام کے تھم گئی۔ وڈیرے سالار خان نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

عنایتاں اپنے دونوں بچے پا کر خوشی سے نہال ہوئی جا رہی تھی..... اتنا طویل عرصہ بانجھ عورتوں جیسی زندگی بتانے کے بعد اچانک اس کی برسوں پرانی مراد بر آئی تھی۔ وہ ماں بن کر خوشی سے نہال تھی اگرچہ وہ جگن سامری کی بھی ممنون اور احسان مند تھی مگر اس کی بیوی رچنی نے اس کا دوسرا بچہ اس سے چھپانے کی جو قبیح حرکت کی تھی، وہ عنایتاں کے دل میں رچنی کے لیے شدید نفرت کا باعث بنی ہوئی تھی..... وہ ایک خرانٹ عورت تھی..... درونِ خانہ اسے کچھ کچھ ان پراسرار حالات کا ادراک ہونے لگا تھا کہ رچنی نے یہ ظالمانہ حرکت کسی کے ایماء پر ہی کی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کا شوہر سائیں کوڑیل شاہ سفلی علوم کی ناقابل تسخیر قوت حاصل کرنے کا متمنی ہے اور کالے

منتروں کے جاپ سیکھنے کے لیے ہی اس نے ان دونوں پراسرار اور جادوگر قسم کے میاں، بیوی رچنی اور جگن سامری کو اپنے ہاں ٹھہرا رکھا ہے اسی لیے وہ اب نہ صرف ان دونوں پراسرار میاں، بیوی بلکہ اپنے شوہر سائیں کوڑیل سے بھی محتاط ہو گئی تھی۔

ادھر سائیں کوڑیل اور جگن سامری کا منصوبہ خاک میں مل چکا تھا جس کا زیادہ ملال سائیں کوڑیل کو تھا کیونکہ وہ اپنے مکروہ منصوبے میں ناکام ہو چکا تھا۔ سفلی علوم سیکھنے کے جنون میں وہ بے حس شخص اپنے جگر کے ٹکڑے کو جگن سامری کے ایماء پر کالے منتروں کی بھینٹ چڑھا کر مہاشکتی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''اب کیا ہو گا سوامی جی!'' اس نے پرتشویش لہجے میں اپنے گرو گھنٹال جگن سامری سے پوچھا۔

''ہونا کیا ہے..... تجھے اگر مہاشکتی حاصل کرنی ہے تو اپنے ایک بالکے (بچے) کی بلی (قربانی) دینا ہو گی۔'' جگن سامری نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مگر اب یہ کس طرح ممکن ہے.....؟''

''وہ تیری جورو ہے۔ تو اس کا غلام کیوں بنتا ہے رے..... کیا تیری وہ اتنی سی بات بھی نہیں مان سکتی۔ تجھے اس سے دوسرا بچہ زبردستی چھیننا ہو گا۔'' جگن سامری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

سائل کوڑیل پُرسوچ انداز میں اپنا سر دھیرے دھیرے اثبات میں ہلانے لگا۔ وہ تہیہ کر چکا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو، اپنی بیوی عنایتاں سے وہ بچہ چھین کر رہے گا۔

☆.....☆.....☆

اس بار سکھاں کے ساتھ ساتھ مراد بخش بھی بہت پریشان تھا۔ سکھاں کو اپنے بڑے بھائی میر نواز کے گرفتار ہونے کی پریشانی تھی جبکہ مراد بخش کو اپنے باپ محمد بخش کی جو وڈیرے سالار خان کے خلاف کمربستہ ہو گیا تھا۔ مراد بخش جانتا تھا کہ وڈیرا کتنا خطرناک اور ظالم شخص تھا..... سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان دونوں کی شادی کا مسئلہ ان نامساعد حالات کی وجہ سے کھٹائی میں پڑنے لگا تھا۔ جب وہ دونوں نہر کے کنارے ملے تو سکھاں نے مراد بخش سے مغموم لہجے میں کہا۔ ''مرادے! ہماری تو قسمت ہی خراب ہے، ہم نزدیک ہوتے ہوئے بھی دور ہونے لگے ہیں۔''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مراد بخش، سکھاں کے لہجے کی مایوسی پر تڑپ کر بولا۔ ”سکھاں! اللہ سائیں خیر کرے گا..... میرا دل کہتا ہے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔“

”مگر مراد بخش میرے بھائی ادا میر نواز کو جیل میں بند ہوئے آج بیس روز ہو گئے ہیں، مجھے تو ڈر لگتا ہے کہیں وہ شیطان انسپکٹر عالی جاہ ادا میر نواز کو شہر کی بڑی جیل میں نہ ڈلوا دے، اسے لمبی سزا نہ ہو جائے۔“

”ایسا نہیں ہوگا سکھاں.....! اللہ سائیں سے ہمیشہ خیر کی دعا مانگتی رہو۔“ مراد بخش نے اس کے پژمردہ چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میرا پیو اور حاجی صاحب کا بیٹا داد محمد بڑے انسپکٹر صاحب سے ملنے کے لیے گئے ہیں..... تیرے بھائی کا بھی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔“

اس کی بات سن کر سکھاں نے خاموشی سے اپنی پریشان زلفوں والا سر جھکا دیا۔ اس کے حسین چہرے پر شام غم اُتری ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

محمد ملوک المعروف بھٹ سائیں اپنی جھونپڑی کے اندر ذکر الٰہی میں محو تھا۔

باہر صحرا میں ٹھٹھرتی ہوئی رات اتر آئی تھی۔ دفعتاً باہر آہٹ سی ابھری۔ بھٹ سائیں بدستور عبادت الٰہی میں مستغرق رہا۔

اسی لمحے دو افراد اندر داخل ہوئے، دونوں نے اپنے ہاتھوں میں بندوقیں تھام رکھی تھیں اور ان کا رخ بھٹ سائیں کی طرف تھا۔ یہ دونوں بندوق بردار افراد اربیلو اور مگو تھے۔ سائیں کوڑیل کے شیطانی چیلے اور اس کے حکم پر وہ دوسری بار بھٹ سائیں کو قتل کرنے کے ارادے کے ساتھ آئے تھے۔

بھٹ سائیں کو ہنوز اس بات کا علم نہ تھا کہ موت اس کے سر پر چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہے۔ اس کی آنکھیں بند اور لب بدبدانے کے سے انداز میں متحرک تھے۔

ادھر اربیلو اور مگو نے بھٹ سائیں کے جسم کا نشانہ لے کر لبلبی پر انگلی رکھ دی اور پھر اس سے پہلے کہ ان کی انگلیاں لبلبی پر ایک ذرا جنبش کرتیں، اچانک ان کو حیرت کا ایک زوردار جھٹکا لگا۔ وہ منظر ہی ایسا تھا..... بھٹ سائیں ان کی آنکھوں سے ایک دم

اوجھل ہو گیا تھا۔

اربیلو اور مگو بوکھلا کر آنکھیں پھاڑے ادھر ادھر دیکھنے لگے، جھونپڑی تھی ہی کتنی بڑی..... اچانک انہیں یوں لگا جیسے جھونپڑی کے اندر یکدم یخ بستگی اتر آئی ہو حتیٰ کہ انہیں اپنی بندوقیں بھی ٹھنڈی برف جیسی معلوم ہونے لگیں اور خود بھی وہ بری طرح ٹھٹھرنے لگے۔ وہ یکدم دہشت زدہ ہو گئے اور بندوقیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر پڑیں۔

وہ واپس بھاگنے کو پلٹے یہ تھے کہ اچانک انہیں یوں لگا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اپنے غیر مرئی ہاتھوں سے انہیں اٹھا لیا ہو، وہ زمین سے دو فٹ اونچے فضا میں معلق ہو کر ٹانگیں چلانے لگے اور ساتھ خوف کے مارے چیخنے چلانے بھی لگے۔

پھر دوسرے ہی لمحے کسی نادیدہ قوت نے انہیں اُچھال کر جھونپڑی سے باہر پھینک دیا۔ وہ دونوں ریت پر گرے۔

باہر چہار سو پراسرار سی چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ دونوں دہشت زدہ ہو کر اٹھے تو اچانک انہوں نے اپنے سامنے تھوڑے فاصلے پر ایک سایہ دیکھا پھر وہ سایہ دودھیا رنگ کی کہر آلود پرچھائیں میں بدل گیا اور تب ہی اچانک ایک کرخت آواز ابھری۔

”تم نے پہلے بھی تم لوگوں کو چھوڑ دیا تھا مگر لگتا ہے تمہیں اپنی زندگیاں پیاری نہیں ہیں، اب تم دونوں کا خاتمہ ضروری ہو گیا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ دودھیا سایہ اچانک ایک گینڈے جیسی مشابہت کا خوفناک جانور بن گیا اس کی گردن پر ببر شیر کی طرح کے بال نظر آ رہے تھے۔ اس گینڈے نما درندے نے ایک زوردار چنگھاڑ ماری اور ان دونوں پر پل پڑا پھر آن کی آن میں اربیلو اور مگو کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ ان کی لاشیں ریت میں مل کر غائب ہو چکی تھیں۔ گویا ان دونوں کا نام و نشان ہی مٹ گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ خوفناک گینڈے نما درندہ ایک دودھیا سایہ میں تبدیل ہو کر اچانک ایک جوان اور خوبصورت عورت کے روپ میں بدل گیا اب یہ جوان رعنا اور پری وش سومری تھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئی۔ سامنے بھٹ سائیں عالم مراقبہ میں بیٹھا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سومری تو آ گئی؟" اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"ملوک تو خود سے اس قدر غافل کیوں رہتا ہے..... دیکھ آج پھر ان دونوں مردود شیطانوں کے چیلے تجھے قتل کرنے آئے تھے مگر میں نے انہیں جان سے مار ڈالا ہے۔" سومری نے بتایا۔

بھٹ سائیں قدرے چونک کر بولا۔ "کیوں سومری! تو نے ان غریبوں کو کیوں بلاوجہ مار ڈالا۔ وہ تو دونوں بیچارے حکم کے غلام تھے۔ جگن سامری اور سائیں کوڑیل جیسے شیطانوں کا حکم ماننے پر وہ دونوں مجبور تھے۔"

"میں اب ان دونوں (جگن سامری اور سائیں کوڑیل) کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" یہ کہتے ہوئے سومری یکدم غائب ہوگئی۔

دوسرے ہی لمحے وہ سائیں کوڑیل کے گھر میں نمودار ہوگئی۔ وہاں اسے کوئی نظر نہ آیا مگر دوسرے لمحے اسے کسی عورت کے چیخنے اور رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"تت..... تم کو اللہ سائیں کا واسطہ..... میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرو، میرے بچے کو مجھ سے مت چھینو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

"اڑی چڑی ہوگئی ہے کیا۔" ایک کرخت مردانہ آواز ابھری۔ "شکر نہیں کرتی ایک بچے کی ماں تو بن گئی، اب دوسرے بچے پر ہمارا حق ہے، یہ جگن سامری کے کارن ہی تو ہوا ہے کہ تو اتنے برسوں بعد بچوں والی ہوگئی۔"

سومری اس آواز کو پہچان کر غصے سے سرخ ہوگئی اور پھر وہ ساتھ والے کمرے میں نمودار ہوئی۔ وہاں ایک دلخراش منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

سائیں کوڑیل اور جگن سامری، عنایتاں سے اس کا ایک بچہ چھیننے کی کوشش کر رہے تھے۔ رچنی نے عنایتاں کو دبوچ رکھا تھا مگر دوسری ہی لمحے سومری نے تیز آواز میں ان دونوں شیطانوں کو خبردار کیا۔

سومری نیلگوں مائل دودھیا پرچھائیں کی صورت وسط زمین سے چھ فٹ اوپر فضا میں معلق تھی اور شعلہ بار نظروں سے سائیں کوڑیل اور جگن سامری کو گھورے جا رہی تھی۔ وہ دونوں سومری کی پرچھائیں دیکھ کر سناٹے میں آ گئے۔

"تجھ پر اللہ کی لعنت ہو اے بے حس انسان! ایک شیطان کے کہنے پر تو ایک ماں کی گود اجاڑنے پر تلا ہوا ہے۔ ارے بیوقوف.....! تیرا بھی تو لخت جگر ہے..... ظالم تو اپنے کالے منتروں کے واسطے ایک ننھی اور معصوم جان کو آگ کی نذر کرنا چاہتا ہے..... صد حیف اے خبیث انسان! صد حیف۔"

سومری کی پھٹکار جاری تھی..... سائیں کوڑیل اپنی جگہ بت بنا کھڑا تھا۔ اس کی بیوی عنایتاں پہلے تو سومری کی نیلگوں مائل دودھیا پرچھائیں کو دیکھ کر ڈر گئی تھی مگر پھر فوراً ہی اس کی باتوں سے اس نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی نیک روح ہے اور اس کے شوہر کو غلط کام کرنے پر ڈانٹ رہی ہے۔ تب عنایتاں کے دل کو تسلی ہوئی اور وہ رحم طلب اور ممنونیت بھری نگاہوں سے اپنے دونوں جگر کے ٹکڑوں کو سینے سے لگائے سومری کو تکے جا رہی تھی۔ البتہ جگن سامری اور اس کی بیوی رچنی کے چہرے پر پریشانی اور تفکر کے سائے عود کر آئے تھے۔ پھر اچانک ہی جگن سامری نے دل ہی دل میں ایک منتر پڑھا اور اپنا منہ فضا میں معلق سومری کی پرچھائیں کی طرف کر کے پھونک ماری۔ پھونک ہی کی صورت میں اس کے منہ سے ایک شعلہ سا نکلا اور پرچھائیں کی طرف لپکا۔

اسی لمحے پرچھائیں غائب ہوگئی..... لپکتا ہوا شعلہ دیوار سے ٹکرا گیا اور بجھ گیا مگر اب وہاں بجھے ہوئے شعلے کی جگہ دیوار کے ساتھ ایک عجیب الخلقت چمگادڑ چمٹی ہوئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں ایک قہقہہ گونجا اور وہی چمگادڑ چیختی چلاتی ہوئی کمرے کے محدود ماحول میں چکر لگانے لگی پھر ایک آخری چکر کاٹ کر وہ جگن سامری کے چہرے پر جھپٹی اور اس سے چمٹ گئی۔

جگن سامری بری طرح چیخنے چلانے لگا۔ ادھر سومری اب اپنے اصل انسانی روپ میں نمودار ہوگئی۔ اس کے چہرے پر بڑی زہر خند مسکراہٹ طاری تھی۔ سب لوگوں کے چہروں پر ہیبت طاری ہوگئی۔ سائیں کوڑیل نے اپنے گرو گھنٹال کا یہ حشر دیکھا تو لرزنے لگا۔

وہ خون آشام چمگادڑ جگن سامری کے چہرے سے چمٹی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ خون آلود ہو رہا تھا۔ وہ اپنی سی بڑی کوششیں کر رہا تھا کہ خود کو اس خون آشام چمگادڑ سے بچائے مگر اس کی جسمانی طاقت، اس کا کالا منتر کوئی کام نہیں آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ فرش

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پر گر کر تڑپنے لگا۔ ادھر رچنی نے بھی اپنے شوہر کو عبرت ناک حالت میں دیکھا تو اپنے سارے منتر بھول گئی اور ہاتھ جوڑتے ہوئے سومری سے گڑگڑا کر بولی۔ ”میرے پتی کو بخش دے، اے نیک آتما ہمیں ماپھ کر دے۔“ سومری کو رچنی کی داد و فریاد پر ترس تو آیا مگر اسے غصہ بھی تھا کہ یہ دونوں جادوگر میاں بیوی ایک غلط مقصد کے تحت سائیں کوڑیل کے پاس مقیم تھے۔ اس کی سزا ملنی انہیں ضروری تھی لہٰذا سومری نے اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے ایک آواز نکالی تو جگن سامری کے چہرے سے چمٹی ہوئی وہ آسیبی چمگادڑ غائب ہو گئی پھر جگن سامری بھی سومری کے آگے پانی بھرنے لگا اور اس سے پہلے کہ وہ منہ سے کچھ بولتا، سومری نے زیرلب کچھ بڑبڑاتے ہوئے باری باری جگن سامری اور رچنی کے چہروں پر پھونک ماری۔

دوسرے ہی لمحے وہ دونوں میاں، بیوی گدھوں کی صورت اختیار کر گئے۔ سائیں کوڑیل اور عنایتاں پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ دہشت ناک منظر دیکھ رہے تھے۔

سومری نے بآواز بلند جگن سامری اور رچنی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم دونوں کی سزا یہی ہے کہ اب تم اسی حال میں رہو، اگر تم اپنی اصلی شکل و صورت میں آنا چاہتے ہو تو اس دھرتی کو چھوڑ کر اپنی دھرتی کی طرف لوٹ جاؤ اور پھر کبھی کالا منتر کسی پر کرنے کی کوشش کی تو ساری عمر کے لیے جانور بنا دیئے جاؤ گے، دفع ہو جاؤ۔“ سومری قہر بار انداز میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

وہ دونوں گدھ کمرے کی محدود فضا میں دو تین چکر کاٹنے کے بعد چیختے پھڑپھڑاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

”اب تو بول ..... تو کیسا جانور بننا پسند کرے گا۔ چوہا، کتا یا گدھا۔“ سومری نے استہزائیہ انداز میں سائیں کوڑیل سے کہا۔

اس نے فوراً گڑگڑاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔ ”مجھے معاف کر دو اے نیک روح .....! مجھے معاف کر دو۔“

”نہیں تو کالے منتروں کا پجاری ہے۔ تو ایسا بدبخت انسان ہے کہ کالا جادو سیکھنے کے جنون میں اپنے ہی لخت جگر کو شیطان کی بھینٹ چڑھا رہا تھا۔“

”نہیں ..... نہیں .....! اب میرے باپ کی بھی توبہ، اگر دوبارہ میں نے ایسا

کام کیا تو .....“ سائیں کوڑیل کی حالت مضحکہ خیز ہو رہی تھی۔

تب پھر اس کی بیوی عنایتاں نے آگے بڑھ کر سومری سے کہا۔ ”اے نیک روح .....! میرے شوہر کو معاف کر دے، یہ میرے سر کا سائیں ہے۔“

”ٹھیک ہے تیری وجہ سے میں اسے چھوڑے دیتی ہوں لیکن اگر دوبارہ اس نے کالے منتروں کے چکر میں پڑنے کی کوشش کی تو میں اسے ہمیشہ کے لیے اُلو بنا دوں گی۔“ سومری نے سائیں کوڑیل کی طرف گھورتے ہوئے اس کی بیوی عنایتاں سے کہا۔ اس کے بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

مرشد تحفظ کمیٹی کے ارکان نے لوگوں کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، وہ وڈیرے کے خلاف اس کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے اس سے متنفر ہوتے گئے تھے۔ بعض افراد نے تو ہجوم کی صورت میں حویلی کے سامنے احتجاجی جلوس بھی نکال ڈالا تھا۔

اندر وڈیرے سالار خان کی حویلی کے در و دیوار جیسے کاٹنے کو دوڑ رہے تھے۔ در و دیوار سے چمگادڑوں کی طرح چمٹے ہوئے منحوس سناٹے اسے ناگ کی طرح ڈس رہے تھے۔ باہر لوگوں کا شور جاری تھا ..... وڈیرے کے خلاف گوٹھ کے لوگوں کی نفرت اس لیے بھی کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ ایک روز جب محمد بخش چند معتبر لوگوں کے ساتھ وڈیرے کی اوطاق میں گل شیر کی سزا کے سلسلے میں آیا تھا تو اس وقت وڈیرے کے ساتھ ان لوگوں کی تلخ کلامی ہو گئی تھی اور تب وڈیرے سالار خان نے ان پر یہ بات آشکار کر دی تھی کہ وہ ہر صورت میں بھٹ سائیں (محمد ملوک) کو قتل کر کے رہے گا کیونکہ وہ اس کی بیٹی سومری کے ساتھ ”کارو“ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں میں وڈیرے کے خلاف نفرت پھیلنے لگی تھی۔ ان کی بھٹ سائیں سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہیں وڈیرے کے مقابلے میں اپنی کم مائیگی کی بھی پروا نہیں رہی تھی اور وہ بڑی تعداد میں حویلی کے گرد گھیرا ڈالے ہاتھ بلند کر کے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔

”ہم وڈیرے سالار خان کو بھٹ سائیں کا قتل نہیں کرنے دیں گے۔ وہ ”کارو“ نہیں ہے، ہم گوٹھ میں خون کی ندیاں بہا دیں گے۔“

ادھر وڈیرا سالار خان حویلی کے اندر اپنے کمرے میں غصے سے بری طرح پیچ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وتاب کھا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا کہ وہ باہر موجود سب کو گولی سے اُڑا دے۔ کمرے میں اس وقت اس کے منشی جمعہ خان کے علاوہ چند خدمت گار بھی موجود تھے، جب باہر موجود لوگوں کا شور حد سے تجاوز کرنے لگا تو وڈیرا سالار خان یکدم اپنے مونڈھے سے اٹھ کھڑا ہوا اور مارے طیش کے کپکپاتے ہوئے بولا۔

"اڑے منشی .....! بابا میری بندوق تو لے کر آ..... میں ابھی ان پر فائر کھولتا ہوں۔"

منشی جمعہ خان جو کافی دیر سے کبھی وڈیرے کے غصے کو سرد کرنے میں مصروف تھا تو کبھی بار بار باہر جا کر مشتعل لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے وڈیرے کے پیمانہ صبر کو چھلکتے دیکھ کر ہاتھ جوڑ دیئے اور عاجزی سے بولا۔ "سائیں وڈا چھوڑیں ان کتوں کو..... بھونک بھونک کر خود ہی چلے جائیں گے..... کیوں ان کے گندے خون سے اپنا ہاتھ خراب کرو گے۔"

تب کہیں جا کر وڈیرے کی انا کو تسکین ملی اور وہ غراہٹ سے مشابہ آواز خارج کر کے دوبارہ مونڈھے پر بیٹھ گیا..... غیظ و غضب کے عالم میں اب بھی اس کے نتھنے ..... بھینسے کی طرح پھول پچک رہے تھے۔

دفعتاً باہر ایک ذرا مختلف قسم کے شور کی آواز ابھری مگر یہ آواز کہاں تھی..... یہ تو گونج تھی کسی گاڑی..... موٹر کے انجن کی گونج دار آواز۔

وڈیرے کے ساتھ منشی جمعہ خان بھی چونک گیا..... منشی جمعہ خان نے باہر جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک ایک خدمت گار بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔

"مسں..... سائیں بھوتار! وہ..... وہ..... بب..... باہر پولیس آئی ہے۔"

اس اطلاع پر وڈیرے کو جیسے سانپ سونگھ گیا..... پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ یہ گوٹھ کے متعلقہ تھانے کی پولیس ہوگی لیکن جب مذکورہ خدمت گار نے یہ بتایا کہ پولیس کی دو گاڑیاں ہیں اور شہر سے آئی ہیں نیز ان کے ہمراہ مرحوم حاجی صاحب کا بیٹا داد محمد اور تحفظ مرشد کمیٹی کے محمد بخش اور رسول بخش بھی ہیں تو وڈیرے سالار خان کا ماتھا ٹھنکا۔ تب پھر باقی کی کارروائی آناً فاناً انجام پذیر ہوئی۔ داد محمد اور محمد بخش وغیرہ نے شہر

جا کر اعلیٰ حکام سے بالمشافہ رابطہ کر کے انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی گوٹھ کے تھانے کے انچارج انسپکٹر عالی جاہ کے عدم تعاون کی بھی شکایت کی۔ پھر ہاری میر محمد کے قتل کے چشم دید گواہ علی احمد' جو ان کے ہمراہ تھا، کا بھی پولیس ہیڈکوارٹر میں بیان لیا گیا اور حاجی صاحب کے قاتلوں کے بارے میں بھی محمد بخش نے بتایا کہ وہ وڈیرے کے ہی آدمی ہیں جنہیں وہ پہچانتا ہے۔ نیز ان پر حملہ کرنے والوں کا تعلق بھی وڈیرے کے حواریوں سے تھا' جن میں سے دو افراد کو یہ لوگ قابو کر کے اپنے ساتھ ہی شہر پولیس ہیڈکوارٹر لے آئے تھے۔

اس کے بعد وڈیرے سالار خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ انسپکٹر عالی جاہ کا فی الفور تبادلہ کر کے ایک دوسرے فرض شناس اور غیر جانبدار انسپکٹر کو متعین کر دیا گیا اور اسے میر محمد اور حاجی کے قتل کیس کا تفتیشی افسر بھی مقرر کر دیا گیا۔ میر نواز کو رہا کر دیا گیا۔

داد محمد اور محمد بخش وغیرہ کو پوری تسلی تھی کہ وڈیرے سالار خان کو اب کڑی سے کڑی سزا مل کر رہے گی، وہ اب نہیں بچ سکتا۔

☆.....☆.....☆

ریگزار میں ٹھٹھرتی ہوئی چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ رات کا گہرا سکوت چہار سو پھیلا ہوا تھا..... بھٹ سائیں کی جھونپڑی کے اندر بڑا دل فگار منظر تھا۔ اندر بھٹ سائیں اور سومری آپس میں بڑے دلگیر انداز میں محوِ کلام تھے۔

"ملوک .....! اب میرا انتظار..... میری بے چینی ختم ہوگئی، اب میں واپس جا رہی ہوں ملوک .....! ہمیشہ کے لیے....." سومری کی آواز میں رقت آمیز لرزش تھی۔

ادھر ملوک کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ وہ شدید تصویرِ غم بنا' مغموم نظروں سے سومری کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا سومری اب ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہونے والی تھی۔ جدا تو وہ مرنے کے بعد ہی ہوگئی تھی مگر ایک بے چین روح کی صورت میں اس سے ملتی رہتی تھی اور سومری کی اصل بے چینی وہ خود تھا۔ سومری دراصل یہ چاہتی تھی کہ وہ اپنے باپ (وڈیرا سالار خان) کو جو اسے ہلاک کرنے کے بعد اب اس کے محبوب محمد ملوک کو بھی "کارو" قرار دے کر قتل کر دینا چاہتا تھا..... کیفرِ کردار تک پہنچائے۔

وہ محمد ملوک کو اپنے باپ کے خونی انتقام سے بچانا چاہتی تھی، اب اسکا یہ مقصد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پورا ہو چکا تھا.....اس کے باپ کو پولیس شہر کی جیل میں لے جا کر بند کر چکی تھی۔ اس پر دہرے تہرے قتل کا مقدمہ چل رہا تھا۔ فردِ جرم بھی اس پر عائد ہو چکی تھی۔ وہ اب تختۂ دار کے قریب تھا لہٰذا سومری کو اطمینان ہو چکا تھا کہ اس کے محبوب محمد ملوک کی جان کو اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔

''سومری تو نہ جا' تو نہ جا.....سومری.....! میرے لیے تو تیری پرچھائیں کا ہی دیدار کافی ہے۔'' محمد ملوک ڈبڈبائی آنکھوں سے بولا۔ اس کا لہجہ بڑا دردانگیز ہو رہا تھا۔

سومری کا دل بھی اپنے محبوب کو آزردہ دیکھ کر تڑپ کر رونے لگا۔ وہ آزردہ لہجے میں بولی۔ ''میرے سرجن.....! یہ میرے بس میں نہیں کیونکہ اب میرا یہاں کوئی مقصد نہیں رہا، اب مجھے عالم ارواح کی طرف لوٹنا ہی پڑے گا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو جانے سے نہیں روک سکتی۔ مجھے آخری بار دیکھ لے، میں بھی تیرا آخری دیدار کر لوں، اللہ سائیں تجھے سلامت رکھے۔''

''کاش سومری میں بھی تیری طرح تیرے باپ کے ظالم ہاتھوں قتل ہو جاتا پھر ہم ایک ہو جاتے۔'' محمد ملوک کے لہجے سے مایوسی مترشح تھی۔

''تیرے بغیر میں کس طرح زندہ رہ سکتا ہوں؟''

''تُو اپنی زندگی کا مقصد انسانوں کی بھلائی بنا لے اور عشقِ حقیقی میں غرق ہو جا۔''

''یہی کچھ کرنے تو میں اس ویرانے میں آ بیٹھا تھا مگر تم.....'' اچانک محمد ملوک کو محسوس ہوا جیسے جھونپڑی میں گہری خاموشی چھا گئی ہے، اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سومری غائب ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

بھٹ سائیں کا آج بھی یہی معمول ہے۔ وہ صبح تا شام نادار اور حاجت مند لوگوں کی دعاؤں کے ساتھ داد رسی کرتا رہتا تھا اور رات میں قبرستان چلا جاتا ہے، سومری کی قبر کے سرہانے چراغ روشن کرتا ہے، پھر رات کے پچھلے پہر اپنی جھونپڑی کی طرف لوٹ آتا ہے۔

(ختم شد)